

پاکستان

رحمہ خان

جہانگیر

علامہ اقبال
اور
مولانا ظفر علی خاں

جعفر بلوچ

اقبال اکادمی پاکستان

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر:

ڈاکٹر وحید قریشی
ناظم
اقبال اکادمی پاکستان
پھنی منزل، ایوان اقبال، لاہور

طبع اول:

۱۹۹۵ء

تعداد:

۵۰۰

PRICE

قیمت:

۱۳۰ روپے

مطبع:

سعادت آرٹ پریس، لاہور

محکم فروخت: ۱۱۶ - مہکلوڈ روڈ، لاہور فون: ۷۳۵۷۲۱۴

فہرست

سرمتن

۵-۹۱	باب اول : علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں، اشتراک فکر و عمل کے چند پہلو
۵	ابتدائی مراسم
۹	ایک مشترک نظم
۱۰	طرابلس اور بلقان کی جنگیں
۱۲	اقبال کی شیوا بیانی کا اعتراف
۱۵	شفاخانہ حجاز
۱۶	شمع اور شاعر
۱۷	جواب شکوہ
۱۸	ہمایوں کی ایک نظم
۱۸	مولانا کا سفر ترکی اور اس کے تعلقات
۲۰	وطن واپسی
۲۱	اقبال و ظفر رام گلی میں
۲۲	ستارہ صبح کا زمانہ
۲۳	مشترک فی البدیہہ اشعار
۲۵	یہ مسائل تصوف

حضرت علامہ کے ایک کیوڑ کا مرقعہ

۲۸

حضرت علامہ آنریری سیکرٹری انجمن حمایت اسلام

۲۸

حمایت اسلام کا چونتیسواں سالانہ جلسہ

۳۰

کعبے کو پھر شریف نے بت خانہ کر دیا

۳۱

اقبال و ظفر اور راوی

۳۲

اقبال کی گائے دودھوں نمائے

۳۳

حضرت علامہ دفتر زمیندار میں

۳۳

اقبال و ظفر پر کفر کے فتوے

۳۵

اقبال اور عدالت عالیہ کی جٹی

۳۸

مجلس قانون ساز پنجاب کا انتخاب ۱۹۳۶ء

۳۰

سید سلیمان ندوی لاہور میں ۱۹۹۲ء

۳۰

مئی ۱۹۹۲ء کا ہنگامہ لاہور

۳۲

راجپال ملعون

۳۳

شاہی مسجد میں اقبال کی تقریر

۳۶

علم الدین شہید

۳۸

فلسطین

۵۰

شہر

۵۳

قاریانیت

۵۹

شفاء الملک کے اعزاز میں چائے

۶۸

حمایت اسلام کا ۵۱ واں سالانہ جلسہ

۶۹

انجمن اردو پنجاب

۶۹

مولانا ظفر علی خاں مرکزی اسمبلی میں

۷۱

باہمی مشاورت

۷۱

اجرائے زمیندار اور اقبال

۷۳

کلام اقبال کی اشاعت اور ان کی تصانیف کا خیر مقدم

۷۳

۱۳۵	کچھ اور انتخابی دورے
۱۳۶	ظفر علی خاں اور مسلم لیگ ۱۹۳۸ء سے اوائل ۱۹۴۰ء تک
۱۳۹	قرار داد پاکستان
۱۵۲	۱۹۴۰ء سے قیام پاکستان تک
۱۵۲	لورنٹس پریس کے نمائندہ کو انٹرویو
۱۵۳	دردِ حیا کی سیاست
۱۵۴	اکل گڑھ (ضلع گوجرانوالہ) میں تقریر
۱۵۴	انگریزوں کی فوجی بھرتی اور مالی امداد
۱۵۵	جناح اور گاندھی
۱۵۶	بن کے رہے گا پاکستان
۱۵۶	مولانا بدایونس، جنگپور اور ٹاٹپور میں
۱۵۷	زکوٰۃ کمیٹی کی ممبری
۱۵۸	راشتر سبھک سنگھ
۱۵۹	ہمارا موقف پاکستان ہے
۱۵۹	خاکساروں کے حق میں
۱۶۰	کمیٹی برائے معاملات حج
۱۶۰	سرदार شوکت حیات اور مسلم لیگ کے حق میں
۱۶۱	ہماری منزل پاکستان ہے
۱۶۲	دہلی یونیورسٹی میں
۱۶۵	ظفر علی خاں اور استحکام پاکستان
۱۶۸	کشمیریات
۱۷۰	مولانا کو مشاہیر پاکستان کا خراج تحسین
۱۷۰	قائد اعظم
۱۷۰	حسین شہید سہروردی (سابق وزیر اعظم پاکستان)
۱۷۱	مولانا صلاح الدین احمد مدیر اعلیٰ دنیا

۱۷۱	ابو سعید انور (سیکرٹری مجلس اتحاد ملت)
۱۷۱	ایک گزارش
۱۷۲	حوالے اور حواشی

باب چہارم : اقبال و ظفر — معاملات من و تو

۱۸۰	وطن مازنی کے میدان
۱۸۱	ظفر علی خاں اور حیدر آباد
۱۸۲	ایک منظوم مکالمہ
۱۸۳	فوجی بھرتی
۱۸۵	سر کا خطاب
۱۸۷	دوستانہ شکوہ
۱۸۸	اقبال اور انقلاب
۱۸۹	نادر شاہ
۱۹۲	حسین احمد مدنی
۱۹۲	حوالے اور حواشی

ضمائم

۲۱۵-۱۹۹	ضمیمہ نمبر ۱۔ مکاتیب علامہ اقبال بنام مدیر 'زمیندار'
۲۱۷-۲۷۴	ضمیمہ نمبر ۲۔ نگارشات مولانا ظفر علی خاں بہ سلسلہ علامہ اقبال
۲۱۹	(i) علامہ اقبال کی شاعری (تقریر)
۲۲۸	(ii) آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم (انٹرویو)
۲۳۷	(iii) اقبال میرا دوست (انٹرویو)
۲۴۰	(iv) علم والاقتصاد (تبصرہ)
۲۴۲	(v) ہن لباس لکم (رموز بے خودی کا ایک باب)

۲۴۷	(vi) جواہر ریزے (حضرت علامہ کے بعض اشعار کی تفسیر)
۲۵۳	(vii) جواہر ریزے (رموز بے خودی کے بعض اشعار کی تفسیر)
۲۵۶	(viii) حدیث آرزو مندی (مقبورہ جمالتگیرہ)
۲۵۸	(ix) طریقت کا کلام اللہ
۲۵۹	(x) مدعیان تصوف سے دو ٹوک فیصلہ
۲۶۱	(xi) نکاہت (نادران دوست)
۲۶۳	(xii) نکاہت (پہ سلسلہ سائن کیشن)
۲۶۷	(xiii) نکاہت (اقبال اور ٹیگور)
۲۷۰	(xiv) نکاہت - قاریانیت اور اقبال (۱)
۲۷۳	(xv) نکاہت - قاریانیت اور اقبال (۲)

ضمیمہ نمبر ۳ - (متفرق تحریریں)

۲۸۶-۲۷۵

۲۷۷	(i) آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی تجدید و تشکیل
۲۸۳	(ii) جشن استقلال (اداریہ زمیندار ۱۵ اگست ۱۹۴۸ء)
۲۸۵	(iii) مکتوب ظفر علی خاں بنام علامہ اقبال و دیگر زعمائے ملت

سرمتن

حضرت علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں دونوں ملی اور ادبی حوالے سے ہمارے برگزیدہ ترین اکابر میں سے ہیں۔ بر عظیم کی سیاسیات و ادبیات اپنے فروغ و ارتقا کے لئے ان کی مرہون منت ہیں اور اسلامیان بر عظیم خصوصاً ان دونوں حضرات کے زیر بار احسان ہیں۔ ان دونوں ہم عصر شخصیتوں کی اعجاز آفرینی اور تاریخ سازی نے ہماری قومی زندگی کے لئے محکم بنیادیں فراہم کیں اور ان کے حالات و آثار کا مطالعہ دراصل ہمارے حصول آزادی اور دنیا کے نقشے سے ایک نئی مملکت کے ظہور کی ولولہ انگیز داستان ہے۔ ان محسنین ملت کی تابندہ حیات و فتوحات اور ان کے رخشندہ احوال و آثار کے مسلسل و مکرر مطالعہ سے ہم اپنی قومی زندگی کو ازسرنو مضبوط و محکم بنا سکتے ہیں۔ یہی احساس ”علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں“ کی تصنیف کا بنیادی محرک تھا۔

اس کتاب میں حضرت علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں کے بارے میں مختصر اور نجی حوالے سے بھی متعدد نکات زیر بحث آئے ہیں۔ کتاب کے ان حصوں کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ ہمارے اکابر کی اجتماعی اور انفرادی زندگی میں کوئی بعد نہ تھا۔ یہ حضرات نجی زندگی میں بھی ویسے ہی راست رو، حق پسند، صداقت شعار، اخلاص کیش، شگفتہ طبع اور وضع دار تھے جیسے کہ اجتماعی زندگی میں۔ ان کی باہم آمیزیاں، دوست داریاں اور محفل آرائیاں ان کی ملت دوستی کے تابع ہوتی تھیں۔ ان خیر نماد اکابر کا اسلوب حیات ہمیں دعوت اتباع دے رہا ہے۔

اخلاص عمل مانگ نیاگان کمن سے

شاہاں پہ عجب گر بنوازند گدا را

یہ مضمون و فنون و طرز و بیات میں بھی تعلیمی مضمون و طرز و بیات میں مندرجہ اور نتیجہ خیز رہا ہے۔ یہ تعلیمی مطالعہ زیادہ تر مختلف ادبی اذوار مختلف سائنس مختلف ادبی شہکاروں اور مختلف ادبی شخصیات وغیرہ کے بارے میں ہوتے رہے ہیں۔ تعلیمی مطالعہ سے ہم زیر نظر مضمونات کا کافی حد تک صحیح اور متعین تعارف حاصل کرتے ہیں۔ ہم اوقاف معاصر شخصیات کا تعلیمی مضمون بھی دیکھیں اور انسانیات سے بھی نہیں۔ اس مضمون سے ہم نہ صرف متعلقہ شخصیات کے بارے میں کافی کچھ جان سکتے ہیں بلکہ تعلیمی کی وجہ سے ہم قدر و مقام کی تعین کے مراحل میں افادہ و تفریح کا شکار بھی ہیں ہونے پتے۔ ہر ایک دور کے سلسلہ واقعات کا مطالعہ ہمیں عصر آفریں شخصیات کے نقطہ میں رہتے ہوئے میں تاویلا ہمیں زمانہ و عمل تعلیم سے بہتر توجہ و توجہ خود کیج رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت جب نظر آ رہا ہو تا جب کہ اس دور کے واقعات کا مضمون اثر انداز ہونے والے متعدد تحقیقی عناصر کے ہاں میل و شش و بریز جذب و دفع اور اتصال و انقطاع سے اس طرز صورت پذیر ہو رہا ہے۔

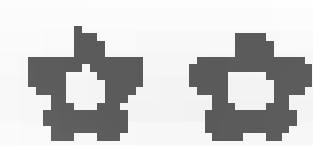
مقدمہ مسرت ہے کہ حضرت علامہ قبل کے حوالے سے اس طرز کے تعلیمی مطالعات کا ایک زریں سلسلہ مشرق اور مغرب زبانوں میں وجود میں آچکا ہے۔ خصوصاً اردو میں تو اس نوع کی تحقیقی و تنقیدی کاوشیں بھرپور صورت میں لے رہی ہیں۔ تعلیمی مضمون پر بھی ایسے مضامین کی فہرست بہت طویل ہے۔ تاہم انسانی صورت میں شائع ہونے والے تعلیمی مطالعات بھی معتد بہ تعداد میں ملاحظہ ہیں۔ ان قابل قدر مطالعات میں سے قبل کے شعری ماخذ مثلاً رومی میں (سید وزیر الحسن عابدی) اقبال اور حافظ (ڈاکٹر یوسف حسین خاں) علامہ اقبال اور مولانا محمد علی (ڈاکٹر ابوسعد شاد جہاں پوری) اقبال اور مغربی مفکرین (جنرل ناتھ آزاد) اقبال اور سید سلیمان ندوی (اختر راہی) اقبال صوفی تبسم کی نظر میں (ڈاکٹر سار احمد قریشی) خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ ”علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں“ تو بھی اسی سلسلہ تالیفات کی ایک بڑی سمجھ جا

نکلا ہے۔

کرامی دست اے دیندہ قویٹی، جناب غلام پروفسر ڈاکٹر خواجہ محمد زبیر اور
ڈاکٹر تیسین فرائی نے اس کتاب کی تصنیف و تالیف کے ضمن میں مجھے اپنے
قیمتی مستوروں سے نوازا۔ خدا انہیں جزائے حیر دے۔ اقبال آباد کی دستاں، اس کتاب
کی خدمت و اشاعت کا اہتمام کر رہی ہے۔ رب کریم اس کی فیض رسانی کی توفیقات
میں مزید اضافہ فرمائے۔ خدا کرے یہ کتاب ملک و ملت کے لئے نافع ثابت ہو۔
(تیسین)

جعفر بلوچ

۱ جولائی ۱۹۹۳ء



علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں (اشتراک فکر و عمل کے چند پہلو)

ایک رات دو چاند ستاروں کی محفل بکثرت ہے یہ سارے موسم میں رنگ برنگ چوں باہم
نہایت میں تہیجے بار بار یہ ہیں تہا ہے کہ معصیت کو صرف رشک و رقابت کا پیش خیمہ
نہایت میں 'ملاقات' یہ اتنا، و اشتاب کی لطافتوں کا سرچشمہ ہے۔

حضرت علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں بیسویں صدی کے آسمان علم و ادب کے
مہ و مشتری تھے۔ دونوں حضرات ادبیات میں منفرد اسایب کے طرح انداز تھے۔ دونوں کا قلم قوی
و اعلیٰ امتوں اور تحریکوں کی تہ و تاب کا مقیاس تھا۔ عمرانیات و سیاسیات میں عملی طور پر اعلیٰ
و اعلیٰ ادارے نے حب و ملت کے لئے ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں۔ فکر و نظر اور نصب
الاعین کا اشتراک تھیں خاطر اور قربت و رفاقت کے لئے موثر ترین محرک ہوا کرتا ہے اس لئے
حضرت علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں میں رفاقت و موانست کے غیر فانی رشتے کا استوار ہونا
جید از مہم سمیں۔

دونوں اکابر کے اوہین باہمی تعارف کو ان دونوں کی عظمت و شہرت کے اوہین ظہور ہی سے
'دوست' سمجھنا چاہیئے۔ یہ تعارف جلد ہی دوستی میں تبدیل ہو گیا اور چونکہ اس دوستی کی بنیاد
نہایت ہی اعلیٰ تھی اس سے یہ دوستی روز افزوں استحکام و حال رہی اور بعض فردی سیاسی اختلافات
سے چند نامہ نگار مراحل کے سوا فریقین کو ہمیں حیات تک اس دوست داری کا پاس رہا۔

ابتدائی مراسم

حضرت علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں کی تعلیمی صلاحیتوں کا انکسار انیسویں صدی
میں ہی سے ہونا شروع ہوا تھا اور اس کا علامہ اس دور کے جہانگیر اور گلہ ستموں وغیرہ

میں شائع ہو رہا تھا۔ یہ تمام ادبوں کی تعلیق سے اس وقت کے مروجہ خیالات سے قطعاً اس کے
تیس یا چار سال کے کہ ادبی تعارف کے علاوہ وہیں حضرات کا بھی علمی تعارف بھی ہو گیا
صدیوں میں سے آج کے قلم و پلم کا وہاں میں ہم ان دونوں معاملوں کی
تحقیقات کو ماہنامہ مخزن میں اشاعت اور قلموں عام کی سند یافتہ دیکھتے ہیں۔ مثلاً ان کے
اپریل ۱۹۷۱ء میں حضرت علامہ اقبال کی خدمات اور ان کا مختلف علمی و ادبی خدمات
(مشمول "بہارستان") شائع ہوئیں۔ ان کا مدد حیدر ٹرے مخزن کے۔ ان کا یہ مقدمہ
ہوئے اور ان دونوں نظموں کی اس وقت سے

”نظم کا حصہ میرے خیال میں نثر سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ خصوصاً شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے کی اس نظم کے لحاظ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ نظم کے لیے محمد زید محمد ظفر علی خاں صاحب نے اس دن نظم کے لیے کام کیا ہے۔ یہ دن راگ۔“ ”نثر ہی نظم، راگ ہی من و یہ تمہارا نثر ہے۔“ شیخ نے کہا۔

خیالات کو نصیحت ہی منسوب اور بہت ہی جلد شیخ کے ساتھ اردو کا مشرقی باب پہنایا گیا ہے۔“ (۱)

سن ۱۹۴۴ء میں مولانا غلام علی خان نے جدوجہد میں سے "نئی ریویو" جاری کیا۔
 شائع کیا۔ اپنے دور کے اس ممتاز علمی و ادبی ادارے کے شریک مباحث ۱۹۴۹ء میں جامعہ قادیان میں
 "رخصت اے برم جہاں" (۲) شائع ہوا، جس کی بیسیوں کاپیاں جامعہ قادیان میں بھی تھیں۔
 ان ہی سے "نئی ریویو" میں چند صفحات مولانا غلام علی خان کی "رخصت اے جہاں" کے نام سے
 وقف ہوتے تھے اور یہ "نئی ریویو" کے ادبی نام سے شائع ہوتے تھے۔
 کبر حیدری شیرینی اپنی ایک تصنیف بعنوان "نئی ریویو" (طیورہ نقاشی) شریک مباحث ۱۹۴۹ء میں
 لکھتے ہیں "نمایاں پر ویسے تا حیدر آباد کے ادبی نام سے پڑھنے والی کتابیں لکھتے تھے
 ان مصنفوں میں سے ایک انہوں نے میر علی کے نام سے جو میں جامعہ قادیان میں
 نام سے ادبی نام سے لکھتے تھے ان کے تنقیدی مضامین ان زمانے میں ان کے نام سے لکھے
 لکھتے تھے۔"

"مسیر" و "آئیں دیود" (اں رہاک میں یہ دواں چراغ یک حد شمع ہوتے تھے۔
شمارہ جاہت میں جمادی الثانی ۱۹۰۳ء میں حضرت علامہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے مکتوبات میں
جریدہ "اردو سنی" کے نام سے اردو شمارہ جاری کیا۔ اس کا مقصد مسلمانوں کی
اعتراضات کو رد کیا ہے جو موصوف نے صرف علامہ کے ایک قصیدہ (در مدح نواب بہاولپور) پر

دار کے تھے۔ حضرت قاد نے حضرت اقبال کی مدافعت کرتے ہوئے لکھی

"ایک مضمون لکھنؤ کی پبلیسٹ ہاؤس میں اقبال کے ایک قصیدہ کی غلطیوں
کسوں ہیں۔ بڑا اعتراض یہ ہے کہ یہ قصیدہ ممدوح (ذاب بھاپور) کی شان کے
شایوں میں بلکہ اسٹندرا اعظم دنیوین کے قابل تھا۔ میرے خیال میں اس اعتراض
سے قصیدہ کی تعریف کا پہلا نمونہ ہے نہ مذمت کا۔ مقررین صاحب اگر دیکھیں اردو کے
قصائد لکھنے والے تو انہیں معلوم ہو گا کہ معمولی معمولی دعوے سے ایسے بڑے
قصائد لکھے گئے ہیں کہ اقبال کے قصائد کی ہر حقیقت میں۔ ایک اور شعروں پر
اعتراض بھی ہے کہ وہ مردہ زبان پر یہ کہتے ہیں۔ کوئی خاص غلطی زبان کی نہیں
تھا کی گئی۔ بعض شعروں کی بے انتہا تعریف بھی کی ہے۔"

"دکن ریویو" کے شمارہ بابت ستمبر تا دسمبر ۱۹۰۵ء میں حضرت علامہ کی وہ غزلیں شائع ہوئی
جس سے ان شعروں کی دلیل ہیں۔

مٹاں پر تو سے طوف جاہل ہے
یک نوار آواز صبح و شام نرت ہے
مے رہو وطن مازنی (۳) کے میدان
جہاز پر سے نہیں ہم سلام کرتے ہیں

مولانا ظفر علی خاں نے بعد میں انجیر، چراغ و اخبار مشرق، منتخب ریویو، ستارہ صبح، زمین
وغیرہ نام کے تو ان میں بھی حضرت علامہ کا کلام گاہے گاہے چھپتا ہے۔

۱۹۰۸ء میں دونوں اکابر کے ربط و تعلق کا ایک سیدہ ریویو نے اپنی کتاب "انامہ ریویو"
میں اس طرح کیا ہے

"۱۹۰۸ء میں البتہ جب مولانا ظفر علی خاں کے زیر اہتمام "انجمن سخن" قائم ہوئی
اور طبعی رسوم کی وفات پر یہ جلسہ بانیوں نے اس کی صدارت محمد اقبال سے لی اور
یہ کلام بھی شایہ۔ شاید لے سے۔" (۴)

۱۹۰۹ء کے "سخن" میں شیخ سر عبد القادر نے "اردو سچا" کے نام سے ادارہ میں اردو
رواں کے لئے نمایاں خدمات سرانجام دینے والے افراد پر مشتمل ایک مجلس مقرر کرنے کی تجویز
پیش کی۔ اس میں اردو و ایک مجلس اردو قومی زبان کی حیثیت سے ترقی دینی کے مولانا ظفر علی
خاں نے ان ریویو بابت فروری ۱۹۰۹ء میں اس تجویز پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھی
"بہرحال نشوونما کی اس حیرت انگیز اور سرسبز اسیس قائمیت کے بھروسہ پر نہ تھا۔"

رو زمان سے مراد و ریشہ میں "اجت" کی جگہ سے نہیں ناامید ہوئے بغیر اپنی
 و شش جاری رہتی تھیں۔ لیکن تو اس خیال سے اور بھی یہ سوچ رہے تھے
 مبد القار صاحب اور مولانا محمد اقبال صاحب جیسے مستعد، لائق اور ای اثر افرا، قوم
 کی ممتاز مساعی ضرور ہمارے طور پر ہیں، ہم اس تجربہ کی نسبت خوشی سے غیر مستعد
 سے ہیں اور شیخ صاحب کی مجبور خدمت کی ترتیب میں، اس حد تک کہ اسے اس
 سے تعلق ہے، بہ سہری نام، "سہری لکے" و تیار ہیں، یمن کی قدر عرض سے بھی
 ہمیں رہ سکتے کہ مناسب ہو گا کہ "اردو سبھا" کے بجائے جس پر بادی النظر میں
 "اندر سبھا" کا رھو کا ہوتا ہے، کوئی اور موزوں نام اس انجمن کے لئے تجویز یا
 جائے۔" (۵)

اوں طبر کے دوستانہ مراسم لکھنؤ ملاقاتوں تک وسیع تھے۔ اوں دوستوں کی
 ایک ملاقات کی کیفیت مولانا غلام رسول مر کے قلم سے ملاحظہ ہو :

"ایک مرتبہ ہم چار پنج طالب علم مولانا ظفر علی خاں مرحوم سے ملنے سے
 ملے۔ وہ اس زمانے میں شاہ محمد غوث سے پاس ایک نو تعمیر کمرت میں رہتے تھے
 اس کی دوسری ورتیسویں میں انہوں نے رہائش گاہ چھٹی تھی۔ ہم دوسری میں
 میں پہنچے تو وہاں سے گھر میں مولانا ظفر علی خاں بیٹھے تھے۔ مغرب کی نماز ہو چکی
 تھی۔ ماشاء اللہ ان ابھی نہیں ہوئی تھی۔ مولانا سے تھوڑے دیر کے بعد انہوں نے
 تشریف فرما تھے۔ ساری کامیابی تھی۔ اقبال نے شہوار پہن رہی تھی سفید قمیص اور
 نیمہ ٹائٹ، سر پہ نلکی بدمحل تھی، ہاتھ میں چھتری تھی۔ اس وقت میں وہ نارنگی
 لاہور میں رہتے تھے۔ میرا خیال ہے شام کے وقت ملتے ملتے مولانا ظفر علی خاں سے
 ملنے کے لئے آئے تھے۔ ہمارے ساتھ انہوں نے دو چوہے فرمادے اس کامیابی سے تھا کہ
 ظفر علی خاں آپ کے اخبار میں کانپور کے قضا صاحب (شاعر کا نام مولانا مرے
 حدت راجہ) کی دو ہی مکی نظمیں چھپتی ہیں، بعض اوقات میں بتاتے کہ قرآن
 طاس کا ٹکٹ وہ در کانپور پہنچ کر اس کے پیٹ میں چھرا ٹھونپ دے پھر سہا پتا
 ہوں کہ اس شخص کو حتم کرنے کے لئے کانپور تک قرآن طاس کا کرایہ خرچ کرنا بھی
 روپ کا ضیاع ہو گا۔

تقدیر شب سہیں کہ اس شاعر کی نظمیں بہت معمولی ہوتی تھیں اور مولانا زمیں دار کا
 ہر ماہ صوبہ گزیر جیتی تھیں۔ حضرت علامہ کے ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ اس قسم کی

تفصیل اخبار میں نہ تھیں چاہیں ہیں اس زمانے میں خبریں اور مضمون زیادہ میں
ہست تھے اور اخبار ویسے ڈالیں مقصد یہ ہوتا تھا کہ اخبار سے منکحات جلد سے جلد
پڑھو جائیں۔" (۶)

ایک مشترک نظم

"سارستان" کی ایک نظم بعنوان "پرانی روشنی" کے وضاحتی نوٹ میں مولانا ظفر علی خاں
فرماتے ہیں :

"یہ نظم علامہ اقبال کے مکان پر بیٹھ کر اس زمانے میں لکھی گئی جب علامہ اقبال
انارکلی میں رہتے تھے۔ اس میں آدھے شعر میرے ہیں اور آدھے علامہ ممدوح
کے۔" (۷)

جناب شورش کاشمیری نے بھی نظم بعنوان "مسلمانوں کی جمعیت برائے تہذیب و
ہنر" کے اقبال سربراہیت ۲۵ اپریل ۱۹۴۹ء میں شامل دی اور اس پر یہ نوٹ پڑا
"مولانا ظفر علی خاں نے یہاں فرمایا کہ ۲۱ دہائی ۱۹۴۹ء کی شب و وہ علامہ اقبال
ممدوح کے مکان پر تشریف فرما تھے۔ اس میں میرے ہیں ۱۰ شعر اور ۱۰ شعر علامہ اقبال
تصویر بھی سامنے آگئی چنانچہ مولانا اور علامہ کے مشترکہ طور پر یہ نظم ترتیب دی
۲۰ دہائی میں درج ہے۔ اس کے پتے اور شعروں میں پیشینگی دہائیوں کے عقیدہ
اور اس کی طرف اشارہ ہے۔ باقی شعروں میں مختلف واقعات پر اشارے ہیں۔"
نظم ملاحظہ ہو :

ہمارے شاہ کا ہمسرہ دارا ہے نہ خسرہ ہے
کہ اس کی ذات پر نازاں بساط کنت و نو ہے
اگر اس کی سلامی کے لئے نواب بھجتے ہیں
تو راجوں سے بھی چمدوالی اپنے ہاں دی و ہے
نی سلسلہ سے ہیں در کی تعمیر پیدا
حدش ہاں بولی چٹا بولی تنہا چہرہ ہے
عجب ہے میں قسمت ہاں کہ چینی شیشی دی
بچھالی شیشی بچھارے نے ہاں ہاں ہے

حصول جاہ و عزت جس وفاداری کا مقصد ہو
 وہ جسٹس ٹاروا گندم نہیں گندم نہا جو ہے
 نہیں ہے ہر اظہار وفا لازم نمود اصلاً
 کہ بحر شعر میں یابی نہیں مطلق مگر رو ہے
 لے گی تشنہ عزت کو کب اعزاز کی قفل
 مہینہ جون کا ہے اور یہ سرگرم تک و دو ہے
 مبارک ہے یہ جشن تاجپوشی جس کے صدقے میں
 وہ مسجد تک چلا آیا کلب گھر کا جو رہا ہے
 مسلمانوں کی جمعیت اگر کم ہے تو کیا پروا
 مدد سو کے چمپاٹھ ہوں مگر مفہوم تو سو ہے
 نہیں ہوتے ہیں لیڈر ان میں پیدا قابلیت سے
 مسلمانوں میں یہ مخلوق مثل ہنرہ خود رو ہے
 خوشامد نے جلا ڈالا ہے خودداری کے خرمن کو
 ذرا سی شمع ہے کم بجت اور کتنی بڑی لو ہے
 ضرورت کچھ نہ کچھ دنیا میں ہے عصمت فروشوں کی
 یہ روحانی قدمچہ ہے یہ اخلاقی بد رو ہے
 بڑی روشنی میں دیکھ لو ہے پختگی کیسی
 کہ پتے دن سے سر و ماہ میں قائم وہی نمود ہے (۹)

مرتب "سرود رفتہ" مولانا غلام رسول مہر فرماتے ہیں :

"تیس کی بنا پر یہ فیصد ہونا آسان نہیں کہ اس میں سے مولانا کے شعر کون کون
 سے ہیں اور علامہ سے کون کون سے؟ لیکن دونوں کے انداز فکر اور اسلوب بیان و
 پیش نظر ملتے جلتے ہیں بڑی حد تک وثوق سے کہنا سکتا ہے کہ نمبر ۵۹ء ۶۰ء ۶۱ء ۶۲ء
 علامہ مرحوم کے مضمون ہوتے ہیں اور باقی مولانا ظفر علی خان مرحوم کے (۱۰)

طرابلس اور بلقان کی جنگیں

۱۹۱۱ء میں اٹلی نے یورپی طاقتوں کے ایماء اور دربارہ اتحادوں سے طرابلس (لیبیا) پر حملہ کر
 دیا۔ مولانا مہراں جنگ کے بارے میں لکھتے ہیں :

"ترک" عرب اور مصری مل کر (اٹلی کے) متب میں ٹھہرے ہوئے تھے اور انہوں نے غیر معمولی قربانیوں سے کام لے کر اٹلی کی پیش قدمی روک دی تھی۔ وہ دور بڑا تاریک تھا۔ طرابلس کے آٹھ کل میاں کہتے ہیں: "موریتانیہ سلطنت عثمانیہ کا ایک صوبہ تھا۔ ترکی کے پاس بحری جہاز کوئی نہ تھا۔ اس کی لوہیں مصر سے گذر کر طرابلس پہنچ سکتی تھیں۔ لیکن گمرکوں نے مصر کا راستہ روک دیا۔ نوجوان بہادر تب بھیس برس برس کر مصر کے غیر معروف راستوں سے گذرتے ہوئے طرابلس پہنچے اور عربوں کو منظم کر کے انہوں نے اٹلی کی فوجوں سے لڑایا۔ ان بہادر ترکوں میں ہر پاشا شہید، یازہی بے شہید، غازی عصمت ابووا غازی معصومی کس اور بیسیوں دوسرے جوان مرد قاتل رہے ہیں جن کے نام تاریخ نے صفحات پر ہمیشہ زندہ رکھے ہیں۔ یورپی حاکموں نے اٹلی کی ٹامرا دیوں کا راز آشکارا ہو گیا تو انہوں نے بلقانی ریاستیں (جیسائی ریاستیں) جو پہلے ترکی کے ماتحت تھیں، وہ اب ترکی پر حملہ کر دیا۔ اس طرح ترکوں سے لڑنے میں جنگ شروع ہوئی اور بہادر تب مسلمانوں و طرابلس بھوڑ بر واپس آئے۔" (۱۰)

مولا نا مر اس سلسلہ واقعات نوٹیاں کرتے ہوئے "مختصر تاریخ اسلام" میں لکھتے ہیں: "جنگ بلقان پھڑپھڑانے پر ترکوں نے طرابلس کو ترائی دے دی اور اپنی پوری قوت بلقانیوں کے متاعے میں لگا دی۔ بلقانیوں کے قدموں میں ہمیں پہنچے اسوں نے مسلمان آبادیوں پر خونریز ظلم کیا۔ آخر یورپی حاکموں نے صلح کرانی اور ترکی کے بہت سے یورپی علاقے بلقانی ریاستوں کو دلا دیے۔" (۱۱)

نہ ام انگیز واقعات سے عام مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں کی طرح مسلمانان پر عظیم بھی نہایت ملے اور آزرہ خاطر ہوئے۔ مسلمانوں کے زلزلے سیاست و ادب نے اٹلی اور ان کے یورپی حاکموں کے ان محکم پر قاتل وار، رائل کا اٹھایا ہے۔ ان حضرات میں سے مولانا محمد علی عثمانی، مولانا محمد علی جوہر، علامہ اقبال، مولانا خضر علی خاں، ڈاکٹر انصاری اور مولانا ابوالکلام آزاد۔ اس سے گراہی خصوصاً قاتل ذکر ہیں۔ علامہ اقبال کے اس زمانے میں وہ ہمیں نہیں دوسری اسلامی حیثیت، ملی احساس اور حریت پسندی کی لازوال شہادتیں ہیں۔ ان لکھنوں نے مسلمانوں کو ایسے دھڑکتے دھڑکتے ہمارے بھائی، بناب، اسلام، حسین، ابوالمختار کے ساتھ ہیں

"طرابلس اور بلقان کی جنگوں نے پر عظیم مسلمانوں کے جذبات میں غریبوں کے دینا، قباں نے اسے اپنی نظموں، شہداء، جواب شہداء، شعور، رہنما کے ساتھ ہیں" (۱۲)

شواں 'فاطمہ بنت عبداللہ' کی صرہ اور شمع و شاعر میں سمو کر ان کی اس انجین

نمائت میں امید کا احساس ابھارا۔ (۳)

مولانا ظفر علی خاں نے رونا مار دیندار میں اس سلسلے میں ایسی تحشیں قیں شاع میں
کہ سفری جی استعمار مجلس مجلس سے چہ وہ شہدہ وادہ بھی تھے اس کی تحش نوئی نے
مسلمانوں کے اوس کی انہرگی و تحش میں بدل دیا۔ مولانا نے اس سلسلہ میں و تحشیں
اس میں سے چند اقتباسات درج کیے ہیں۔ ان سے مولانا کے ملی جذبات کی التباب قریبی دیکھ
سکتے ہیں۔

نہیں در مسلوں میں یہ جہاں اس وقت سے نشئی ہے
میں و اتی بے رنج و جھکی نہ یہ وقت مایہ ہے
تا رنجی بے رنج و اتی اصیہ کی حرابی
نہ شہر شہر مایہ ہے و در مشق ربانی سے
ازیں حشیں یہ رنج کہ رنج ہے و میں مسلمان
ماں سے مسلمانوں کا نچوڑا نہ کی نچوڑی نہ ہے

(ظلم کی صلیبی جہاں ۱۰۰)

خدا کا ہو غضب اٹلی پہ نازل
یہ ہے جس نے خون بے گناہاں
دیئے ترکوں کو جھوٹے جس نے الزام
گھنڈ اپنے جہازوں پر ہے جس کو
ترب کا کیا مسلمانوں سے اٹلی
اڑاے کو ہے ترکی کوئی دم میں
خدا ترہوں کی فرمائے گا ادا
یہ جس نے مسلمانوں کو
یہ جس نے شہید نور و شہ
یہ جس نے بھوتہ جس نے
سقی صلیبی ہے و میں مسلمان
تامل یا شفق اور شہ
یہ جس نے نصرت ا فتح و ظفر
صدق اتم ممل ہے و میں
ظلم "ترب اور اٹلی"

یہ جس نے تیغ رونا کا شہ بے تو مشن و
لرن اس تب اٹلی کے احمقوں بے تو اڑاے و

یہ جوتھے نسوں پر جا کے میمن سے جلی کمرہ ہے
 کہ کھلی تپ کی امت ہے قہر امن احماتے
 جس نے تعمیر نے س کو نایاب کرب مرہم
 تجھے اس پوپ میں پھرس سے تھیں تیرے

تھیل پٹا سے بھجوا دلی سے وہ تپ
 رہن سے قافیہ میں سے ہاں مرہم تپ
 تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ
 ہم سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ
 محبت کی تپ سے تپ سے تپ سے تپ
 تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ
 تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ
 تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ

مولانا کا یہ سانی اور قلمی دنیا کی تپ سے تپ سے تپ سے تپ
 تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ
 تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ
 تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ
 تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ
 تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ
 تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ
 تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ

تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ
 تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ سے تپ

اور مولانا ظفر علی خاں نے فرمایا

بے گناہوں کے مہر کی ہر ری ہیں ندیاں
 خاک ایران خون عصمت سے ہوئی ہے لالہ رنگ
 آج ایراں ہے تو نکل کابل کی باری آئے گی
 مگر یہی ہے روسیوں کی چال ڈھال اور رنگ ڈھنگ

آہ اے انصاف ہم ڈھونڈیں کہاں جا کر تجھے
سینٹ پطرس برگ جب مضراب اور لندن ہو چنگ (۱۵)

اقبال کی شیوا بیانی کا اعتراف

۲۶ جنوری ۱۹۱۲ء سے "زمیندار" میں سید حسن مرتضیٰ شفیق عمادپوری (۱۸۷۱-۱۹۳۳ء) کی
ایک نظم اس مضمون پر شائع ہوئی کہ ہندوستان میں وہی شیوا بیانی شاعر ہو گیا۔ نہیں۔ جناب شفیق
نے لکھا تھا :

ہوہ شمس جس کو جواہر سے تری لیس
اب تو بہ سخن کا وہ پہ گراں میں
ہیں وہ خم و قدح نہ وہ چٹان و سیو
وہ پیر سے فروش کی اونچی دکان نہیں
اس پر یہ طعنے کہ سخن دور ہیں سیڑیوں
ایسا بھی کوئی شے ہے شاعر جہاں نہیں
پورب کے پاکالوں کی منی خراب ہے
دامن پہ ہے یہ داغ کہ اہل زباں نہیں
پچھم کے کچھ ہیں اہل زباں مستد کر
سب قادر الکلام نہیں خوش بیاں نہیں

مولانا فخر علی خان نے اس نظم کا جواب دیا اور علامہ اقبال کی ذات کو اپنے جواب میں
محکم ترین دلیل کے طور پر پیش کیا جناب شفیق کی نظم اور مولانا کا جواب "شاعرانہ نکتہ و
شنید" کے عنوان سے "نگارستان" کی زمینت ہیں۔

ہو کچھ کہا جناب شفیق نے خدا کو
اس میں ہمیں بجاں چٹان و چٹیں نہیں
ہم کو سلیقہ گرچہ نہیں انتقاد کا
ہم گرچہ نکتہ رس نہیں اور نکتہ داں نہیں
لیکن اگر کسی کو ہو یہ ادعا کہ آج
ہندوستان میں ایک بھی شیوا بیاں نہیں

ہم کو نہیں ہے اس کے عقیدے سے اتفاق
 ہم اس کی ایسی ہاں میں ملا سکتے ہاں نہیں
 قبال ہی کو لیجئے مگر چاہئے مثال
 جو نکتہ چیں کے زعم میں اہل زبان نہیں
 وہ کون سی زمین ہے دیائے فکر میں
 اس نے بنا دیا جسے آج آسمان نہیں
 ملت کے دل کے واسطے سرمایہ گداز
 کیا اس کی دردناک نوازیں نہیں
 کیا اس کی داستان کی جدت طرازیں
 صرف بھائے سلسلہ پاستاں نہیں
 اس کے کلام میں نہیں کیا سوز و درد
 ما غالب و امیر کی رنگینیاں نہیں
 دہلی و لکھنؤ چ نہیں دھر شاعری
 وہ خط کون سا ہے یہ دولت جہاں نہیں (۱۶)

شفاخانہ حجاز

حضرت علامہ کی نظم ”شفاخانہ حجاز“ کی ”جو“ بانگ در ” میں شامل ہے ”شاں نزوں بیون
 تے“۔ نعیم یوسف حسن (مدیر نیٹنگ فیس) نے مدیر نقوش جناب محمد طفیل سے فرمایا :
 ”میں علامہ کی خدمت میں ”میں“ میں آئی اور ضرور حاضری دیا کرتا تھا۔ میں
 آئی دن علامہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ مولانا ظفر علی خاں سب حد نبھائے ہوئے
 ”ئے۔ علامہ نے پوچھا۔ خیر یا شہد؟
 خیریت کہاں ہے؟
 کیوں؟

”گورنمنٹ نے ایک سرکلر بھیجا ہے کہ ہم اپنی طرف سے پانچ لاکھ روپے دیں گے
 اور پانچ لاکھ روپیہ سلطان آٹھ لاکھ روپے خاز میں ہسپتال بنوائے جائیں۔ کیونکہ حج
 کے موقع پر مسلمانوں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔“

”پھر“

مولانا نے ہی یہ شاعری تھی۔ وہ درجہ منسوب، مگر اہم رہا جو اس نے دیا۔ یہ
 امریز کی چار بے جس میں وہ مسلمانوں کو بھی شامل کر کے دھوکا دینا چاہتے
 ہیں۔ امریز وہاں ہسپتال یا رہا ہی اور۔ بنواتے ہیں وہاں پہلے اسی طرح کی حرکتیں
 سے ہیں۔ یہ اپنا اثر رسوخ استعمال کر کے قبضہ کر لیتے ہیں۔ اس لئے حجاز بھی
 مسلمانوں سے باہر سے نکل جاتا ہے۔

حاجہ نے فرمایا: ”مولا نے بے شک شہید ہے مگر آپ پریشان نہ ہوں شام کو اپنا
 تہہ اسی پہنچا دیتے گا۔ میں اسے چار پانچ شعر لکھ دوں گا وہ اپنے اخبار میں شایع
 کرتے گا۔ پھر نہ کوئی چندہ دے گا نہ ہسپتال بنیں گے نہ انگریز کی چار کامیاب ہو
 گی۔“

چنانچہ حاجہ نے ”شناختِ حار“ کے نام سے ایک نظم لکھی جو زمیندار میں چھپی۔
 نظم کے پچھلے سے ”مولا نے فرمایا“ سے چنانچہ امریز کی اسکیم دھری رہ گئی۔“ (۱۷)

شمع اور شاعر

۱۹۱۲ء میں حضرت علامہ نے اپنی نظم ”شمع اور شاعر“ انجمن تہذیب اسلام کے سالانہ جلسہ
 میں پڑھی تھی۔ ”شبِ ملام“ نظم پڑھنے کے لئے تشریف لائے اس وقت نوجوانانہ کے روابط
 ہندوئی جوہلی نظم پڑھ رہے تھے مولانا ظفر علی خاں بھی اس جلسے میں موجود تھے مگر وہ علامہ
 ہندوئی جوہلی نظم و انہی طرح سے سمجھ رہے تھے چنانچہ صاحبزادہ ”غالب احمد خاں جو مولانا کے
 پاس ہی میٹھے تھے“ اردو میں اس جوہلی نظم کے مناسب و وساحت کرتے جا رہے تھے۔“ (۱۸)
 مولانا مر اس نظم (شمع اور شاعر) کے بارے میں فرماتے ہیں :

”یہ نظم مولانا ظفر علی خاں نے اپنے پرچے میں خاص ہتمام سے اس ہزار کی
 تعداد میں پھیلوائی تھی اور ”نہ“ کی نالی قیمت رکھی تھی۔ انہوں نے اعلان کیا تھا
 کہ اس کی فروخت سے ہر پانچ ہزار روپیہ وصول ہو گا وہ ہاکنز اقبال کو لے کر
 (انہیں) تبلیغ اسلام کے لیے جاپان بھیجا جائے گا۔“ (۱۹)

بروایت حکیم محمد حسن قریشی حضرت علامہ کی اس نظم (شمع اور شاعر) کے متعلق مولانا ظفر
 علی خاں نے کہہ کر ”اگر قریشی اردو میں فارسی ہوتا تو اس نظم کی شکل اختیار کر لیتا۔“ (۲۰)

حضرت علامہ کی نظم ”جواب شکوہ“ کا خرافہ کراتے ہوئے سید نذیر نیازی لکھتے ہیں
 ”جواب شکوہ“ انجمن کے سالانہ اجلاس کے بجائے ۳۰ نومبر (۱۹۱۲ء) کی ایک شام
 احمد نواز صاحب بیرون موہنی دروازہ ایک جلسے میں پڑھا گیا جس کا اہتمام مولانا ظفر
 علی خاں نے کیا تھا اور جس سے مقصد یہ تھا کہ زمیندار ترکی امدادی فنڈ کے لئے
 سرمایہ جمع کیا جائے۔ نظم پڑھنے سے طبع شدہ تھی۔ ہاتھوں ہاتھ بک گئی اور اس کی
 ساری آمدنی امدادی فنڈ میں جمع کر دی گئی۔“ (۲۱)

اس ہر روز اخبار جس میں حضرت علامہ نے اپنی نظم ”جواب شکوہ“ پڑھی ۳۰ دسمبر ۱۹۱۲ء
 کے زمیندار میں شائع ہوئی تھی۔ اس خبر کے مطابق :

”۳۰ دسمبر ۱۹۱۲ء میں موہنی دروازہ، ہور میں مسلمانان لاہور کا ساتواں جلسہ زیر
 اہتمام مولانا ظفر علی صاحب ”المدین صاحب“ نے اہل اہل بی وکیل نہایت رونق و
 ہمایلی سے منعقد (ہوا)۔ مولانا محمد اقبال صاحب کی نظم ”جواب شکوہ“ شوق کے
 لہو سے سنی گئی اور اس کا ایک ایک صفحہ پچاس پچاس روپے کا خریدا گیا۔ ایڈیٹر
 ”میدان“ اور ”شہر“ شمشیری نے مسلمانوں کے حق و حقائق پر تقریریں کیں اور چار
 خطوں سے پنجہ ویر رویہ درآئے ہوئے۔ یہ بات خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ مولوی
 محمد نذیر خان صاحب ایڈیٹر اخبار ”وطن“ نے ازراہ قدردانی کلام اقبال ”جواب شکوہ“
 کے لئے ایک سو دس روپے کو خریدے۔ یہ دل پسند نظم چار گونے کو دفتر زمیندار
 لاہور سے مل سکتی ہے۔“ (۲۲)

حضرت ائمہ عظام اس جلسے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :
 علامہ اقبال کے نظم پڑھنے سے قبل مولانا ظفر علی خاں نے فرمایا کہ ”ہم لوگ
 سنی شیعہ میں ہیں مگر مولانا اقبال کی اور یہی بات ہے۔ وہ بھی کبھی نظم کہتے ہیں مگر
 ان میں جبرئیل کی پرواز کا رنگ ہوتا ہے۔“ (۲۳)

۱۹۱۲ء کی دہائی میں ”ظلم بعنوان“ چند صورت ”قرس حقیقیہ“ میں مولانا نے اپنا اور علامہ
 اقبال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا :

انتخاب ہفت کشور خط پنجاب ہے
 اس میں کیا کیا نکتہ سنج اور نکتہ در پیدا ہوئے

حامدان تیرہ باطن کو جانے کے لیے
تجھ میں اے پنجاب اقبال و ظفر پیدا ہوئے (۲۴)

ہمایوں کی ایک نظم

۲۹ نومبر ۱۹۴۲ء کے "زمیندار" میں حضرت علامہ کا ایک خط مدیر زمیندار کے نام شائع ہوا جس کے دریختے انہوں نے جنس شاہ دین ہمایوں کی ایک نظم "زمیندار" میں اشاعت کی غرض سے ارسال کی۔ اس نظم کا تعارف کراتے ہوئے حضرت علامہ نے لکھا کہ "یہ نظم مولوی صاحب موصوف نے ۱۵ اگست ۱۹۴۲ء کے روز لکھی تھی جب کہ وہ دہلیت تشریف لے جا رہے تھے۔ مدح دیکھ کر ان کے قلب میں ان تمام روایات کی یاد آزد ہو گئی جو اس سرزمین کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور ان اشعار میں ایک نہایت دلفریب طریق میں انہوں نے ان تاثرات کا اظہار کیا ہے جو ہر مسلمان کے دس میں خوابیدہ یا بیدار ہیں۔" اس نظم کا پہلا بند درج ذیل ہے

نہیں کو لائق توصیف منظر اسے عدن تیرا
مگر تو ہے عرب میں اور یہی ہے باکھن تیرا
مسلمان کی نظر میں پھول ہے خار چمن تیرا
زبان شیریں تری مرغوب انداز سخن تیرا
پھاڑوں میں ترے خار حرا کا راز یہاں ہے
کہاں وہ باب عالی ہے کہ تو اک جس کا درہاں ہے (۲۵)

مکمل خط اور نظم ضمیمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا کا سفر ترکی اور اس کے متعلقات

"دسمبر ۱۹۴۲ء کو مولانا پیرس اور لندن سے راستے قسطنطنیہ پہنچنے کے لیے بمبئی سے بحرن حماز پر سوار ہوئے اور بحر ہند، بحیرہ قلزم اور بحیرہ روم سے ہوتے ہوئے مارسیلا اور وہاں سے صوفیہ ۱۹۱۳ء کے پہلے پہنچے پیرس پہنچے ۲۶ جنوری ۱۹۴۳ء کو آپ نے "سندریہ روائی اور تخیل کی جودنی" کے عنوان سے باون اشعار کی ایک نظم ارسال فرمائی جو ۲۲ صفر ۱۳۶۱ھ (مطابق ۳۱ جنوری ۱۹۱۳ء) کو روزنامہ زمیندار میں شائع ہوئی یہ نظم مولانا کے شعری مجموعہ نگارستان میں شامل ہے۔

اس نظم میں سندریہ سے خطاب کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں :

مولانا نے یہ تحریر ۱۸ جون ۱۹۲۳ء کی ہے۔ اس تحریر کا بیشتر حصہ مرزا صاحب سے مولانا ہی کے قلم سے رپورٹ کیا ہے لیکن نذر کے بارے میں مندرجہ بالا اطلاع مرزا صاحب سے آپ خط میں کی ہے۔ شاید مولانا کی تحریر کا وہ حصہ جس میں یہ اطلاع درج تھی 'کانڈ کی ہوسیدگی اور ریدہ' نذر سے مرزا صاحب سے پڑھانے کا سکا اور مرزا صاحب سے مندرجہ بالا اطلاع اٹھل اور تیس سے اپنے لفظوں میں درج کر دی۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس اطلاع کا یہ حصہ درست نہیں ہے۔ نذر کی کشتی میں زمیندار کے شمارہ کے ساتھ بانگ درا بھی پیش کی گئی تھی۔ باب ۱۱ اس شمارہ کے قریباً یکارہ سال بعد ستمبر ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔ حضرت علامہ کی نظم زمیندار پر اس اور جریدہ میں شائع ہوئی ہو گی۔ کتاب سے 'ملکن ہے مولانا ظفر علی خاں کی اپنی نوبل شہنشاہ تصنیف مراد ہو مٹاں کے طور پر خیامان فارس' معرکہ مذہب و سائنس وغیرہ۔ اسی زمانے میں مولانا ظفر علی خاں اور ڈاکٹر انصاری نے حکومت ترکیہ کے سامنے مدینہ یونیورسٹی کے قیام کا منصوبہ بھی پیش کیا اور اس کے نصابات مرتب کرنے کے لیے حضرت علامہ اقبال کا نام بھی تجویز کیا۔ مولانا نے لکھا :

"مدینہ یونیورسٹی کے قیام کی ایک اور تجویز بھی 'جس کا خاکہ' شیخ عبد العزیز شادیش کے ساتھ مل کر میں نے اور ڈاکٹر انصاری نے مرتب کیا تھا اور جس سے نصاب تعلیم کے لیے ڈاکٹر محمد اقبال کو (جو ابھی سر نہ ہوئے تھے) دعوت دی گئی تھی۔ اس زمانہ کی تمام میوں کی یادگار ہے۔" (۳۰)

وطن کو واپسی

مولانا ظفر علی خاں جولائی ۱۹۱۳ء میں وطن واپس آئے تو ان کا شاندار استقبال یہاں ہوا اور لاہور میں ان کے استقبال پر جلوس نکالے گئے۔ جناب اشرف علی تھتہ ہیں

"دہلی میں آپ کا جو جلوس نکالا گیا اس میں تین چار لاکھ آدمی شامل تھے۔ لوگوں نے مولانا ظفر علی خاں کی گاڑی ہاتھوں سے کھینچی۔ درجنے آپ کی گاڑی کے پیچھے کرکچلے گئے اور ہدایاں دے رہے تھے۔ ایک بچے کی ماں نے کہا کہ اگر ایسے دس ہیں بچے بھی ہوں تو میں ظفر علی خاں پر نچھاور کر دوں۔" (۳۱)

مولانا علی نے اس موقع پر تیس اشعار کی ایک نظم کہہ کر مولانا ظفر علی خاں کو خراج عقیدت پیش فرمایا۔ اس نظم کے چند اشعار درج دیل ہیں۔

اے مالک دفتر زمیندار اے مارتی قوم و نسل اقبال
 اے صدق و صفا کی زندہ تفسیر اے شیر دل اے ظفر علی خاں
 بلقان و طرابلس میں نگاہ نہا ستم و جفا کا طوں
 ہمدردی اہل دیں نے آخر جوہر ترے کر دیے نمایاں
 ڈانا یہ تری پکار نے غل جی اٹھے وہ مردے جو تھے بے جاں
 جو در غم قوم سے تھے بے حس چنے لگیں ان دلوں پہ چھریاں
 وہ بن گئے آپ اپنے رہزن جو مال کے اپنے تھے نگہباں
 زندہ ہے وہ ملک اور وہ ملت ہوں زندہ دل ایسے جس میں انسان (۳۱)

اس پس منظر میں لاہور کی اس کلب نے بھی مولانا ظفر علی خاں کو کھانے کی دعوت دی جس کے مہم علامہ اقبال بھی تھے۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی لکھتے ہیں :

”مولانا ظفر علی خاں ترکی سے واپس آئے تو مہربوں کی خواہش ہوئی کہ ان کو صاحب کی دعوت دی جائے۔ سر شفیع کہتے تھے کہ وہ تیز مزاج آدمی ہیں شاید ایسی سیاسی باتیں کہہ دیں جو مناسب نہ ہوں ڈاکٹر صاحب (حضرت علامہ اقبال) نے کہا کہ جب ممبر دعوت دینا چاہتے ہیں تو آپ اختلاف نہ کریں۔ ہم مولوی صاحب کو سمجھیں گے کہ وہ ایسی کسی بات نہ کریں۔ چنانچہ ان کو سمجھا دیا گیا۔ دعوت میں کم و بیش ایک سو اسیب شریک تھے۔ مولانا تقریر کے لئے اٹھے تو فرمایا ”محبو! مجھے کہنا ہے کہ تیز بات نہ کریں۔“ یہ کہہ کر بری طرہ انگریزوں پر برستے رہے۔ میں اور ڈاکٹر صاحب بھی پریشان تھے اور سر شفیع بھی۔ مگر چونکہ وہاں کوئی رپورٹر نہ تھا اس لئے بات باہر نہ نکلی۔“ (۳۲)

حضرت علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں کی دوستانہ گھریلو عاقباتوں کی شہادت مولانا حامد علی خاں بھی دیتے ہیں۔

”بھائی (مولانا ظفر علی خاں) کے پاکستان اور ترکی کے دورے سے واپسی پر ہم ان کے ساتھ کیشو رام ہڈنگ میں رہنے لگے۔ علامہ وہاں روز آتے گھنٹوں مولانا سے نشست رہتی۔ لیکن پھر علامہ کی طبیعت میں انقلاب پیدا ہوا۔ سب کے ہاں جانا چھوڑ دیا۔“ (۳۳)

اقبال اور ظفر رام گلی میں

۱۹۴۳ء کی جنگ عظیم کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے جناب عبد المجید سائیک لکھتے ہیں

”مولانا ظفر علی خاں (کرم آباد میں) نظر بند کر دیے گئے۔ اس نظر بندی کے دوران میں ان کو دیوانے کتے نے کاٹا۔ وہ بغرض ملاج حکومت کی اجازت سے کسوں گے اور شملہ پہنچ کر اپنے لیے مشروط آزادی کا پرانہ ملے۔ زمیندار تو سر مائیکل اوڈوائر کی مربانی سے سند ہو چکا تھا لیکن رام گلی میں اس کا دفتر موجود تھا مجھے یاد ہے مولانا شملہ سے واپس کرم آباد جاتے ہوئے ایک آدھ دن کے لیے اسی دفتر میں قیام فرما ہوئے۔ رات کا وقت تھا۔ دفتر کی چھت پر مولانا کے چند عقیدت مند اور درست منع تھے۔ ڈاکٹر قباں بھی ملے کے لیے آ گئے تھے شعر خوانی اور لطیفہ بازی کا ہنگامہ تھا ہمیں ڈاکٹر صاحب نے ”سرا ر خودی“ کے وہ چند اشعار رزم سے سنائے جو اورنگ زیب عالمگیر کی شان میں لکھے گئے تھے۔

شاہ عالمگیر گردوں آستان اعتبار دوران گورگاں
درمیان کارزار کفر و دین ترکش مارا خدنگ آخریں“ (۳۵)

”ستارہ صبح“ کا زمانہ

مولانا اور علامہ کی باہمی ملاقاتوں کے سلسلے میں سید عبدالواحد کی یہ رویت بھی وارد سامنے ہے کہ :

”پہلی جنگ عظیم کے دوران حکومت ہند نے مولانا ظفر علی خاں کو کرم آباد میں نظر بند کر دیا تھا۔ مگر مولانا حکومت کی اجازت سے آسٹریا لائور آیا کرتے تھے اور دوران قیام لاہور میں وہ اپنا بیشتر وقت علامہ کی خدمت میں گزارتے تھے اور ان کی جو گفتگو عدم سے ہوتی تھی اس کا حال کرم آباد جا کر ”ستارہ صبح“ میں شائع کرتے تھے جو وہ سنہر کی نگرانی میں کرم آباد سے ایڈٹ کرتے تھے۔“ (۳۶)

سید عبدالواحد کا یہ بیان مولانا ظفر علی خاں کی ایک تحریر پر مبنی ہے مولانا ”ستارہ صبح“ بابت ۲۰ ستمبر ۱۹۱۷ء کے کالم ”جواہر ریزے“ میں لکھتے ہیں :

”لاہور آگے کا اور کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ مجھے بہت لسان توحید علامہ اقبال سے نیاز حاصل ہو جاتا ہے اور ان کی حکیمانہ تجلیجیاں طبیعت کے انتہا کو جو کثرت کار اور ہجوم افکار کا نتیجہ ہے، مبدل بہ انشراح کر دیتی ہیں۔“ (۳۷)

مولانا ظفر علی خاں کی صبح کی سیر تو مشہور ہے ہی۔ اس مضابطہ سیر کے علاوہ بھی وہ کبھی کبھی

اصحاب کے ساتھ تفریح کے لیے جایا کرتے تھے مثلاً ایف بار نوب ذوالفقار علی خان علامہ
اقبال اور مولانا کو سیر و تفریح کے لیے اپنے ساتھ مقبرہ جمالیہ لے لے۔ اس سیر کی ایک تصویر
مولانا کے ہمارے آفریں قلم کی وساطت سے ملاحظہ ہو :

”گزشتہ یک شنبہ کے روز ترمبل نواب ذوالفقار علی خان صاحب کی نیازمند
ہاری ہمیں شام کے وقت، طریق تفریح و تفریح مقبرہ جمالیہ میں لے گئے۔ علامہ اقبال
جی ساتھ تھے۔ سرو و شمشاد اور ہنر و نقل کی بہار تو وہی ہے، یہ باغ فیروزہ گوں
صدیوں پہلے دیکھا چکا ہے۔ راتوں کی دیا سنا۔ آٹار بہتی ہے حدائق میں قسمت
نہیں شاید بیٹے سے بھی زیادہ رونق سے ملن اس گنبد کو دیکھ کر جس میں جمالیہ
ابن اکبر کو آرام ہے اس میں ہزاروں عہد و دور حسرتوں کا ہجوم ہو گیا۔ علامہ
اقبال نے اس وقت سرور کدور سے سجدہ میں دوڑ دی ایک لڑکی پڑھی کس
سے یہ تمیں شعر ہمیں وعدہ میں لے لے۔

ای شے با چراغ ہی شست ز شہ
گزراہ و دور و دور و انہ نم ترزدوست
ہیں ہمیں ست حاکم ہم رفت
شیر خدا و رستم دستم ترزدوست
شستہ کہ یافت کی نشو و است ایم
فست اس کہ یافت کی نشو و ترزدوست

بعد مغرب ہم شاہد رو سے لوٹے، لہ پٹے تو یہی اشعار رہیں پر جاری تھے وہ بربود
نے بتا دیا کہ ان مطالب عالیہ پر اس کا بھی ہتھ حق ہے۔ طبیعت کو اس مطالبے
سے آگے سر تسیم خم رہنا پڑا۔ چند شعر بہتر پر بیٹھے لیکن موروں ہو گئے جو حاضر
ہیں (۳۸)

یہ شعر ”بہارستان“ میں تصویر آرزو کے عنوان سے شامل ہے اس کا مطلع درج ذیل ہے۔
میری جاں پہ چھلے جاتی ہے فنا کی آرزو
اور زباں پر آئے جاتی ہے بقا کی آرزو (۳۹)

مشترک فی البدیہہ اشعار

نوب سرو ذوالفقار علی خان کی کے سلسلہ میں اقبال و ظفر کی فی البدیہہ گولی کا ایک واقعہ

حکیم محمد حسن قرشی بیان کرتے ہیں

ایک مرتبہ نائب امیر علی صاحب وزیر اعظم پٹیالہ کے اہلکار میں لاہور میں
ایک بدن نامی شخص اس میں عام افسانے تو اب صاحب سے متعلق تھا۔

پتیاں روشن است از انوار روئے او

ہندو بہ ذوالفقار علی تازی کند

نواب صاحب نے فرمایا مجھے زیادہ تر کامیابی سردار جوگندر سنگھ وزیر (ہوم منسٹر) کی

امدانہ سے ہوئی ہے اس لیے مولانا ظفر علی خاں نے فرمایا

جوگندر است جوہر و اب تہینہ

یک سوزی کند و دم ساز می کند (۲۰)

مولانا ظفر علی خاں کی تلمذ سے اس وقت وہ تہذیب بھی سیکھنے لگے تھے لیکن وہی

پر رنجشیں نہیں بیدار تر رہتی تھیں۔ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت علامہ اور مولانا کے ایک

منزلت سے اس وقت سید محسن شاہ نے مولانا سے متعلق ہے۔ ”چمنستان“ میں ”محسن شاہ کی موٹر“ سے

زیر عنوان مولانا لکھتے ہیں

”نواب غار علی خاں قزلباش رئیس اعظم لاہور کے چھوٹے بھائی تھیں مرنے سے

بہت پہلے وہیں آئے تھے تو نواب صاحب نے ان سے نہ ہی خوشی میں اسباب و تہذیب سے

پتیاں پر ایک پر تکلف دعوت دی۔ جن صاحب نے نام نہانے کے رشتے جاری کیا تھے ان میں

علامہ اقبال اور سید محسن شاہ بھی شامل تھے۔ ایک رقعہ میرے نام بھی آیا سید محسن شاہ نے

موٹر پر آئے اس خیال سے کہ سید صاحب چھ مولانا شہادت علی تو نہیں ہیں کہ ساری موٹر میں

تو نہ تین دو تین کے ہوا اور کسی نہ کسی نے اہل سکے میں سے اور علامہ اقبال نے اس سے

کہا کہ احتیاط دعوت پر ہم آپ کے ساتھ چلیں گے لیکن جب دعوت ختم ہوئی تو سید صاحب نے

موٹر چاہتے تھے۔ اس پر بے ساختہ میری زبان سے نکلا :

برق پا موٹر ہے محسن شاہ کی واہ کیا موٹر ہے محسن شاہ کی

کر نہیں سکتی ہمارا انتظار بے وفا موٹر ہے محسن شاہ کی

چھینے جاتی ہے ال سرکار کو دلربا موٹر ہے محسن شاہ کی

علامہ اقبال نے یہ اشعار سن کر کہا کہ موٹر کی بے خیالی کے متعلق بھی کچھ کہہ دیتا ہوں

کیوں نہیں کہا۔ غ

بے حیا موٹر ہے محسن شاہ کی

میں نے معاف کیا :

غیر سے ہے بلکہ اس کو رسم و رواج ہے دیا ہوئے ہے محسن شاہ کی
رخ نہیں کرتی ہے جھپٹ کی طرف پارسا ہوئے ہے محسن شاہ کی
خود تو محسن شاہ ہیں خاکی نثار پارسا ہوئے ہے محسن شاہ کی (۴۰)

یہ مسائل تصوف

حضرت علامہ اقبال ایک دور میں (جس کا شمار قیاسی بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے
عقربت میں ہے) اسلام اور تصوف و باہم متخالف سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مروجہ تصوف
کی تعلیمات غلطی فلسفہ پر مبنی ہیں اور انہیں علی اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ نیز یہ کہ مسلمانوں
کا خیال یہ تھا کہ انہوں نے کرب و اسباب میں سے ایک یہ غلطی تصوف ہی ہے اور اس کے
مسلک، عریات مسلمانوں کی قوت عمل سے محروم کرنے کا باعث ہیں۔

حضرت علامہ کے یہی خیال تھے کہ مشنری اسرار خودی کی شاعت کا باعث بنے اور جب ۱۹۰۵ء
میں ان کی یہ مشنری شائع ہوئی تو انہی کا خیال یہ تھا کہ اس کی ترویج و تائید میں ایک ہندو
یہ کہ اس دور میں حضرت علامہ نے آپ کو آئین کی وضاحت سے یہ متعدد مضامین اور خطوط
لکھے۔ حضرت علامہ نے نقطہ نظر کی مندرجہ ذیل باتیں لکھی ہیں کہ اس نظامی پیش پیش تھے
حضرت علامہ نے ایک خط میں خواجہ صاحب کو لکھا :

”میرا فطری اور کائناتی میلان تصوف کی طرف سے ہے اور یہ رب کا فلسفہ پڑھنے سے یہ
سیاں اور بھی تیز ہو گیا تھا۔ یوں یہ رہیں فلسفہ بحیثیت مجموعی وحدت وجود کی
صرف رخ کرتا ہے نہ فرق میں تدبیر کرنے اور تاریخ اسلام کا بغور مطالعہ کرنے سے
مجھے اپنی عقلی کا حساس ہو گیا اور میں نے محض قرآن کی خاطر اپنے قدیم خیال کو
تک کہ دیا اور اس مقصد کے سے مجھے اپنے فطری اور کائناتی رجحانات کے ساتھ
ایک خوفناک دماغی اور قلبی جہاد کرنا پڑا۔“ (۴۱)

تصوف کے بعض عقائد و مسائل کے بارے میں حضرت علامہ نے ایک مضمون میں فرمایا
”مجھے اس امر کا اعتراف کرنے میں کوئی شرم نہیں کہ میں ایک عرصہ تک ایسے
عقائد و مسائل کا قائل رہا جو بعض صوفیہ کے ساتھ خاص ہیں اور جو بعد میں قرآن
شریف پر تدبیر کرنے سے قطعاً غیر اسلامی ثابت ہوئے مثلاً شیخ محمد امین ابن عربی
مسئلہ قدم ارواح کلاء، مسئلہ وحدت الوجود یا مسئلہ تنزلات ستار یا دیگر مسائل جن

میں بعض مآثر عبدالمہم نے اپنی کتاب "سان ۵۱" میں کیا ہے۔ (۴۳)

حضرت علامہ کے اس سلسلہ کارشادات میں تصوف اور اسلام، تصوف اور توحید، تصوف اور فلسفہ، وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود اور اہل تصوفین مثلاً شیخ محمد بن عبدین ابن عربی اور منصور بن عازق وغیرہم کے بارے میں دلچسپ اور بصیرت افروز نکتے ملتے ہیں۔ تصوف پر ان مباحث کے دوران میں مولانا ظفر علی خاں نے حضرت علامہ کا ساتھ دیا اور حواجہ حسن نظامی اور دیگر معترنین کے جواب میں مضامین اور منظومات کا آئنا لگا دیا۔

۱۳ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو مولانا نے "ستارہ صبح" میں "دارائیس بایدہ" میں "سے زیر غلوں میں" کے عنوان پر ایک مضمون لکھا جس میں یہ ہمیں نے نکتہ چینی کی ہوئی تو جناب خواجہ حسن نظامی کی حقیقت مانی ہو ہم نے اپنے مآثر پر اپنی وصل تھا کہ یہ نااہل اس مضمون کو کیا جانیں اسی طرح جناب امت کی طرف سے "انصوص الحکم" پر مباحثات ہوں تو جناب خواجہ صاحب کے جواب پر بھی ملتا ہے کہ یہ درفراہستے میں کہ عام خطاب بہاداب اور عام باطن الہی ہے۔ شریعت کی اسکی "توحید" طریقت سے توحید خواہش تک ہمیں پہنچ سکتی ہے۔ یہ جناب ہمارے سر "تعمقوں" میں یہ فرمائیں گے جناب خواجہ حسن نظامی خواہاں صوفیہ سے اسے باب میں جنہوں نے نکتہ چینی بنائے بن علی کے عقائد سے علامیہ بیزارگی کا اظہار کیا ہے اور ایسے سخت اور درشت الفاظ میں جناب "انصوص الحکم" کے عقائد پر برہنہ کی ہے کہ ہم نے تو اس کا اسواں حصہ بھی نہیں لکھا۔ بن عربی کی تردید دلی ایسی عزت نہیں ہے، جو ہمیں سے سرزد ہوئی ہو۔ اس جماعت کے بعض جلیل القدر اراکین بھی جن کے خواجہ حسن نظامی نامیوا ہیں، ایک خط لکھتے ہیں۔ م

اس گناہست کہ در شہر شامہ کسد" (۴۴)

"ستارہ صبح" کے کسی شمارے میں مذکورہ بالا مضمون سے قبل یہ اشعار بھی شائع ہوئے۔

کچھ اے حالِ دالو سمجھتے بھی ہو تم
معنائے رازِ حیاتِ اہم کو
بھیجے زمرِ موت کو زندگی تم
تصوف کی پٹی پڑھاتے ہو ہم کو
خدا تم کو شرعاً تم نے بتایا
مردف اعلا لام میم اور ام کو
ولایت کو سمجھا رسالت سے افضل
خدا کی جگہ پوجتے ہو صنم کو

لئے پھرتے ہو کیا قصوں احکام کو (۴۵)

مورٹا نے اس بحث کو بہت پھیلا دیا۔ حالانکہ علامہ اس بحث کی تطویل کو قیمہ جانتے ہیں۔

"آپ کو معلوم ہے تقریباً دو سو ہوائے میں سے ان عقائدات کے جواب میں ،
آپ نے مشنری "اسرارِ خواہی" پر اسے تجھے 'پند منعمین' میں مل تصوف پر لگتے تھے
میں کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسئلہ وحدت ادیان ان معنوں میں کہ ذات باری تعالیٰ
ہو شے کی ہیں ہے : قرآن سے ثابت نہیں اور روایت میں ملائی تربیت کا طریق
"حمو" ہے نہ "سفر" بہرحال ہمیں دیانت کا اظہار میں سے اخبار "اکمل" میں یہ
تخلیص صحت و صداقت کا مجھے اب شک نہیں ہے توں پر بحث کرنا ہی وجہ سے
غیر ضروری جانتا ہوں۔ عوام بعد خواص کو بھی اس اصول اور شیروانی اچھی نہیں
اور نہ اس قسم کے مباحث اخباروں سے کئے موزوں ہیں۔ . . آپ کا مولوی ظفر علی
خاں صاحب نے اخبار "ستارہ صبح" میں یہ بحث دوبارہ تہذیب تو وجہ اس میرے
تعلقات کے جو میرٹ اور ان کے درمیان ہیں اور نیز اس وجہ سے کہ اس بحث میں
مجھ سے اچھی ہے جس دنوں وہ یہ بدنامی ہوئی کہ "ستارہ صبح" کے منعمین میں
معتادوں یا نفعیاء ہوں۔ میں حقیقت یہ ہے کہ میرے قلم سے یہ سطر بھی اس
بحث پر نہ ملی اور نہ میں نے مولوی صاحب موصوف (ظفر علی خاں) کو کوئی مضمون
لکھنے کی تحریک کی ہے بلکہ پرائیویٹ گفتگو میں فی امور میں میں نے ان سے اختلاف
کیا ہے۔" (۴۶)

انہی خیالات کا اظہار حضرت علامہ نے اپنے منتخب مکررہ ۲۰ جنوری ۱۹۱۸ء ہمام سرکشن پر شائع شدہ کتاب میں کیا۔

”تصوف کے مسما میں انصوں (مولانا خضر علی خاں) نے لکھے یا لکھ رہے ہیں‘ ان سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں نے ان سے کوئی مضمون اس وقت لیا کہ اخبار میں مسما کے نام کی اور ہفت روزہ کی تحریک کی۔ مولوی صاحب سے میرے قدیمی واقعات ہیں جن میں اس کا قصہ دل بہ مان جیسے۔ مسما میں میری تالیف سے کچھ باتیں لکھی گئی ہیں۔ یہ ہے کہ اس مضمون کے علاوہ سے مجھے کچھ بات لکھنے کے لئے اور مولوی صاحب سے اس بارے میں مباحثہ بھی ہو چکا ہے۔“

وہ یہ صاحبِ رنہ و حسنِ نظامی) کو یہی بد نظمی تھی مگر کچھ عرصہ کے بعد جب ان کی بد نظمی اور ہوائی تہانوں نے مجھے معذرت کا خط لکھا جس کے جواب میں میں نے 'میں مریدِ نقیب' یا 'کے' سے میرا کوئی تعلق نہیں..... مولوی ظفر علی خاں کے لیے۔ اور یہ کہ اس وقت میں عمر میں ابھی اس بات کا ہندہ ہے میرے لیے یہ نہیں ہے بلکہ میں یا اس وقت میں بھی نہیں رہا تھا۔

حکومت علامہ کے ایک کبوتر ڈاکر تھی

صحت کا درد ، دل میں کیسا بوجھ دے گا شوق تھا ، دل میں کیسا بوجھ دے گا
 "میت" "شہیں" کا استحقاق کی سہولت سے ، دلوں سے آپ اپنی سہولت سے
 صحت کا درد ، دل میں کیسا بوجھ دے گا شوق تھا ، دل میں کیسا بوجھ دے گا
 "میت" "شہیں" کا استحقاق کی سہولت سے ، دلوں سے آپ اپنی سہولت سے
 صحت کا درد ، دل میں کیسا بوجھ دے گا شوق تھا ، دل میں کیسا بوجھ دے گا
 "میت" "شہیں" کا استحقاق کی سہولت سے ، دلوں سے آپ اپنی سہولت سے

رہت ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ اس مرغ مار پر
کیا قہر ہے۔ درودِ بامِ حرم سے تو
تیرا یہ وسیعہ بھی قریب ہوں کہ قہر
واستان منہ خنجر سے تو
شاید نیکی کی راہ میں تو ہو گیا غار
رہنچ سکا نہ کربہ کی مشقِ حتم سے تو (۴۸)

حضرت علامہ آنریری سیکرٹری انجمن حمایت اسلام

۱۹۳۰ء میں حضرت علامہ حسن نصرت اسلام سے تحریری سیکرٹری منتخب کیے گئے مگر وہ اس قوم سے علاوہ مولانا القسطلی خاں بھی ان کے طور تحریری سیکرٹری منتخب کیے جانے سے تشریف لے چکے تھے۔ چنانچہ انہیں کی جس کو اس کے ایک احسان میں ۲۰ دسمبر ۱۹۱۹ء کی شام کو خواب میں دو انگلیوں خاں صدر انجمن کی نوٹھی میں منعقد ہوا 'سبق تحریری سیکرٹری شیخ عبدالعزیز صاحب سے متعلق سے کہ حضرت علامہ مولانا کی جہد تحریری سیکرٹری بنانے کا مقصد عیسائیوں سے

ہر جنب کی حمایت اسلام کا وہاں
 بھلا جس تھا کفر کا اٹھیل سروری
 اس وقت ہم کو کوئی سلیمان چاہئے
 باطل اور بے وجہ تو ہے ابھیں یہی
 اس قوم مژدہ ہو کہ سلیمان بھی آ گیا
 باطل ہوا اجنب کا دعوائے خود سری
 بیوتوں نے دین کا ناکہ بٹھا دیا
 دعوتوں کی اب ۔ چلے گی فسوں نری
 وقت آ گیا کہ ہو علم اسلام کا بلند
 قوں اس انجمن سے بنے ہیں شیرازی
 نواب دہ لفقہ علی خاں ہیں سے صدر
 یوں جلوہ ریز اس میں ۔ ہو شاہ دیدری
 پشتر اہل رہا ہے محمد کے نور کا
 اب ہم ہیں اور اس میں ہماری شہادری (۵۰)

حمایت اسلام کا پینتیسواں جلسہ

حمایت اسلام نے تینتیسویں سالانہ اجلاس میں ۲۰ اپریل ۱۹۳۰ء کو شروع ہوا۔ علامہ
 اقبال اور مولانا ظفر علی خاں دونوں شریک ہوئے۔ حمایت اسلام کی ایک روادار میں لکھا ہے ۔
 اس اجلاس کے مقرروں اور شاعروں میں

”ڈاکٹر محمد اقبال، جرنل قاضی عبدالحمید صاحب رشید قصوری، مولوی ثناء اللہ
 ایڈیٹر ادبیٹ امیر، مولوی عبدالحمید ویل لائل پور، خاں سار شیخ عبد قادر جرنل
 ڈاکٹر محمد ایم اے پروفیسر خاں صاحب فقہر علی خاں بٹ، پراسیکیوٹر صاحب
 پیدامہدی شہاب مدین پید، ریجسٹرل مہر ہار، مفتی خدیر قادر صاحب، مفتی پید
 تھاکر، مسٹر خنیم محمد شحات علی، مسٹر مولوی ظفر علی خاں صاحب علی، مسٹر صاحب
 ”زمیندار“ خاص طور پر قابل، میں نے ان تقریروں شنوں سے حاضرین نے
 انی اور سرمد علی حاصل کیا۔“ (۵۱)

کعبے کو پھر شریف نے بت خانہ کر دیا

شریف مکہ (۱۸۵۳-۱۹۳۱ء) نے پہلی جنگ عظیم میں سلطنت عثمانیہ سے بغاوت کر کے اتحادیوں کی حمایت کی تھی۔ اس کے نتیجے میں اتحادیوں نے اسے حجاز کا اور اس کے بیٹے امیر فیصل کو شام کا حاکم بنا دیا۔ لیکن ۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم کے ختم ہوتے ہی امیر فیصل کو دمشق سے ہٹا دیا گیا اور حجاز میں شریف حسین کی جگہ مصطفیٰ عبدالعزیز ابن سعود کی حکومت قائم ہو گئی۔ شریف مکہ کی سلطنت عثمانیہ سے ننداری کا حامی مسلام کو بہت رنج ہوا۔ چنانچہ حضرت امام

آساں ہے اب تو ہندو و مسلم کا اتحاد
جے کو پھر شریف نے بت خانہ کر دیا (۵۲)

بیچا — ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ
حاکم و خاں میں مل رہا ہے زمین تخت کو (۵۳)

یا حبیب میر انیس و سنوس سے بیجا
تو نام و نسب کا تجازی ہے پر اس کا تجازی بن نے سکا (۵۴)

مناج قافلہ ما تجازیوں پر
وے زباں نہ کشالی کہ یار ما ملی است (۵۵)

سی طرح مولانا ظفر علی خاں نے شریف مکہ کو "خانہ احمد ران تہن" میں شمار کیا (۵۶) اور
۱۹۳۰ء میں امرتسر میں خلافت پرنسپل میں آپ نے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ
"۱۹۱۹ء میں شریف مکہ نے حدود کی اور ہمیں تہن کی اختیار ہے یہ مسلم
"اس پرپ کے ساتھ دوستی اور محبت کے رشتے قائم رہے اور اس طرح اسلام
کے دشمن اور ملامت مندوں کو ہتھیاروں کیساتھ پاؤں لگا دیا" (۵۷)
تاریخ مصلحین کے مولانا نے تعلیمات میں بھی شریف مکہ کو "تہن تہن" یا
تہن تہن کے ہیں

پھر بھی — شریف بے شرف و ہنس ہیں
ہٹے یہ مہنت نکراتا خلافت ہی سے کیوں؟ (۵۸)

موانع سے منسلک نگاروں ایک طرہ پر رکتے ہوئے جناب راہب سنی خان نے کہیں

یہ شعر اس مقام میں درج کیا ہے

شریف کا یہ نام نہ ہے
مسموموں سے ظالم نے نہ ہے (۵۹)

+++

یہ انقلاب ہے کہ عرب سے شریف تھی
تہذیب مغربی سے سرسبز ہو گئی ہے
مراڑوں سے رشتہ اہوت ہو گیا ہے
گھانچوں سے ہر گھر بیکار ہو گیا ہے
ظلم سے کثرت ہو گئی ہے، اعلیٰ
رجائیہ سے ماتم میں تبدیل ہو گیا ہے
ناموس سے بیچ سے کو نہیں ہر مسموم
تنبہ کی آغوش سے سحر ہو گیا ہے
شہر میں یہ سب مسموم ہو گئے ہیں
مغرب کی لغتوں میں رفر ہو گئے (۶۰)

اقبال و ظفر اور راوی

مئی ۱۹۴۴ء میں نور منٹ ایجنسی لاہور کے جی و ادنی محمد "راوی" کا ہفتی نمبر شائع ہوا۔

اس دور سے مدیر راوی جناب محمد صفیر احمد باٹمی کی خواہش تھی کہ "راوی" سے اس نمبر سے یہ
حضرت علامہ کی بولی تدرہ تحریر مل پائے اور میں امید تھی کہ اس کی یہ خواہش پوری تھی ہو
گی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں

"پہلے واسطے سر کے بل صاحب مذکور (حضرت علامہ) کی خدمت میں پہنچے۔ کس
قدر حسرت ثابت رہا تھا کہ ہمیں یہ معلوم ہوا کہ تمہارے بھائی ایک غلطی پہ
میں تھا کہ ان صاحب سے بولی وعدہ فرمایا تھا اور نہ ہم سے اس غلطی کا ازالہ ممکن
تھا۔ مگر ناظر اہمت تشریف فرما تھے۔ سلسلہ گفتگو اسلام سے "راوی" پر منتقل ہو
گیا۔ ان صاحب سے فرمایا کہ جتنے چاہیں اس سے آج سے مجھے "نہیں" کہنے کی
اخلاقی و روحانی جرات ملے گی۔ اب اس روز دس بیس غزلیں لکھا کرتا تو آپ کو بھی

ہے سکتا تھا۔ مٹی چوڑا سرت مینے میں جس اناج سے تھنے کا موقع ہوتا ہے۔ ہم
 نے ڈاکٹر صاحب سے مٹی نسخہ کی التجا کی۔ فرماتے ہیں کہ آپ بہت پرستی کیوں
 سکتے ہیں۔ دوسرے میں کابل بہت ہوں چنانچہ آج تک نہ کلام اپنے ہاتھ سے
 میں مٹے قوت مانگے۔ زور دینا پڑتا ہے..... پروفیسر ٹکسن نے پارا مشرق کے
 یہ تھنے تھنے پتے ہیں آپ ان کو سٹول میں لے سکتے ہیں۔ غرضیکہ بعد
 مریات نسخہ پیدا ہوا۔ اس نے قبوں، سٹول، پتے، ریشی ہو گئے۔ ”راوی“ کا ذکر تو تھا
 ہی تھا اور جیل رہا تھا۔ لی اس پر شعور ہونے لگے۔ مولانا ظفر علی خان کی
 مریات مولانا قلی دو شہید ہیں۔

یہ مٹی ہے اٹھ اٹھ کے ہر موح راوی
 مسکن و مندو کا حق ہے مساوی
 مسکن و مرغ سے صر و ملن سے
 ہے اس سے نایک مدنی و جاوی (۶)

اقبال کی گائے‘ دودھوں نہائے

دہری ۱۹۲۵ء میں علامہ اقبال کی گائے نے چھڑا دیا اور مولانا نے گھڑ اس کی لھیس پہنچی۔
 نئی نئی شیخ عبدالقادر صاحب پنجاب کونسل کے صدارتی انتخاب میں ہائٹ ٹوکل پسہ مارنگ کے
 ۳۲ نمونے سٹاتے ہیں ۳۲۰۰ حاصل کر کے کونسل کے صدر منتخب ہو گئے تھے اس پر
 مولانا ظفر علی خان نے ”علامہ اقبال کی گائے اور پنجاب کونسل کی صدارت“ کے زیر عنوان لکھا
 ”آج بروز جمعہ المبارک حضرت علامہ اقبال کی گائے نے چھڑا دیا اور آپ کے
 ”گائے نامدار“ اعلیٰ میں ملی بخش صاحب جو مدتوں سے آپ کے شریک رنج و
 دست چلے آتے ہیں ایک نہایت ایدہ زیب نشست میں گائے کی لھیس بھر کر اس پر
 درق مٹی گائے نہایت ہی ہوا میں چھڑک کر ہفتہ زمیندار میں رہے۔ قاعدہ ہے کہ
 سب ہی محکم مزید و محترم کی طرف سے کوئی ایسا تھنہ پہنچے تو اسے دالے کو انعام دیا
 جاتا ہے۔ ہم سب سرور ساداتوں سے اور تو کیا ہو سکتا‘ چند اشعار بطور ارمغان محمد
 میں ملی بخش صاحب کی خدمت میں حاضر ہیں۔ وہ انہیں قبول فرمائیں اور اگر
 مناسب سمجھیں تو حضرت علامہ کی جناب میں بھی انہیں گنگنا دیں۔

جو اپنی بیٹی کھیں "زمیندار" کو دکھائے
 دودھوں سنائے ڈاکٹر اقبال کی وہ نائے
 فریاد لا سکا ۔ تے کوہسار تے
 وہ جوئے شیر وادی پنجاب میں بہائے
 ہو ناظرین کے بے سرمایہ سرور
 صفراء لونما کی جھلک ہند کو دکھائے
 سر لاپست دھنیں تو کریں رقص مالوی
 گوسالہ اس کا وجد میں ہر سامری کو لائے
 ڈکرائے مال روز پہ جا کر علی الصباح
 اور نئے اتحاد کا لاہور کو سنائے
 تھن منہ سے گر گئے تو امرت برس پڑے
 موتی جھنریں اگر وہ کہیں کان پھڑپھڑائے
 چاہے رہے ہیں لالہ کہ گوسالہ ہے یہ نخص
 کونسل کا صدر آتے ہی جو شیخ کو بتائے" (۶۲)

حضرت علامہ دفتر زمیندار میں

جناب امیر نسیم خاں نظیر لدھیانوی اقبالی بھی تھے اور ظفر علی خانی بھی۔ وہ ان میں
 حضرات کی ایک دلچسپ ملاقات کا تذکرہ یوں کرتے ہیں ۔

"جب میں ۱۹۲۵ء میں اردو مرکز لاہور سے وابستہ ہوا تو فرصت کا وقت دلتہ
 زمیندار میں گزرتا تھا۔ وہاں علامہ نسیمی کبھی مولانا ظفر علی خاں سے ملنے کے
 شریف آیا کرتے تھے ایک دن میں مولانا ظفر علی خاں مرحوم سے ملاقات میں
 زمیندار کا ایک ۱۹۱ء کا قائل تلاش رہا تھا۔ ملاقات میں وہ مولوی کہیں تھے یکایک
 علامہ شریف ملے۔ میں کمرے کے ایک کونے میں بیٹھا تھا کہ ایک دیکھے دیکھے
 سے پاس کھڑا قائل دیکھ رہا تھا۔ میں پوچھ گھبرایا۔ لیکن جرات نہ کر کے علامہ عرض
 دیا۔ علامہ نے سلام کے جواب کے بعد پنجابی میں فرمایا "مولانا ہوں مجھے کتو رہا
 اب "میں نے پنجابی میں عرض کیا کہ وہ ابھی انڈیا لے گیا ہے اس کے ساتھ بہار
 میں علامہ نے فرمایا "ایسے اس ٹوپی تار پکی ہوئی ہے۔" یہ مولانا کی ترکی ٹوپی تھی

طرف اشارہ تھا جو میز پر پڑی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ شاید ننگے سر ہی چلے گئے ہیں (اس زمانے میں شرف کا ننگے سر بازار میں ٹٹلنا معیوب تھا) علامہ یہ سن کر بیٹھ گئے شاید یہ نہیں یا کہ چونکہ ننگے سر گئے ہیں تو دور نہیں گئے۔ اتنے میں مولانا اختر علی آگئے۔ علامہ کو دیکھ کر سلام عرض کیا اور کڑک کر بابو مولانا (مینجر زمیندار) کو گوازی کی علامہ کو حقہ پیش کرو۔ ادھر بابو مولانا نے حقہ بھیجا اور ادھر کھٹ سے مولانا ظفر علی خاں نے کمرے میں قدم رکھا اور علامہ کے پاس بیٹھ گئے۔ اس دن میں نے چکی بار آفتاب و ماہتاب کو ایک برتن میں جلوہ آرا دیکھا اور علامہ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا۔ اس اثنا میں میں نے فائل تو تلاش کر لیا تھا لیکن فائل نے دین بیٹھا اس کی ورق گردانی کرتا رہا میرے کان ان بزرگوں کی باتوں کی طرف تھے جو قوی اور سیاسی امور کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ (۶۳)

اقبال و ظفر کفر کے فتوے

جناب دیدار علی خٹیب مسجد وزیر خان لاہور بڑے تشدد مولوی تھے۔ سید نذیر نیازی ان کے بارے میں لکھتے ہیں :

”مولانا دیدار علی مرحوم بہت بڑے منفرد تھے۔ ان کی تکفیر سے شاید ہی کوئی شخص بچا ہو۔ اقبال کافر، ظفر علی کافر، کچلو کافر۔“ (۶۴)

”فہرست مدرّس کے خلاف مولوی دیدار علی کے فتوے کی تفصیل مولانا عبدالحجید سالک کی کتاب ”ارتقا“ میں موجود ہے۔ یہ فتویٰ اقبال کی ”فہم آفتاب“ (مشمورہ بانگ درا) اور چند متفرق شعراء و مفکرین پر کیا تھا۔ اس فتوے پر تبصرہ کرتے ہوئے صاحب صاحب لکھتے ہیں :

”اس فتوے پر ملک بھر میں شور مچ گیا۔ مولوی دیدار علی پر ہر طرف سے طعن و بدست و ہتھیار ہوئی۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے ”زمیندار“ میں اس جہلانہ فتوے کی چھٹاڑ کر دی۔ مولوی دیدار علی نے اسے حرمت سے علانے اسلام کے اجتماعی وقار و بخت صدمہ پہنچا دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب تمام طبقات عالم و عامی، قدیم تعلیم یافتہ اور جدید پڑھے لکھے، مسلمان و اقبال، نہایت مخلص مسلمان، عاشق رسول، درد مند ملت، حالی دین اسلام، شہسوار تھے اور کہتے تھے کہ اگر ہمارے علماء کے نزدیک اقبال جیسے مسلمان بھی کافر ہے تو پھر مسلمان کون ہے؟“ (۶۵)

قریب قریب اسی زمانہ (۱۹۲۵ء) میں ڈاکٹر کچلو اور مولانا ظفر علی خاں بھی مولوی دیدار علی

صاحب کے ذوق تکفیر کے نشانہ مشق بنے۔ انہی دنوں سلطان امین مسعود کی محنت کرنے کے لئے "حزب الاحناف" بھی قائم کیا گیا تھا۔ مولوی محمد دین اس کے بانی و معتمد اور مولوی ابیدر علی اس کے صدر تھے۔ تکفیر کی گرم بازاری کے سلسلہ میں حزب الاحناف "گراں قدر خدمات" سر انجام دے رہا تھا۔ مولانا ظفر میمن کے خلاف فتویٰ مولانا کے درج ذیل اشعار کی بنیاد پر دیا گیا:

یہ سچ ہے اس پہ خدا کا چہا نہیں قابو
مگر ہم اس بت کافر کو رام کر لیں گے
بجائے کعب خدا آج کل ہے لندن میں
دیں پہنچ کے ہم اس سے کلام کر لیں گے
وہ مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی
خدا خدا نہ سہی، رام رام کر لیں گے (۶۳)

یہ اشعار مولانا کی نظم "جگر پرے" کے ہیں جو اب "بہارستان" میں شامل ہے۔ ۱۰۰
سے حاد یہ فتوے کمر ایف کتابچہ موسوم بہ: انصوریہ علی ددار بحمر مکمرہ علی مسدورہ
میں مکمر کی صورت میں ۱۳۳۳ھ (مطابق ۱۹۲۵ء) میں شائع ہوا تھا۔ رشتہ بشیرین فرات میں
"ڈاکٹر کپلو اور علامہ اقبال تو کفر کی سد حاصل ہے۔ کے بعد حادوتش رشتہ پیش
ظفر علی خاں و خاموشیوں کو ترسکا تھا۔ وہ مرد مجاہد تھے مدحتی محاذ سے لڑا تھا۔
ظلم، سڑ اور تقریر و تحریر سے بدعتیوں کا ایسا ٹانھہ نہ ہوا کہ بریلوی کمر سازوں سے
ظفر علی خاں کے مقابلہ میں نے کے بجائے خفیہ طریقوں سے خطوط کے ریتے ایسے
قتل کی دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔" (۶۴)

مولانا ظفر علی خاں نے مولوی دیدار علی، مولانا حامد رضا خاں، ور دیگر کافر مکر موہویوں سے
خلاف بست تند و تیز نظمیں کہیں۔ مختلف نظموں سے چند اقتباسات مدخلتہ ہوں۔

لگ گیا ہاتھ کہیں سے مجھے ان کا فتویٰ
دست توحید ہے اور شرک جلی کی داڑھی
پیٹ میں اپنی درازی کو چھپا لیتی ہے
نور بانان بریلی کی علی کی داڑھی
پال کے آم کی چوس ہوئی غسل کا ہے صوف
یہ کہ ہے قبلہ دیدار علی کی داڑھی (۶۸)



اوڑھ کر حامد رضا خاں آئے بدعت کا لطف
 ذات ان کی ہے مجدد بات ان کی لام کاف
 . چمکے سے کفن سازوں سے یہ لایا ہے ادھار
 شرب کی کٹ پٹی دے یہ ذرا . رواف
 تچ میں کھنکھناتے ہوا دھڑک رہا تھیلا
 گرچہ "تہ ہے سر احمد رضا" کا خلاف
 نسب سے چھوٹی ہے بری سے اس تغیر کی
 یہ سے قابل ہے اس کا نکاس . لطائف
 سید احمد خاں پہ سب د ستر کی بارش میں
 اور کہیں علامہ شبلی کو گالی . شکاف
 زندگی اس کی ہے ملت کے لیے پیغام موت
 کر رہا ہو جو بجائے کعبہ قبروں کا طوائف (۶۹)

کوئی ترک لے گیا اور کوئی ایراں لے گیا
 کوئی دامن لے گیا کوئی گریباں لے گیا
 رہ گیا تھا نام باقی اک فقط اسلام کا
 . بھی موت سے نہیں کر حامد رضا خاں لے گیا (۷۰)

سی سمجھتی ہوئی ہے یہ مل اب یومندی نے
 کہ سر میں قیل انا سے چھیچھندر نے نیجلی کا
 یہ رکھ کر ٹاک پر اتلی کہا دیدار بانو نے
 کہ ہے لاہور میں اب کون ساتھی مجھ اکیلی کا
 ٹمڑے کے غلاموں پر ہو جاری کفر کا فتویٰ
 شریعت کو ہے مشکل بوجھنا آج اس پوسی کا (۷۱)

اس شعر کے میں متعدد ارباب علم و ادب نے مو، نا ظفر علی خاں کا ساتھ دیا۔ چنانچہ میردلی
 احمد نے بھی "حزب اہل حق" کے نام سے ایک نظم لکھی جو اس کے مجموعہ کلام "کلبائے" میں
 شامل ہے۔ اس نظم کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

وے کے مسلم پہ کفر کا فتویٰ آگینہ ہوا مقابل سنگ
 سچ جو پوچھو تو دور ہیں یہ لوگ دین اسلام سے کئی فرسنگ
 کہتے ہیں اپنے آپ کو احناف نام کافور ہے وطن ہے رنگ
 ”وصیفہ“ سے ان کو کیا نسبت دو عقاب اور یہ کلاغ و عنف
 آپ مومن ہیں اور ظفر کافر تہ بریں عقل و دانش و فرہنگ (۲)
 بیان تائید و تسمیق کی مذاقی سے قطع نظر لطف کی بات یہ ہے کہ مولانا ظفر علی خاں سے
 متذکرہ بالا متنازع شعر کے مفہوم سے مولانا کے بھائی مولانا حامد علی خاں کو بھی اختلاف تھا۔ یہ
 اوقات میں انہوں نے راقم کو بتایا کہ ”مولانا ظفر علی خاں سے انتہائی محبت و عقیدت ہے۔ انہوں
 میں نے بعض اوقات ان سے مولانا اختلاف کی ضرورت بھی محسوس کی مثلاً ۱۹۴۰ء میں انہوں
 نے ایک نظم کہی جو اب ”جگر پار“ کے عنوان سے ہمارے کتاب خانہ میں ہے اس میں ایک شعر
 یہ ہے۔

جو مولوی نہ ملے گا تو مانوی ہی سہی

خدا خدا نہ سہی رام رام کر لیں گے

مجھے اس شعر سے اختلاف ہوا خود مولانا ظفر علی خاں کا بھی نظریہ وہ نہیں تھا جو اس شعر سے
 جھٹک رہا ہے۔ خدا جانے کس طرح یہ شعر ان کی نوک قلم سے نکل گیا۔ بہرحال میں نے اس
 کے جواب میں لکھا

نہ رہے گا کچھ جہاں میں نہ رہے اگر مسلمان

جو خدا خدا نہیں ہے تو یہ رام رام کیا ہے؟“ (۷۳)

ہمارا خیال یہ ہے کہ مولانا کے اس اشعار میں دراصل انگریزوں کے حامیوں اور مواقع
 پرستوں پر چوٹ کی گئی ہے۔

اقبال اور عدالت عالیہ کی ججی

جناب عبدالجید سالک لکھتے ہیں :

”بب ۱۹۴۵ء میں سر شادی لال (پنجاب ہائی کورٹ کے) چیف جج تھے، ایک

مسلمان جج کے تقرر کا مسئلہ پیش ہوا اور صوبے کی اسلامی انجمنوں، وکیلوں، اخباروں

اور عام تعلیم یافتہ لوگوں نے مطالبہ کیا کہ ”ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم اے‘ پی ایچ ڈی‘

پیرسٹریٹ لاء کو ان کی بے نظیر قابلیت اور مدونہ دماغی کی بنا پر عدالت عالیہ کا جج

اپنے حب کے ایک ہر رب مسٹر آغا حیدر نے پڑھی اور آج یہ مقدس بزرگ حداثہ
 عاید میں مسلمانوں کے مفاد کی نگہداشت پر مامور ہیں اور انہیں جانتی ہے کہ اس
 نگہداشت کے فرض سے آپ کس طرح بہکدوش ہو رہے ہیں۔" (۵۵)
 سیلسے میں "مسلم اوٹ لک ٹاپیڈم" کے نمونوں سے ہمارے تمام (۵۶) میں درج ہیں
 اشعار ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

عالموں اور صوفیوں کا سینہ صد سالہ فرض
 دے رہا ہے آج کل انجام "مسلم اوٹ لک"
 کہ رہا ہے سجدہ کرتا ہے تو کر اللہ کو
 پر کسی حالت میں شادی لال کے آگے نہ جھک
 تے آگے ہے رسول اللہ کا نقش قدم
 امر بالمعروف سے اور نہی منکر سے نہ رک

مجلس قانون ساز پنجاب کا انتخاب

۲۳ دسمبر ۱۹۲۶ء حضرت علامہ پنجاب سینیٹو، سکریٹری کے ممبر منتخب ہوئے اس انتخاب میں
 ملک محمد علی جوہر حضرت علامہ سے مد مقابل تھے سر محمد شفیع، محرم علی پشتی، نواب ذوالقدر علی
 خان آف مایہ ٹوڈ ملک محمد دین کی حمایت کر رہے تھے جب کہ ملک میرا بخش گئے زلی، مولانا
 ظفر علی خان، خدام، مصطفیٰ حیات، ذوالاں دین قیصر حضرت علامہ کے حامی تھے (۵۷)

سید سلیمان ندوی لاہور میں

سید سلیمان ندوی نے ۱۹۲۷ء میں بارہ انجمن حمایت اسلام میں شریک ہوئے۔ یہ بارہ
 تشریف لائے۔ یہ بارہ ۱۵ اپریل ۱۹۲۷ء اسلام آباد کی گراؤنڈ میں منعقد ہوا تھا سید
 صاحب نے روز مسعود سے لاہور کی ملکی و ادبی مضا کی روزنامی، زیبائی مساعف ہو گئی۔ یہ
 جلسہیں اور دعوتیں ہوا میں جن میں حضرت علامہ اور مولانا ظفر علی خان بھی اپنی پوری
 صلاحیتوں کے ساتھ شریک ہوئے۔ ان محفلوں اور دعوتوں کی چند جھلکیاں ڈاکٹر محمد عبدالحق دہلوی
 دہشت ہیں

"ای (۱۵ اپریل کی) شب سید صاحب نے علامہ اقبال سے ملات پر دعوت تھی
 اس دعوت میں چوہدری محمد حسین، مولانا ظفر علی خان، راقم الحروف، خواجہ سلیم،

مولانا غلام رسول مرزا محمد دین تاثیر اور مولانا عبدالجید سہلک شریک ہوئے تھے۔ یہ دعوت بہت ہی پر تکلف اور کامیاب تھی۔ کافی دیر تک مہمی بڈا رہا۔ چنانچہ علامہ عثمانیہ اللہ مشرقی کی تالیف "تذکرہ" کا ذکر بحث مکان و زمان اور شعر و شاعری پر بات چیت ہوتی رہی۔ چودھری محمد حسین مرحوم نے بعض مسائل پر مثلاً کی اور صاحب کی علمی سرگرمیوں کو سراہا تھا۔ آخر میں امام فخر الدین رازی کی کتاب "مباحث شرقیہ" پر اس علمی مجلس کا اختتام ہوا اور ہم سید سلیمان صاحب اور مولانا ظفر علی خاں کو علامہ اقبال کی موٹر میں ان کے مکان پر چھوڑ کر واپس ہوئے۔" (۷۷)

دعوتوں کے اسی تسلسل میں ۱۷ اپریل کو ایک دعوت خواجہ سلیم سابق پروفیسر انگریزی نور مہنت ٹانج لاہور کے مکان پر منعقد ہوئی جس میں سید صاحب اور امیر ٹانج کے علاوہ حضرت علامہ مولانا ظفر علی خاں بھی شریک ہوئے۔ اس رمانے میں حضرت علامہ سالک زمیندار سے ملے۔ چکے تھے اور ان کا روزنامہ "انقلاب" ۸ اپریل سے شائع ہونا شروع ہو چکا تھا۔ پروفیسر خواجہ سلیم سے ہیں وہ وچسپ گفتگو ہوئی اس کا ایک حصہ ڈاکٹر محمد عبداللہ دہلوی کی زبانی سنیں۔ "مولانا ظفر علی خاں صاحب نے فرمایا کہ اخبار "زمیندار" میں "افکار و روایات" سے عنوان سے متعلق بحثیں جاتے تھے جو عام طور پر سالک ملتے تھے۔ وہ اس عنوان کو اپنے لئے اخبار "انقلاب" میں اختیار کر چکے ہیں۔ تاہم زمیندار میں بھی یہی رسم و روایت کسی اور عنوان سے جاری رہی چاہے۔ مولانا سہلک اور علامہ اقبال بھی موجود تھے۔ سب نے اس بحث میں حصہ لیا اور اس موضوع پر لطائف بھی ہوئے۔ آخر میں سید سلیمان ندوی نے عمائد اسلامیہ کے بعض اخبارات اور سب سے بڑے مضموع کو مد نظر رکھ کر ایک عنوان "نکبات" اختیار کیا جو زمیندار میں "حریم قائم رہا۔"

ضعیف راویوں پر گفتگو ہو رہی تھی کہ علامہ (اقبال) نے طور تخمین نہ کر کے ہمارے راوی (دربائے راوی) بھی اب بہت ضعیف ہو چکا ہے۔ پھر شیخہ وکالت نے ضمن میں سید مہد نے نے علامہ بن حسین داماد کا بھی ذکر کیا۔ "عالم اسلام" کا ذکر کیا۔ علامہ نے "عالم اسلام" سے انصاف و اہمیت بتا دی اور کہا کہ علامہ کا شمار "عالم اسلام" میں ہے۔ اس پر "انباب" میں خوب گفتگو ہوئی۔ یہ بحث محض حکایت کے بعد دیر تک چلی رہی اور اس سے چرچے "انباب" میں دیر تک رہے۔" (۷۸)

مئی ۲۷ کا ہنگامہ لاہور

تین اور چار مئی ۱۹۴۷ء کی درمیانی رات ۲ ہندوؤں اور سکھوں نے مل کر مسلمانوں پر
مردہ مارا۔ اس واقعے کا پس منظر یہاں آتے ہیں۔ کتاب محمد افضل رفیق لکھتے ہیں
”تحریک خفست اور ترک موالات کے دوران (میں) ہندو مسلم اتحاد کا مثالی نمونہ
منظر عام پر آیا۔ لیکن ان تحریکوں کی ناکامی کے ساتھ فرقہ وارانہ تعصب اور فسادات
کا تمام ہندوستان میں ایک لاقبائلی سلسلہ شروع ہوا۔ لاہور میں ۳ مئی ۱۹۴۷ء کو
ہندوؤں اور سکھوں کی ایک کثیر تعداد باہولی صاحب ڈپٹی بارگاریں میں تھیں، وہاں
اشتعال امینا تقریریں دے رہی تھیں۔ جب یہ بتائی گئی کہ ایک مسلمان نے یہاں سے
مجرمہ ہندو یہاں مشتعل ہو کر باہولی ڈپٹی میں داخل ہوا اور مسلمانوں پر پھانسیوں مار
دییں۔ اس واقعے کے سارے شہر میں فساد شروع ہو گیا۔ دکانیں
اور گھرے بار بار محاصرے ہوئے۔ ان فسادات کے دوران (میں) طاہرہ صاحب
معاذت کے لئے درمطالعہ میں دیوار میں چیت چیت رہے۔“

اس باتوں سے سب سے پہلے میں تشریف لایا۔ ”میں نے“ کے نام پر انصاف سے بحث
کرنے سے ایک طریقہ اختیار کیا تھا جس کی تفصیلات بعد میں ۱۲ مئی ۱۹۴۷ء کو روزنامہ ”انقلاب“ میں
شائع ہوئی تھیں اس انٹرویو میں حضرت علامہ نے ویران نشتہ میں فرمایا کہ میں :
”میں نے زمیندار میں لکھا کہ شام کے پانچ بجے تک یہاں ہر شخص کا حق ہے کہ وہ
مسلم ٹوٹ لپٹ کر آئے اور تمام قسطنطنیہ خاص و عامی فوجی اداروں کے سر
کہ جیسے ہر شخص نہیں دینا چاہتے اپنا آپس میں نہایت بات مان لی..... اس
بعد میں آپ نے کہا کہ یہاں سخت سردی رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ
شریف فرما تھے، انہوں نے حضرات مجھے ملنے کے لئے مولیٰ ساڑھے تین کے باوجود
تھا ہم ابھی صورت حال پر بحث و تحقیق کر رہے تھے کہ خان بہادر شیخ عبدالقادر
صاحب شریف نے آپ نے فرمایا کہ جنازوں کے ساتھ ماتمی جلوس تیار کرنے اور
منتظر اور ماٹر مسجدوں کو ماتمی جلوس میں ضم کر شامل ہونا چاہئے تاکہ مجمع و قابو میں
رہ سکے میں اور خان بہادر شیخ عبدالقادر صاحب ماتمی دروازہ سے ردیف ماتمی
جلوس میں شامل ہو گئے۔“ (۸۰)

س: نظامہ میں شہید ہونے والے مسلمانوں کے بھائیوں کو مافی جہس کے ساتھ یہ رہائی

احرم کا کھولٹ منہ پر ڈال کر اس نے اپنا (نیم سی سی) جاں ملک کے کونہ کونہ میں بچھا رکھا ہے اور فرقہ وارانہ فسادات کی تہ میں اس کی اشتعلات انگینیاں صاف چھپی ہوئی نظر آتی ہیں۔" (۸۲)

راجپال ملعون

ایک متعصب اور اسلام دشمن ہندو ناشر راجپال مردود نے غالباً ۱۹۲۵ء میں رسوائے عالم صاحب "ارغیلا رسال" شائع کی تھی۔ اس کتاب کے مصنف کا نام قطعی رہتا یہ تھا۔ سید ہر احمد نے لکھا تھا

"برخیلا رس" کتاب کا اصل مصنف وہ تھا اس کے متعلق قیاس رائیوں جو
 سکتی تھیں۔ اس سلسلے میں دو نام نے حیاتِ ربّ جس میں ایک ڈی اے وی کل
 ۔ ویسے چمپاتی کا تھا اور دوسرا "۔ تب" اخبار کے مالک و مدیر مہاشہ کرشن کا
 ۔ رائیوں سے ساتھ کاروباری تعلقات بھی تھے اور دوستانہ تعلقات بھی تھے۔
 بیان ماسب قیاس یہ ویسے چمپاتی ہی کے متعلق تھا۔" (۸۳)

ہم مسلمانوں کو اس اسرارِ کتاب کے مندرجات کی خبر پچنی تو انہوں نے اس کے خلاف زبردست احتجاج کیا۔ یہ کتاب ضبط ہو گئی اور حکومت نے راجپوتوں کے خلاف مقدمہ چلایا اور اڑھائی سال کے بعد جون ۱۹۳۷ء میں اس مقدمہ کے بارے میں ہائی کورٹ نے ایک مستحب فیہ کی اور ایپیلیٹ سے مسلمانوں کے خلاف فیصلہ دیا اور راجپوتوں کو بری کیا۔ اس پر انہوں نے ۱۹۳۷ء کے روزنامہ ”زمیندار“ ماہور کے ادارہ میں لکھا تھا :

"رٹیا، رسوں کے ناشر مسی راجپاں کو عدالت عالیہ لاہور نے عدالت ابتدائی اور عدالت سیشن کے فیصلوں کو نظر انداز کرتے ہوئے در سات کروڑ مسلمانان ہند کے عداوت کی بر دوانے پر تے ہوئے بری کر دیا۔ برطانوی انصاف کے ہاتھوں اسلام کی یہ رسوائی اور قانون کی یہ بے بسی ایک بے جس و ظلم پیش رفت سے تاریخ قاصد ہے۔ ابتدائی عدالت نے رت میں کو تیر ماہ قید پامشقت کی سزائی سیشن جج کے بھی است کھا رکھی مگر شس ایپ ٹکے سے است بری کر دیا..... سرخاں یہ فیصدہ پساو سے ایسا ہے کہ مسلمان است پڑھیں اور بہ نظر غور پڑھیں اس کے ساتھ ، مو قبہ حکومت کو تو بد لائیں۔ اس کے خلاف ہر جگہ جیسے زر کے حکومت کو مجبور کریں کہ اثر یہ فیصلہ غلط ہے تو وہ اس کی ترمیم پر متوجہ ہو اور ار واقعی مسئلہ

ہنس دے پٹنگھ کے خیال کے مطابق کوئی قانون ایسا موجود نہیں جس سے اس قسم کا سدباب ہو سکے تو حکومت کا فرض دین یہ ہے کہ فوراً ایسے قانون کی تدوین و نفاذ عمل میں لائے۔ کیونکہ اگر مسٹر ہنس ایپ سنگھ کا نظریہ صحیح قرار پایا اور وہی ایسا قانون وضع ہو تو موصوم نہیں کہ ستیا رتھ پر ٹاش کی تعمیر کتنے دنوں پہلے سے اور جنی صانیف اس قسم کی پروا نہ کرتیں۔ اگر مسلمانان ہند اس فیصلہ سے مخالف جس سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی حد درجہ کی تہیں متصور ہے احتجاج کرنے میں شامل سے کام میں لے تو وہ یقیناً قیامت میں رسوا ہو کر رہ جائیں گے۔ قابل نہیں رہیں گے۔

خدمت عامہ اقبال بھی اس موقع پر سمیت اسلامی ڈیپارٹمنٹ نے اسے اپنی پیشکش سے حامی تھے۔ ممتاز اقبال کے مرتب لکھتے ہیں

”۶ جولائی ۱۹۴۷ء کے ”پرتاب“ میں ”ممتاز اقبال کا ماس“ کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا تھا کہ ”اس صاحب و اس ایجنسی نے ہماری مدد کی نہیں ہے“ ”مسلم ٹائمز“ وغیرہ ”پرتاب“ ”ریلیا رسس“ کے متعلق ”رہنما“ میں ممتاز اقبال نے اشتہار پر درج ذیل بیان دیا جو انقلاب بابت ۷ جولائی ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا۔

”پرتاب“ کے اس اعلان کو دیکھ کر میرے دل میں اتنا غم رہا۔ میں نے اس قسم کا پہلی بار ایسا بیان پہلے اعلان نہیں کیا۔ نہ ہی آئی کے مجھ سے کچھ تکلیف ہو سکتی تھی۔ متعلق میری رائے دریافت کی۔ اخبار ”پرتاب“ میں جو کچھ چھپا ہے، عملی پہلو پر داری ہے۔ مسلمان اس ایجنسی کے متعلق سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی عزت کا تحفظ چاہتے ہیں اس معنی میں کوشش پر مجھے نہ صرف اس سے مدد دی ہے بلکہ میں ان کو بالکل حق بجانب سمجھتا ہوں اور اس معاملہ میں کسی قسم کا تسلسل روا کرنے والے کو شقی ازلی تصور کرتا ہوں۔ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ ”مسلم ٹائمز“ کے مضمون ”مستغنی ہو جاؤ“ کی اشاعت سے پہلے مجھے اس پہلو کی علم نہ تھا۔ بایں مذاہب کی توہین کا سدباب کرنے کے لیے میں ایک قرار بھی دے رہا ہوں۔

اسلام آزار لٹریچر چھاپنے کی خدمت کی نرم پالیسی و ایسے قیام کے راز میں نے تاریخ ۱۰ جولائی ۱۹۴۷ء میں ایک اور تبصرہ کیا۔ ”بیدار بچہ اولی“ کے نام سے شائع ہوا۔

اس کتاب میں من کثرت اطلاعات اور جعلی تصویروں کے ذریعے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ مسلمان ہندوؤں اور سکھوں کے دشمن ہیں اور بیشتر ہندو اور سکھ زعماء کے قتل میں مسلمانوں کی محرم ہوتے ہیں اس سے ہندوؤں اور سکھوں کو مل کر مسلمانوں کی بیخ کنی کرنی چاہئے۔ اس کتاب سے نہ صرف ہندی زمیندار نے اپنی اپنی اثاثتوں میں اور ریٹے اور شہرے للہ کر عداوت اختیار ہندو اور مسلمان تنظیموں کو ہائی کا حق لے لیا۔

اسی طرح امرتسر سے نکلنے والے ایک رسالے "اورتمان" بابت ماہ مئی ۱۹۴۷ء میں "ایرین" سے مولا سے یہ قابل مزین مضمون چھپا۔ "قوت" نے اس سے خوف و ریدہ کی دیکھ کر، مایہ نگیں سے پھر اس سے مسلمانوں کے لیے پھیدے لگے۔ مسلمانوں نے واقعات پر اعتراض کیا۔

شاہی مسجد میں اقبال کی تقریر

رسالہ "اورتمان" کا مقدمہ امرتسر کی عدالت ضلع سے نوادہ حکومت کی درخواست پر عدالت عالیہ میں منتقل ہوا۔ اس صورت مقدمہ کی عدالت نے عدالت عالیہ سے رجوع کر کے عدالت عالیہ کی جانب سے قانون کی رو سے مستند آراء ہو جائے۔ نویشن جج کے صدر جسٹس رائڈ نے "اورتمان" کی صورت میں سے پیش نظر بعض اکابر مسلمان بشمول حضرت علامہ "کسی فوری اقدام کے لئے" تھوڑے سا اور صدر نے اس وقت میں تھے چارچہ "اورتمان" کی ۱۹۴۷ء کو مسلمانوں، ہندوؤں اور دیگر مجس خدفت مایہ کے رہے۔ تمام تحریک سول نافرمانی کے التوا کے سلسلے میں شاہی مسجد میں عدالت عالیہ نے نوادہ عدالت قصور میں صدر بنا کر قرار پایا۔ "اورتمان" جسے میں پہلی تقریر حضرت علامہ نے کی ہے اس پر فرمایا۔

"اورتمان" کا مقدمہ امرتسر کی عدالت ضلع سے عدالت عالیہ میں منتقل ہو چکا ہے اور اب تک اس کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ حکومت ہولی رو یہ اختیار نہیں رکھتی۔ یہ درست ہے کہ جس ایسے علیہ سے فیصلہ کے بعد دو نہیں مٹائیں ایسی ہو میں جن سے یہ ثابت ہوا کہ ایریدہ دونوں کو بے لگام ہو جانے کی جرات ہو گئی ہے۔ چھپتے ہوئے یہاں سے "پرتاب" اخبار نے ایک شرمناک مضمون لکھا۔ پھر دہلی کے ایک "ریہ" نے "سورہ مثل امیر" کے شائع کی یہ واقعات ظاہر کر رہے ہیں کہ عدالت اسلام کی قسم اور مصالحہ می تیار رہے ہیں جس سے ہم نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ اب تک معین صورت نہ نکل سکے اس حالات مذکور کا سدباب کرنے کے لئے

حکومت جلد از جلد کوئی کارروائی کرے۔ بعض کہتے ہیں کہ ٹرڈینس کا نفاذ ہوا نہیں چاہتے ہیں کہ ریگولیشن جاری ہو۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو بات ایک ہی ہے یعنی ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ حکومت عجلت سے کام لے۔

”مقدمہ درتوں“ کو دہلی کورٹ میں منتقل کرنے میں جو کارروائی کی گئی ہے، شاید وہ مارن میں بھی مثلاً بے جا با دو اڑھائی ماہ تک اس کا فیصلہ ہو جائے گا اگر یہ فیصلہ مارن میں ہی ہو یا تو کسی مزید فیصلے کی ضرورت نہیں۔ اس کے میری استدعا ہے کہ یہ فیصلہ صدر نے ہو جائے کوئی دوسرا طریق کار اختیار نہ کیا جائے۔ دہلی کے ایک حصہ نے شور مچا دیا اور آوازیں آنے لگیں۔ ”جو کرا رہی ہے مارنٹ رارشی سے جو کچھ ہو رہا ہے گورنمنٹ کے ایما پر ہو رہا ہے۔“

میرا مقصد یہ نہیں کہ آپ خاموش ہو بیٹھیں بلکہ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس قسم کا وہ طریق کار اختیار نہ کیا جائے جس سے ہمارے اصل مقصد کو نقصان پہنچے۔ میں آپ کو مشورہ کرتا ہوں کہ میرے خیال میں درست ہے۔ اگر آپ سے یہ نہیں ہوتا تو میں یہ عمل نہ کریں (آوازیں)۔ ”مگر نہیں۔ ہرگز نہیں۔“

بٹے مسٹر اس کو چھڑاؤ۔ پٹے مسٹروں کو چھڑاؤ۔“ اس کے انٹرویو کے بعد یہ لڑا

تقریر ختم کر دی کہ ”میں اس بچے خوش کی قدر کرتا ہوں۔“ (۸۶)

دستِ عامہ کی تقریر کے دوران میں بعض لوگوں کا شور مچانا اور اعتراض کرنا حضرت علامہ کے حضور میں سب کو بے وقوف بنانے کے لیے موجود۔ مگر ان کے اسے محسوس کیا اور چودھری اس وقت اس کے غصے میں خفا سے اپنی تقریروں میں اعتراض کے اس رویے کی مذمت کی مولانا ظفر علی خاں نے فرمایا :

”میں آپ سے یہ عرض نہ کروں کہ آپ نے ڈاکٹر اقبال کے حضور میں کتنا نفی کیا ہے۔ ان کے تقریر کے دوران میں اعتراض کیا۔ اقبال پکا مسلمان اور سچا مومن ہیں۔ وہ دانتا ہے رسولِ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عشق میں وہ روتا ہے۔ ان کی محبت میں (تواریں)۔ ہم اللہ صاحب سے معذرت چاہتے ہیں یہ لسانی ان کے ان کے کی تھی۔ کسی مسلمان نے نہیں کی۔“ (۸۷)

مقدمہ درتوں کے سلسلے کی مزید کارروائی کے بارے میں سید نور احمد کا بیان یہ ہے :

”انڈین بیچ کے صدر جسٹس براؤن نے تھے۔ اس بیچ نے جسٹس ریلپ سنگھ کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے قرار دیا کہ دفعہ ۱۵۳ ایف اس قسم کی تحریروں پر

حاوی ہے۔ اس مقدمہ کے ملزم کو سزا مل گئی لیکن راجپاں بری ہو چکا تھا۔ وہ قانون کی اس مخلوق مڑاتی پر ہنستا رہا۔“ (۸۸)

علم الدین شہید

بر عظیم کے مسلمان اس صورت حال پر غم و غصہ سے بچنے و تاب کھاتے تھے۔ یہ نذرِ احمد کے الفاظ میں

”لاہور کا ایک نوجوان علم الدین اس بات کو برداشت نہ کر سکا کہ ایک شخص اتنا بڑا جرم اس جسارت اور دیدہ دلیری کے ساتھ کرے اور قانون کی گرفت سے بچ جائے۔ اس نے خود اپنی جان پر کھیل کر راجپاں و سزا دینے کا تیرہ یا بارہ میل ۱۹۲۹ء ۲۷ دن سے وقت اس کی دھن پہنا کر وہیں دھن سے اندر اسے خیمہ سے باہر کر دیا اور خود گرفتار ہو گیا۔“ (۸۹)

حاذی علم الدین یہ مقدمہ چلا اور ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو صبح سات بجے انہیں میانوالی جیل میں پھانسی دی گئی۔ حاذی شہید کی نعش کو باوجود مطالبہ کے ورثائے حاکم نہ لیا یا بعدِ خیر نماز جنازہ پڑھے میانوالی میں دفن کر دیا گیا۔ اس پر مسلمانوں میں بڑا اضطراب پیدا ہوا۔ مسلمانوں کی ہوشوں سے ۱۴ نومبر ۱۹۲۹ء کی صبح کے سوا بجے نعش مبارک ایک اسپتال میں کے ذریعے میاں میر شیشن پر لائی گئی۔ وہاں سے اسے چوہدری کے قریب پریٹھراؤڈ میں لایا گیا اور نماز جنازہ کے بعد اسی روز تدفین عمل میں آئی۔

نعش مبارک کی میانوالی سے لاہور منتقلی، نماز جنازہ اور تدفین کے مراحل میں دیگر اہل علم و ادب، حضراتِ علم و اقبال اور مورثا ظفر علی خاں بھی پیش پیش رہے۔ اس سلسلے میں ۲۹ نومبر کے زمیندار میں شائع شدہ ایک رپورٹ سے چند اقتباسات نذرِ قارئین ہیں

”نعش مبارک میاں میر ریلوے شیشن سے چوہدری کے قریب پہنچی تھی۔ اس میں محمد شفیع بالخاب، ڈائری سر اقبال، انجمن اسلامیہ کے عہدیدار، خان بہادر ملک محمد حسین صدر بلدیہ، مولوی غلام محی الدین ناظم انجمن حمایت اسلام، مولانا غلام رسول صدیقی، مولانا عبدالحق سارک، ڈائری ضیفہ شجاع الدین، خواجہ اس محمد اور دیگر اربابِ علم و ادب وہاں موجود تھے۔ سرکاری آدمیوں نے نعش اس کے ہاتھ لے کر کے ریلوے سے ریلوے لے لی۔ یہ حضرات پونچھ ہاؤس کے قریب کھڑے تھے۔ یہاں سے میت اٹھ کر پریٹھراؤڈ میں لائی گئی اور نہایت احترام کے ساتھ جنازہ رکھ دیا گیا۔“

ٹھیک آٹھ بجے آقائے ظفر علی خاں، آقائے اختر علی خاں در ملک لاں دین صاحب قیصر شر کا چکر لگا کر پریڈ گراؤنڈ (جنازہ گاہ) میں پہنچے۔ شہر میں مسلمانوں کی کانٹیں بند تھیں اور لوگ ٹنٹوں، ٹانگوں، ماریوں اور موٹروں میں سوار ہو کر جنازہ گاہ کی طرف جا رہے تھے ہزار ہا فرزندانِ توحید تسبیحیں پڑھتے ہوئے پیوں بھی جا رہے تھے سڑکوں پر چھڑکاؤ کر دیا گیا تھا مگر پیوں اور سواروں پر جانے والوں کی تعداد اس قدر تھی کہ ایک مرتبہ کا چھڑکاؤ بہت دیر تک گروہ غبار کو رہائے رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔۔۔۔۔ قلم میں قدرت نہیں کہ اس نگارے کی تصویر کھینچ سکے ہو نماز جنازہ کے وقت لاہور کی سڑکوں نے دیکھ کر ہمارا مونا قاری شمس الدین صاحب بخاری خطیب جامع مسجد وزیر خاں نے پڑھائی۔ تابوت سے لے کر مشرقی حدِ نگاہ تک آدمیوں کا ایک سمندر تھا غصے دار تھا، غمگین تھا۔ اور جنازہ گاہ سے میانی صاحب کے قبرستان تک انسان ہی انسان دکھائی دیتے تھے۔ ست ہی محتاط اور معتدل اندازہ لگانے والے اس اجتماع کو دو گانے سے اوپر قرار دیتے ہیں ورنہ ہم بھی اس میں کوئی تحریف کرنا نہیں چاہتے۔۔۔۔۔

نماز جنازہ سے پہلے سڑک محمد بخش صاحب مسلم کے امام احمد شریف ذاب روح تلاوت فرمایا اور ہجوم کو پر امن رہنے کی تلقین کی جب صفیں درست کی جا رہی تھیں تو آقائے ظفر علی خاں نے پندرہ پندرہ صفوں کے بعد ایک صف کے عرض میں دو دو نمبر کھڑے کر دیے تاکہ تکبیر کی آواز سب تک پہنچ سکے۔ نماز جب ختم ہو چکی تو محنتاً ایک آواز بلند ہوئی کہ جنازہ اٹھایا جائے۔۔۔۔۔

حالت اس وقت یہ تھی کہ ہر مسلمان جنازہ کے قریب پہنچ کر اسے کندھا دینے کے لئے بیتاب تھا۔ لاکھوں مسلمانوں کی یہ بے تابی ایک خوفناک اقدامی حرکت کی شکل میں نمودار ہوئی جس نے سارے نظم اور ساری ترتیب کو بکھیر کر رکھ دیا۔ قریب تھا کہ بیسیوں مسلمان اس خوفناک ریت میں دب کر پیشے کے لئے آغوشِ فنا میں سو جائیں۔ خود آقائے ظفر علی خاں مرت مرتے ہوئے اور بعد مشکل ہانپتے ہانپتے شہر سے نکلے ہوئے جیکے ایک مقام پر جائز کھڑے ہوئے مگر محمد شفیع، ڈاکٹر محمد قیصر، ضیہ شجاعت، بدین اور دوسرے حضرات کی بھی یہی قسمت بنی اور وہ اس آراب نشور میں سے مشکل تمام جان سلامت لے کر رہ گئے۔ (مونا ظفر علی خاں نے ایک تقریر میں دیکھا کہ مسلمانوں کو تکتین کی کہ وہ جنازہ کی محفوظ روانگی کے لئے نظم و ضبط

۵۔ مظاہرہ کریں اور اس سلسلے میں واقعات لکھیں۔ (تعمیمیں) اب پورے امن پورے نظام اور پوری ترتیب کے ساتھ یہ جنازہ قہستان کی طرف روانہ ہوا۔ مولانا ظفر علی خاں کے تیار کردہ راستے کے سب سے آگے سر شیعہ 'سراقبال' میاں عبدالعزیز، خلیفہ شجاع الدین، خواجہ دل محمد اور دوسرے اکابر تھے۔ اس شان سے یہ مدیم النظیر جلوس روانہ ہوا۔ رخصت کاروں کو ہدایت دینے کی تمہی۔ بچہ چار خروں کے اور کوئی نعرہ نہ اٹایا جائے گا۔

۱۔ نعرہ تکبیر ۲۔ اسلام زندہ باد

۳۔ خاڑی علم الدین زندہ باد ۴۔ قادیان ہندوستان زندہ باد

چنانچہ آخر تک یہی فلک شام نعرے فضا میں مچتے رہے جنہیں انہوں نے انسانوں نے سنا اور دہرایا اور نئی زندگی پائی۔ (۴۰)

فلسطین

اپنی اسلام دشمن پالیسی کے میں مصداق بن گیا اور انیسویں صدی کے آغاز میں ہی عالم اسلام کے درپے تھے۔ انہوں نے عالم اسلام کے اتحاد اور قوت کو بے درپردہ رستہ میں مانی سرانجام رکھی۔ سازش، رشوت، نکر و فریب، جھوٹ اور مستعد کے حیلوں سے عام کے انہوں نے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا۔ عراق اور شام کو ترکی کے خلاف بغاوت پر ابھارا۔ پھر شام کے وسیع علاقے کو شام، لبنان اور فلسطین تین حصوں میں بانٹ دیا اور فلسطین میں یہودی سلطنت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس سیاسی قبضے میں یہودی اور مسیحی قومیں ایک دوسرے کی حسیب و معونت تھیں۔ سارے عام و عام اس صورت حال سے تشویش و اضطراب میں مبتلا تھے۔ برطانیہ کے دیگر مسلم اکابر کی طرح حضرت علامہ قاسم درویش، ظفر علی خاں جی کے واقعات اپنے اردو مندانہ رد عمل کا اظہار کر رہے تھے۔

حضرت علامہ کے اپنے اس دور کے مکتوبات و بیانات میں تقسیم فلسطین کے منصوبے کی سخت مخالفت کی۔ اپنے بیانات میں اور مسلمانوں کو ہرمن کے نام پر یہ خطوط میں حضرت علامہ کے فلسطین کے بارے میں اپنے خیالات کا مفصل اظہار فرمایا ہے۔ مثلاً آپ نے لکھا کہ "مجھے تو یہ امید ہے کہ برطانوی ارباب سیاست حیلوں سے اپنی فی الواقع دشمنی سے باز نہیں آئیں گے اور اس طرح وطن کو بچا کر دیں گے" آپ نے خبردار کیا کہ یہ مسئلہ صرف فلسطین کا نہیں ہے بلکہ پورے اسلامی دنیا اس سے سخت متاثر ہو رہی ہے۔ انہوں نے یاد دلایا کہ یہ مسئلہ یہودیوں کا نہیں ہے

یہ شعلہ میں حضرت عمر فاروقؓ کے دروازے سے تیرا سہا سہا پہل یسوی فلسطین سے اپنی مرضی سے ترک سکونت کر گئے تھے۔ حضرت علامہ نے مسئلہ فلسطین کے سلسلہ میں بیعت اقوام (ایک کتبہ) کا بھی مجرم سراپا کیا ہے کہ اسلامی دنیا کی نظر میں بیعت اقوام دراصل ایک اینگلو فرینچ ادارہ ہے جو کمزور مسلمان حکومتوں کے علاقوں کو آپس میں تقسیم کرنے کے لیے دیا گیا ہے۔ حضرت علامہ نے مشرق کی اپنی بیعت اقوام کی تحریک کا تصور بھی پیش فرمایا۔ (۴۱)

اسی طرح دائسراک ہند نے نام حضرت علامہ نے ۶ مہر ۱۳۳۳ء کو فلسطین کی صورت حال کے بارے میں ایک برقیہ ارسال کیا جس میں نکالیا کہ

”فلسطین کی صورت حالات نے مسلمانان ہند میں زبردستی بچاؤ کا غلط فہم پیدا کر دیا ہے۔ نائب وزیر نو آبادیات کی تقریر نے مسلمانوں کے شبہات و زائداتی کا دامن بکھیر دیا ہے کہ برطانیہ کی یہ پالیسی ہے کہ عربوں سے معاہدے کا غلط فہم ہے۔ فلسطین میں یسویوں کی قومی حکومت قائم کر دی جائے نائب وزیر نو آبادیات سے برطانیہ کی جو پالیسی بیان کی ہے وہ صریحاً مخالف ہے۔ فلسطین میں حال ہی میں دو ہفتہ رونما ہوئے ہیں وہ اس امر کے متفقہی ہیں کہ دور تحقیقات کی بات اور فلسطین میں یسویوں کا داخلہ جلد از جلد روک دیا جائے برطانیہ سے ستریں معاہدے اکتھنا یہ ہے کہ ”اطمان بالفور“ کو واپس لے لیا جائے (۴۲)

حضرت علامہ کے اس افکار و نظریات کا اظہار اس سے روا اور دوسری مقام میں بھی کیا گیا ہے۔

۱۰۱۔ مشاعر

معاہدے بے اثر شاہ و نفسیں پہ مریں
تدبیر سے نکتہ نہیں پہ نقد و انوار
زبان بختا پیشہ کے چپے سے نکل
بجور سے ہیں تدبیر کے پھندے میں گرفتار

ہے غائب نفسیں پہ یسوی کا الزام حق
ہسپانیہ پہ حق نہیں کیوں اہل عرب کا

برجہ آراء رزق رزمہ اریں پر مرسن
اورا مندوں جہاں طرح کا نہ دیکھتا اند

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند
ہر تقسیم قبور انجئے ساختہ اند

+++

لمراں ہو اگر عالم مشرق کا جیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

انہی خیالات و جذبات کا اظہار مولانا ظفر علی خاں نے بھی اپنی نظم و سٹر میں فرمایا۔ مثلاً ان
کی ایک نظم "نازیان فلسطین" کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

رسن سازان مغرب سے یہ کہہ دو
کہ گذری حد سے رسی کی درازی
کہاں تک قدس کی تخریب کا شوق
کہاں تک یہ پرانی خاکبازی
کہاں تک فکر اصلاح قبائل
کہاں تک یہ انوکھی حیلہ سازی
حمایت تاجکے صیہونیوں کی
کہاں تک یہ یسویت نوازی
بس سکتی نہیں فطرت عرب کی
نئی تہذیب کی افسوں طرازی
روش موجودہ اپنی ترک کیجے
مگر ہے دعویٰ مسلم نوازی (۹۳)

۱۹ جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم فلسطین کے منصوبے کی بابت میں مولانا نے فرمایا۔

لندن کے کمشن کی مشاورت سے پریشاں
سب شیخ فلسطین ہیں اور شاب فلسطین
ساماں ہیں نئی جنگ صلیبی کے نمودار
خنجر بکت انجئے کو ہیں اعراب فلسطین
کھیتے ہیں نہ مل کے یسود اور نصاری
ہے تاک میں اس ناؤ کی گرداب فلسطین (۹۳)

۸ نومبر ۱۹۴۷ء کو زمیندار کا فلسطین نمبر بھی شائع ہوا تھا۔ مولانا ظفر علی خاں کی ملت دوستی

کی بنا پر انیس ۱۹۳۸ء میں کونسل آف آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک اجلاس میں ایک ہفتہ رکنی "فلسطین کمیٹی" کا ممبر بھی بنایا گیا تھا۔ اس وفد کا مقصد اس امر پر غور کرنا تھا کہ مسئلہ فلسطین سے مسئلہ میں ایک وفد بیرون ملک خصوصاً فلسطین اور اٹلیاں بھیجا جائے اور فلسطین کے مسئلے میں حکومت برطانیہ پر موثر دباؤ ڈالا جائے۔ مسلم لیگ کونسل کا یہ اجلاس ۳۰-۳۱ جولائی ۱۹۳۸ء کو دہلی میں قائد اعظم کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ (۱۵)

کشمیر

شمیر مسلمانوں کی اکثریتی آبادی کا خطہ تھا اور ہے۔ لیکن انگریزوں نے ۱۸۴۶ء میں یہ خطہ جیس بھائی راجہ سے غرض گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کر لیا اس طرح شمیر اور کشمیری مسلمانوں پر براہمنوں کا تسلط کر دیا گیا۔ مسلمانان شمیر اسی وقت سے حصول آزادی کے لیے وشنوں میں لیپن افسوس کہ بھارت اور اس کی سرپرست بعض مایہ حاقوں کی استعمار ستی نے اب تک شمیر کو ندی کے چنگل میں روچ رکھا ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کی تیسری دہائی میں شمیر سے نہایت ساریت اہتر تھے اس دور کے حالات پر جناب محمد حمزہ لکھنوی یوں روشنی ڈالتے ہیں

ریاست کا مہاراجہ سری سنگھ ڈوگرا تھا اور اس کے دور میں مسلمانوں پر ملازمتوں اور باجرات روزگار کے دروازے بند تھے، ہمیں مذہبی اور سیاسی آزادی مسر نہ تھی، دوازیوں کے دور میں مسلسل قحط کی بنا پر شمیر کے مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد محنت کے پنجاب اور ہندوستان کے دیگر علاقوں میں آباد ہو گئی۔ کشمیریوں کے تہذیبی نہیں اور صنعتیں براہمنوں کی تھیں۔ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی اور اس کے مقابلے میں ہندوؤں کو ان کی آزادی کے تناسب سے کہیں زیادہ ملازمتیں میسر تھیں۔ صنایع مسلمانوں کی مجبوری تبدیلی مذہب پر قید و بند تھیں۔ ان میں بتر کی مہولی ممانعت کا قائل برداشت نہیں ہے جو بھد..... ۲۱۔ ۲۰

۱۹۳۱ء میں سری نگر میں مسلمانوں کا ایک جلسہ ہوا جس میں مردہہ سے یہ مسلمان مند تہذیب کے دروازے پر تقریر کی۔ ریاستی حکام نے عبدالقدیر کو گرفتار کر لیا۔ ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو عبدالقدیر کا مقدمہ سری نگر جیل میں پیش ہوا۔ کارروائی سننے کے لئے ہزاروں مسلمان جیل کے دروازے پر جمع ہو گئے اور اندر جانے کی کوشش کرنے لگے۔ یہاں سے گولی چلا دی جس سے ۲۱ مسلمان شہید اور سینڑوں زخمی ہوئے۔ ان کے رشتہ داروں نے ریاستی حکام بھوکے بھینڑوں کے مانند مسلمانوں پر نوٹ لکھے۔

سیڑیاں مسلمان جن میں شیخ عبداللہ اور یودھری نظام عباس بھی شامل تھے داخل
رہیں۔ ایسے گے۔ سری نگر اور شمیر کے دیگر شہروں میں کئی روز ہتھیاروں اور
مختلف شہروں میں مسلمانوں کے جلوس نکلتے رہے۔" (۹۶)

شہر کے مودعات سے حضرت علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں کو اطلاع ملی کہ اب اس سے
وہابی تھی اور ذاتی دوا سے بھی۔ حضرت علامہ کے جدا ہونے کے شہر کی ہڈت تھے
جناب جاوید اقبال زندہ روز (جلد اول) میں لکھتے ہیں۔

"ایک قلمی رہنمائی شدہ دستاویز میں اقبال نے اپنی قومیت پر (شمیری مذمت)
تحریر کی ہے۔ انہوں نے اپنے والد سے سن رکھا تھا کہ ان کا تعلق شہری رہنماؤں
کے ایک قدیم خاندان سے ہے۔ گوشت ان کی تہذیب ہے اور ان کے جدا ہونے سے
اسلام قبول کیا بابا لوں حج یا لولی حاجی کے عقب سے یکارت مات تھے۔"
مولانا ظفر علی خاں نے ۲ جولائی ۱۹۳۳ء کو آل انڈیا شہر کمیٹی کی تجویز پر تھیں۔
واقعہ شہر کے ہوتے فرمایا

"مجھے شہر سے ہرگز تعلقات ہیں میرے والد محترم اپنی قومیت پر
میں سے پتے ہیں اور میں بھی ان سے ساتھ شہر سے پتے پتے ہوں۔"

بہرحال، وہ شاہی مظالم کے خلاف اور مسلمانان کشمیر کی تحریک آزمت اور موثری اور شہر
کے جن میں انہوں نے مسلسل کوشاںات رہے کشمیری مسلمانوں کے حقوق کے لئے
بے لوث ایک آل انڈیا شہر ڈائنرس میسوں صدی میسوں نے پہلے حق سے ہمارے رہیں جن ۲۵
۱۰ الی ۱۹۳۱ء کو اس کی جد فیہ ویو (Far View) شکل میں آل انڈیا شہر کمیٹی کی اس میں
صدر مرزا بشیر الدین محمود قادیانی اور سیکرٹری عبدالرحیم اور قادیانی نے اس میں سے
قادیانی ارکان نے شہر کمیٹی کو قادیانیت کی تبلیغ کے لئے ستموں پرنا شروع کیا تو ستموں پر
کمیٹی میں قادیانیوں کی شمولیت کے خلاف ہوئے۔ ۷ مئی ۱۹۳۳ء کو تیرا الدین محمود نے صدرت
کے استعفیٰ کے بعد اس کی جد ہارشی طور پر علامہ اقبال کمیٹی کے صدر اور ملک سے جم
سیکرٹری مقرر ہوئے بعد میں ۲ جولائی ۱۹۳۳ء کو آل انڈیا شہر کمیٹی کی تجویز پر تھیں۔
۱۰ علامہ اقبال کمیٹی کے مستقل صدر ہونے کے ۱۹۳۳ء ہی میں قادیانیوں نے اس میں سے
متوازی "تھیک شہر" کا آغاز کیا اور حضرت علامہ کو اس کی صدارت کی پیشکش کی جس پر
علامہ نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء سے ایک بیان کے ذریعے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا

یہ اور شہری مسلمانوں کے ساتھ صبر کرنا تھا۔ ان کی تحریک حریت ۲۰ بجے کے بعد
 ۱۰ بجے کے بعد ان کے گھر پر حملہ ہوا۔ ان کے گھر میں صحت عامہ
 کے ایک ڈاکٹر ۱۹۳۳ء میں بطور صدر ان انڈیا ٹیمپل میڈیکل کالج میں آجیت ۲۰ بجے فرمایا

میں شہر کے سیاسی جماعتوں کی مدد سے حمایت میں لانا چاہتا تھا۔ ان کے
 گھر کے پیرائوں کی رہنمائی ان کے گھر کے پیرائوں اور عورتوں اور بچوں
 کو چلانا اور ان کی چارج ایسے واقعات ہیں جو کشمیر کو پھر ان مصیبتوں میں ڈال دیں
 ان کے ساتھ ان کے (وزیر مقرر ریاست کشمیر) نے اپنی حکمت عملی سے نجات
 دلائی تھی۔ (۹۸)

حضرت علامہ کے خطوط، سید محمد اعلیٰ ایل (ڈیرہ) کے بھی شہر کے معاملات میں
 حضرت علامہ کے خطراب اور کرب کا اظہار ہوتا ہے

۲۲ دسمبر ۱۹۳۳ء کو آپ نے دائرہ کے نام لکھا دیا

"کشمیر سے نہایت خوفناک اطلاعات موصول ہو رہی ہیں۔ بلا قیاس ہیہ زنی کی جا
 رہی ہے اور گولی چلائی جاتی ہے۔ صورت حال کا اقتضا یہ ہے کہ ہر ایک کی نفسی فوری
 مدد فرمائی جائے۔ درجہ انتہائی فسادات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"

۳ مارچ ۱۹۳۳ء کو حضرت علامہ نے مجلس اقامہ کے نام لکھا "ہمیں نامزد" کو ذیل کا
 نتیجہ موصول فرمایا:

"حکومت کشمیر سیاسی ایجنسیوں میں سب سے زیادہ دباؤ ہے۔ ان میں
 ان کے گھر کے اس اساتیت کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔"

اسی طرح اپنی شاعری میں بھی حضرت علامہ نے متعدد مقامات پر کشمیر اور اس کے مسائل
 کے بارے میں اظہار خیال فرمایا ہے

ہم یہ نامہ ۲۰ دسمبر ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی کتاب کے نام سے شائع ہوا ہے۔ یہ
 کتاب کے نام سے ہے

۱۰ دسمبر ۱۹۳۳ء میں یہ کتاب ۳۱ دسمبر ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی۔ یہ کشمیر
 میں شائع ہونے والی پہلی کتاب ہے۔ اس کے بعد ۲۰ دسمبر ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا
 کتاب میں رہتے تھے۔ یہ کتاب ۲۰ دسمبر ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی۔
 کشمیر میں "کے بٹ" کے رہتے تھے۔

ہم یہ نامہ میں ان کے کشمیر کے بادشاہ شہاب الدین (۱۹۳۳ء) کے نام سے ہے

عمر گل رخت برست و کشاد
خاک ما دیکر شباب الدین نژاد
اور پھر فرنگیوں کی کشمیر فروشی پر کس کرب سے کہتے ہیں ۔

باد صبا اگر ہے جیوا گذرگنی
ترف زما ہے مجلس اقوام باز گوی
دہقان و کشت و بوی و خیاباں فروختہ
قوت فروختہ و چہ ارزاں فروختہ (۱۰۲)

نادرہ ضیفم اودلی شیری ڈیانس " کے تحت جہ انیس ضمیمہ ارمغان نیاز کے حصہ اول
میں شامل ہیں وہ حقیقت میں حریت آسوزی اور استعمار شکنی کے منتر ہیں۔ بھٹاں جناب یوسف
سید پاشا نے نادرہ ضیفم ایک فرضی نام ہے ضیفم شیر و کہتے ہیں مرا اس سے یہ ہے کہ اقبالی
شیریوں میں شیروں کی صفات پیدا ہونی چاہتے ہیں " (۱۰۳) ان جاں ناب نظموں کے بعض اشعار
درج ذیل ہیں۔

گر صاحب ہنگام نہ ہو منبر و محراب
دین بندہ مومن کے لیے موت ہے یا خواب
اسے دادی لوماب

آن وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر
کل سے اہل نظر کہتے تھے ایران صغیر
تم یہ قوم نجیب و چرب دست و تر داغ
ہے کہیں روز مکافات اسے خدائے دہر گمیر

چہ بے باک اندیشہ ر ...
... بزدلی شہر و مستی ر ...

بہس ...
...

مولانا خضر علی خاں بھی اپنے انداز میں شمیر کے مسائل پر انگلیاں نہیں فرماتے رہے مثلاً ۳
 ستمبر ۱۹۳۱ء کو شاہی مسجد کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا
 ”ریاست شمیر کے تمام کے عطیے سے یہ سمجھ گیا ہے کہ شمیر کا مسلمان ایسا وٹ
 ہے کہ جس پر خود اقتدار کے شہسوار پہاڑی نہیں نہ رہتے یہ بات وہ اسے ماسوائے
 انھارے کا لیں گے تاہم یہ غلط ثابت ہوا بلکہ انہوں نے اپنے طرز عمل سے
 برطانوی افواج کے لئے مداخلت کا موقع بہم پہنچایا۔“
 اسی طرح ۱۳ نومبر ۱۹۳۱ء کو مولانا نے فرمایا۔

ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ خط ہے کالوں کا وطن
 آپ کہتے ہیں کہ شمیر ہے نہ دور ہے
 سر ہری تلک سمجھ لیں کہ اٹھتا ہے محل
 تم یا آ کے یہاں پاؤں اُتر دور ہے
 اسی لئے ہے بد و مسلمان
 دور ہے تاہم خوف نہ مار دور ہے

۲ جولائی ۱۹۳۳ء کو اس اثناء میں میٹروپولیٹن عدلیہ اور تھیں کے لئے مسلمانوں کا ایک
 جلسہ بیرون دہلی دروازہ لاہور میں میونسپل کونسل کے صدر اسٹیشن میں منعقد ہوا جس موقع پر تقریر
 کرتے ہوئے مولانا خضر علی خاں نے فرمایا۔

”ہم ان واقعات کو فراموش نہیں کرتے کہ شمیر میں یہ بے پرواہی و یہ
 موٹے تانے مسلمان کو بیدار کرتا تھا اور مسلمان اس سے ہٹتے دیکھ کر
 ہلکا کر دیتا تھا۔ میں نے یہ غدارہ پن انھوں نے دیکھا ہے۔ لیکن اب تمام کے
 شک و شبہوں کے مسلمانوں کے اپنی فطرت اور بہت حد تک یہ بات ہر شخص کی
 سمجھ میں آگئی ہے۔ ہم بد و بد پائے ہوئے ہیں۔ یہ بات مسلمانوں کے
 لئے بہت زیادہ خطرہ ہے۔“

جس موقع پر مولانا نے اس طرح کی باتیں کہیں تھیں ان کے تائید مولوی محمد الدین فوق
 نے کیا۔

”مسلمانوں کو یہ فکیر شاہی جلسہ شمیر کے افسوس ناک حالات حاضہ کو پہ
 چاہئے کہ اس کے لئے بلا امتیاز شمیر کے لیڈروں اور ان کے رہنما کو
 اس کے لئے اس طرح کے مختلف اسلامی طبقوں میں صبح و

تحتی یہ ہے کہ اس جلسہ کی پشتِ رائے یہ ہے کہ موجودہ قابلِ افسوس حالات کو رو
 برائے سے سے شیخ محمد مدائن اور اس کے رفقاء و غیر مشرکین طور پر رہا رہا
 بائیں اور ریاست بھر میں جس قدر مقدمات گزشتہ فسادات نتیجہ کے زیرِ سماعت ہیں
 ان کو واپس لے لیا جائے۔" (۱۰۶)

۹ فروری ۱۹۳۳ء کو مورخا نے لکھا۔

ہر طرف ہمدردی ہے ہمارے لیے
 و ہمدردی ہے ہمارے لیے
 خدا اتنی کہ کہاں رستے ہیں حق اپنا طلب
 میں یہ ساری تختیاں نمایاں اس تقسیم کا
 بادشاہ ہے مہر ہے ہمارے ہمارے ہمارے
 تہذیب کے کتبچہ چھوٹی بڑی تقدیر کا
 ملک ہے ہمارا خدا مائی ہے جس سے عرش ہے
 حق ہے ہمارا تہذیبوں کے تہذیب کے تہذیب

۲۳ مئی ۱۹۳۵ء کو مورخا نے ایک نظم بعنوان "گاندھی جی جی کا حزمہ شیعہ" نامی اس میں

فرماتے ہیں۔

تحتی ہے ہمارے ہمارے ہمارے
 اور آگے میں میں میں میں میں میں
 نے ہی ہمارے ہمارے ہمارے ہمارے
 سنتے ہوں کہ گاندھی جی ہمارے ہمارے
 سمجھ کے ہمارے ہمارے ہمارے ہمارے
 میں میں میں میں میں میں میں میں میں
 تہذیب کے ہمارے ہمارے ہمارے ہمارے
 تہذیب کے ہمارے ہمارے ہمارے ہمارے
 ہمارے ہمارے ہمارے ہمارے ہمارے ہمارے
 ہمارے ہمارے ہمارے ہمارے ہمارے ہمارے
 ہمارے ہمارے ہمارے ہمارے ہمارے ہمارے
 ہمارے ہمارے ہمارے ہمارے ہمارے ہمارے

۳۰ اپریل ۱۹۳۹ء کو زمیندار کا کشمیر نمبر بھی شائع ہوا۔

قاریانیت

تو ایسی ہی مرادیت کے لیے بعض مسلم اسکالر کہ جن میں وہ حضرات شامل ہیں انہیں بھی شامل
ہیں احمدیت کی صحت سوا استقامت کی ہے اور یہ بات خدا کا اندر ہوتا ہے کہ اس کی رسی کا
بمست جتنی رسی ہے محمد نوزیم احمدیت کی طرف احمد نوزیم احمدیت کی صحت بھی اسلام کی صحت
تو اس میں ہی مصلحت مستشرقین کی وضع کردہ اس صحت سے کسی انہی مذہب کا تصور اجتناب
بہ میں اس صحت کو مجاہد استقامت رکھتا ہے تو پھر محمدی احمدی کا حقائق رسوں باطنی
سلی سے یہ علم ایمان رکھنے والوں ہی ہو گا عقیدہ قسم نبوت اسلام کے بنیادی عقائد میں
سے نہ ہذا وہی ایسا شخص احمدی یا محمدی ملانے کا حق نہیں رکھتا جو "بانی محمدی" ایسا نہ
ہوگا اور شرف فی اسما کا مرتبہ وہ محمدی طرف احمدی بھی خاتم النبیین رسوں باطنی علم
وہی ہے کہ خدا کا رسوں باطنی احمدی صلابت میں ٹھوس و شرف محسوس ہے جس ذہن منہی قادیان
کا اصل نام غلام احمد تھا اور اس نے خدای احمد کو اپنے لیے نام لیا اور ناشیوں میں سمجھتے ہوئے
اس کی باری اور مدداری سے خواہ احمد بن جانی کا دعویٰ یا غلام احمد کی مست و اہمیت و غلام
احمدی ملانا چاہتے کہ احمدی حضرت احمد ملکانی ہے یہاں ہی بات ہی تھی۔

سب سے بہتر ہے احمد مختار سے احمد

ہم احمدی تو ہیں ۛ غلام احمدی نہیں

مسی قادیان کے اواخر عمر میں اپنی نبوت کا اعلان ایسے مبہم در حریف انداز میں کیا کہ
مومنین نے اس کو اس سلام بھی ایک مدت تک اس سے خست نیت سے پوری طرح مانجوا نہ ہو
سکے یہاں تک حضرت علامہ اقبال کا صنف ہے وہ بھی متعدد دیگر ائمہ اسلام کی طرح ایک مدت
تک سزا بخوار احمد قادیانی کی صحنی اور من شری خدمات کے معترف رہے پھر اس سے ان حوال
نبوت سے کامل آگاہ ہونے میں اس میں شاید کچھ دیر لگی تاہم یہ بھی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ
حضرت علامہ ختم نبوت کے بیٹہ کامل باندہ مبلغ رہے اور خاتم النبیین سے بعد کسی نبوت کا ظاہر ہو
سکتا ہے یا ہوازی ہی کیوں نہ ہو ماننے کے بارے میں تو وہ سوچ ہی نہ سکتے تھے چنانچہ آپ نے ۲۳
فروری ۱۹۰۲ء کو انجمن صلیت اسلام کے سترہویں سالانہ جلسہ میں شتم بعنوان "اسلامیہ گانج" کا
نکتہ بہ نکتہ کے مسلمانوں سے "پڑھی" اس کے بند نہم کا ایک شعر یہ تھا۔

اسے کہ بعد از تو نبوت شد بہ ہر مفہوم شرک

بزم را روشن ز نور شمع عرفاں کردہ ای

میں شمع کے پتے مسخ کا ہیں نظریات سے ہوئے موانع مہر لیتے ہیں

"یہ ۱۹۰۲ء کا طالع ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے لکھنے کی ضرورت مرزا خدام احمد

قادیانی کے دعوائے بروہیت کی بنا پر ہوئی۔ یعنی کہتے ہیں کہ تیرے بعد نبوت کا دعویٰ

مکمل طور پر شرک فی سبوت ہے۔ خود اس کا مفہوم کوئی ہو یعنی علی اور بروہی

نبوت بھی اس سے باہر نہیں۔" (۴۹)

جناب نیاز احمد نے 'مفہوم اقبال' (جلد ۱۹۸۵ء) میں اور جناب شیخ عبدالرحیم نے 'اقبال

اور اہدیت' (جلد ۱ اپریل ۱۹۹۹ء) میں اقبال اور قادیانیت کے بارے میں شکیں مفاہیث پیدا

کرنے کی کوشش کی ہے۔ سارا غصہ اس بات پر ہے کہ اقبال ایک عرصہ تک مرزا خدام احمد

قادیانی اور اس کی حمایت سے جس ملن رہنے لگے، بدخواہ مسلمان ہیں رہے اور خود قادیانی ہیں

نہ ۔۔۔ کئے اور بیسیویں صدی کے تیسرے عشرے میں قادیان شکنی کے مرتکب ہیں خود

مقتضیٰ جدید کو جناب مفہوم ہے کہ اقبال ان اعتراضات کا مسکت جواب پیش کرتے ہیں۔ جے میں

حضرت علامہ نے قادیانیوں کی تحریک کے بارے میں لکھا تھا :

have no hesitation in admitting that about a quarter of
a century ago I had hopes of good results following from
this movement. I became suspicious of the movement
when the claim of a new prophethood, superior even to
the prophethood of the founder of Islam, was definitely
put forward and the Muslim world was declared Kafir (۵۰)

حضرت علامہ کے اس بیان کا ترجمہ درج ذیل ہے :

"مجھے یہ تسلیم کرنے میں ہولی بات نہیں کہ اب سے ربع صدی پہلے مجھے اس تحریک

سے اتنے ساکھ کی امید تھی۔۔۔ ذاتی طور پر میں اس تحریک سے اس وقت بیزار ہوں،

تھا جب ایک نئی نبوت — بانی اسلام کی نبوت سے اعلیٰ تر نبوت — کا حتمی طور پر

دعویٰ کیا گیا اور تمام عالم اسلام کو کافر قرار دیا گیا۔"

حضرت علامہ اقبال 'منہجی قدروں کے دعویٰ نبوت ہی کو باطل سمجھتے تھے 'بانی اسلام کی

نبوت سے اعلیٰ تر نبوت" کا مدعا محض ایک جملہ معترضہ تھا اور اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ

قادیانی نبوت کا ایسا نام چڑھا رہا ہے۔ لیکن جناب نیاز احمد بحث کو غلط رخ دینے کے لیے اسی

مدعا معترضہ کو ہی بیجا بنا کر یوں رواں ہوئے ہیں ۔

”بانی سلسلہ احمدیہ نے کبھی حضور رسالت مآب کی نبوت سے برتر نبوت کا دعویٰ نہیں کیا نہ کوئی احمدی بانی سلسلہ احمدیہ کو سرکارِ دو عالم سے برتر یقین دلاتا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ کو قرآن کریم خاتمِ نبیین کہتا ہے اور انہیں خاتم النبیین تسلیم کرنا ہر احمدی کا ایمان ہے۔“ (۱۱)

وہ جناب اعجاز احمد اور شیخ عبد الماجد صاحبان کے نزدیک مرزا کے قادیان نبی تو ہے بلکہ قرآن میں سے برتر نبی نہیں ہے۔ حضرت علامہ اقبال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے حد کی نبوت کے قائل نہ تھے اور انہوں نے علی اور بروزی نبوت اور حتم نبوت کی قادیانی دہلیوں و بھی اپنے مسامین اور بیانات میں یہ الال رد کیا۔ علامہ اقبال کی یہ تحریریں جناب سینک احمد شیرانی کی مرتب کردہ کتابوں ”حرف اقبال“ اور ”سچو“ راشٹرا اینڈ سٹیٹ منسٹریس میں ”در دیگر کتب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

قادیانیوں کے بارے میں حضرت علامہ کو ابتداً یقیناً کچھ خط دریں تھیں لیکن بعد میں ۱۹۰۰ء میں ان کے اعتراف خود حضرت علامہ نے بھی فرمایا ہے :

”میرے موجودہ رویہ میں کوئی تناقض ہے تو یہ بھی ایک زندہ اور سوچنے والا انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل سکے۔ بھول ایمرن صرف پتھر اپنے آپ و نہیں جھٹلا سکتے۔“ (۱۲)

تادم حضرت علامہ نے مرزا کے قادیان کے دعویٰ نبوت کی بھی تائید و تصدیق نہیں کی اس سلسلے میں ۲۳ فروری ۱۹۰۲ء کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ”مخبر“ میں حضرت علامہ کی ایک نظم بعنوان ”خط منکومہ“ بظاہر بیعت کے جواب میں ”شائع ہوئی تھی۔ اس نظم کے چھپنے سے شہر تھے۔ جن میں سے صرف تیرہ اشعار ”مقل وہاں“ کے عنوان سے بائبل اور میر شامل ہیں۔ باقی اشعار ”مقل وہاں“ ہی کے زیر عنوان مولانا غلام رسول مراد مرتب کردہ ”مراد رفتہ“ میں شامل ہیں۔ اس نظم پر مولانا مرنے ذیل کا نوٹ دیا ہے :

”یقینی طور پر معلوم نہیں کہ یہ بیجاں کی طرف سے آیا تھا لیکن قرینہ یہ ہے کہ یہ بدعت قادیانی بدعت کی طرف سے آیا تھا۔ اس کی جانب پتھر اشارے خود نظم میں ہیں۔ یہ قائل غور احمد یہ ہے کہ اس خط کے جواب میں یہ خط اور ای زمین میں ایک طعنے سید صاحب نے بھی لکھی تھی جو قادیانی بدعت کے متنازعہ تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ

کیوں نہ ہو خاک و مرا اقبال

خالد نائب خدا ہوں میں" (۱۳)

حضرت علامہ دین محمد اور اس پر مبنی اثبات سے بحث کے بارے میں جناب امیر احمد دار

ین مرتبہ کتاب "اقبال اور احمدیت" میں فرماتے ہیں

"میرا خیال ہے کہ (۱) مرنے کا اخذ کردہ) یہ قیہ بالکل قطعی ہے کہ یہ پیغام (بیعت

۱) اسی جماعت کی طرف سے تھا۔ اس غم میں کہاں نے جماعت احمدیہ کے متعلق

بہت غور پر وہی بات ہی کہتموں نے ان سے کہا ہے پکے بیان "قادیانی اور

... مسلمان" (۱۹۳۳ء) میں تسلسل سے ہی تھی۔ جس میں جماعت کے مسلمانوں

میں تفریق پیدا کر کے بھائی کو بھائی سے جدا کر دیا کرتے ہیں

تو یہاں = ہاں وہ ہے

دوسری راہ چلتا ہوں میں

بھائیوں میں بگاڑ ہو جس سے

اس عبادت کو لیا سرائوں میں

پھر امیر جماعت کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ مخالفین کی موت کی پیش گوئی کرتے ہیں

بہت وہ مہربان ہیں تو ان پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔

مرکب اغیار پر خوشی ہے تجھے

اور تنہو رہا ہوں میں" (۱۴)

۱۳ دسمبر ۱۹۱۵ء کو حضرت علامہ نے ایک قادیانی نعت روزہ "پیغام صلح" کے ایڈیٹر کے نام خط

لکھا اور ان لطائف کی تائید کی کہ کسی قادیانی نے قادیانیوں کی حمایت میں حضرت علامہ سے

منسوب کیے تھے۔ حضرت علامہ نے لکھا :

"اس سے ظاہر ہے بات بری ہے کہ ایک غیر احمدی مسلمان جو رسول اللہ صلعم کے

بعد کی نبی کے قائل نہ ہو وہ کس طرح یہ بات کہہ سکتا ہے کہ عقائد کے

لحاظ سے قادیان اس کے سچے ہیں"

مدیر پیغام صلح کے نام حضرت علامہ کا متذکرہ خط لطائف مکاتیب کہاں جہد اور مرتبہ سید

مظہر حسین بریلی کے صفحہ ۳۲۹ ، ۳۳ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ ۱۹۱۶ء میں قادیانی حمایت کے

بارے میں حضرت علامہ کا موقف یہ تھا :

"... شخص نبی پر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کی نبی کا قائل ہو جس کا انکار

مستلزم نہ ہو اور خارج از اسلام ہو گا۔ اگر قدیم جماعت کا بھی یہی عقیدہ ہے تو وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔“ (۱۵)

کی رعایت سے "ناروق" تکلف کرتے تھے، حضرت علامہ کی تخفیف اور تضحیک اور اپنے مراد مقاصد کی اشاعت کی غرض سے ایک ہنر کمی۔ اس ہنر کے وہ شعر یہ تھے۔

دیکھنی ہو عمدہ نو میں گر وہی شان و شکوہ
قادیاں میں، پھر مسلمانوں کی، بیداری بھی دیکھ
چھوڑ دے شکوے، مسیح پاک کو اقبال مان
اک نظر ناروق کی یہ گرم گفتاری بھی دیکھ

مولانا ظفر علی خاں کو یہ ہنر جناب احمد ندیم قاسمی نے (جو اس زمانے میں پیرزادہ احمد شاہ ندیم قاسمی کہلاتے تھے اور بدایوں میں کانچ کے طالب علم تھے) بہاوپور سے اعلانِ ارساں کی تھی۔ مولانا نے اپنے اخبارات میں اس پر نکات ۵ زعفران زار سجایا۔ پست تو خیر میں اس ہنر کی خرابی اور کٹھا "علامہ اقبال نے اگر اردو سے، تعلق توڑ کر فارسی سے رشتہ جوڑ دیا ہوتا اور قدیم کے ماعروں کی پیمائش ۵ جواب دینا ان سے یہ باعثِ حار و سگ نہ ہوتا، اور عین اس نظم ۵ جواب یوں دیتے "اس کے بعد آٹھ اشعار کی ایک نظم کہی ہے جس کے تین شعر یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

کائنات مقصود ہے اسلام کا جس سے شجر
قادیاں کے لہنی ہاتھوں میں وہ آری بھی دیکھ
مشی فی النوم اور اس کے فلسفہ پر کر نظر
قادیاں کے نازنینوں کی طرحداری بھی دیکھ
من لے اپنے کان سے "الفصل" کی گالی گلوچ
لکھنؤ شرمایا جس سے وہ بھٹیاری بھی دیکھ (۱۸)

۲ جولائی ۱۹۳۳ء کی رات کو باغِ بیروت دہلی دروازہ ماہر میں کشمیر کمیٹی کے سلسلہ میں تقریر کرتے ہوئے حضرت علامہ نے فرمایا۔

"مجھے سیاسی اہمیتوں میں قادیانیوں کی شمولیت پر مذہبی حیثیت سے کوئی اعتراض نہیں اگرچہ میں ان کے عقائد کو غلط سمجھتا ہوں۔" (۱۹)

کشمیر کمیٹی سے مرزا بشیر الدین محمود کے مستعفی ہونے کے بعد قادیانیوں نے "تحریکِ شیعہ" کے نام سے ایک ستواری ادارہ قائم کیا اور حضرت علامہ کو اس کی صدارت کی پیشکش کی تو حضرت علامہ نے ۲۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو اس پیشکش کو قبول کرنے سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا "میرے خط سے اخبارات کے بعض اہل قلم اسباب نے جو انبیا" قادیانی ہیں یہ نالہ

مطلب اخذ کیا ہے کہ صولی طور پر مجھے پیش کردہ صدارت کے قیوں رٹے میں کوئی حوالہ نہیں۔ لہذا میں بعد از مدد یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مجھے صرف صدارت کے قیوں کرنے ہی سے اصولی اختلاف نہیں بلکہ میں تو یہی پیشکش کے متعلق سوینا ہی غلط سمجھتا ہوں۔۔۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان حالات کے پیش نظر یہ مسلمان کس طرح ایک ایسی تحریک میں شامل ہو سکتا ہے جس کا اصل مقصد غیر فرقہ واری کی بلکی کی آڑ میں کسی مخصوص جماعت کا پروپیگنڈہ کرنا ہے۔“ (۲۰)

در ۱۹۳۵ء اور اس کے بعد تو حضرت علامہ نے میرزائیت کے خلاف نظم و سٹر میں بھرپور انداز میں قلم اٹھایا۔ شیخ عبدالمجید مصنف ”اقبال اور احمدیت“ کو مصر میں کہ اقبال ۱۹۳۵ء کے بعد قادیانی جماعت کے خلاف ہوئے جب انہیں چواہری سر ظفر اللہ خاں کے مقابلے میں دس سالہ بدنامیوں میں دسیت حاصل نہ ہو سکی حالانکہ مندرجہ بالا شواہد سے ثابت ہے کہ قیوں اپنے عقیدہ ختم نبوت کا اعلان موقع بہ موقع عمر بھر کرتے رہے اور وہ قادیانی نبوت کے کبھی قائل نہیں رہے۔

اختصار کی غرض سے میں نے اقبال اور قادیانیت کی بحث کو ۱۹۳۵ء سے قبل تک محدود رکھا ہے۔ ۱۹۳۵ء اور اس کے بعد جو کچھ حضرت علامہ نے قادیانیت کے خلاف لکھا یا فرمایا اس سے آگاہی کے لیے درج ذیل کتب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

(۱) حرف اقبال مرتبہ شاملو (الطیف احمد شيرازي)

(۲) انوار اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار

(۳) فتاویٰ رائے ایڈیٹڈ منسٹرف اقبال مرتبہ حلیف احمد شیرازي

(۴) دسورسز آف قیوں مرتبہ شاہد حسین رزائي

(۵) تھائس ایڈر ”فٹنس“ آف اقبال مرتبہ سید عبدالواحد

(۶) اقبال اور احمدیت مرتبہ بشیر احمد ڈار

قادیانیت کے بارے میں حضرت علامہ کی بعض غلط فہمیاں بھی بت ہم اور چشم شاہ میں قادیانی ٹرینیت میں علامہ کی تعلیمات پر طعنیں پھیر دی گئیں۔ اس ضمن میں حضرت علامہ ایک نظم بعنوان ”جہاد“ (مشمول ضرب کلیم) میں فرماتے ہیں۔

نوی ہے شیخ کا یہ زانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں لکوار کارگر

باطل سے جس نے فریضہ صلاحت کے واسطے
یورپ روانہ میں وہاں یہاں اوتس تا ہر
ہر پینے میں شیخ عیسٰی ہوا سے
مشرق میں بند ٹہرے تو مغرب میں بھی ہے ٹہر
حق سے اور حق سے نہ رہا ہے یہ بات
سہم کا محسوس یورپ سے ہوا

+++

نہی طرح مل سے اعتبار میں جی کا ایسا ہی وہ موضوع نہیں بنا دیا ہے۔
وہ بات ہے مسلمان سے یہ ہے کہ پیش
نہی بات میں نہیں قوت و ثبات کا پار

+++

سے جس نے یہ بات کہ مسلمانوں کو
حریت و تکرار و امت ہے خدا کا
چاہے نہ ہو کہ وہ پیش ہوا یورپ
چاہے تو رہے اس میں ذاتی ضمیر کا
قرآن و تاریخ کا اہل
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کو ایجاد
ہے مملکت ہند میں اک طرف تماشا
اسلام ہے محبوب مسلمان ہے آزاد

+++

ہندی مسلمان

غدار وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن
انگریز سمجھتا ہے مسلمان کو گداگر
پنجاب کے ارباب نبوت کی شریعت
نہتی ہے کہ یہ مومن پارسہ ہے کافر
توازد حق اٹھتا ہے کب اور کدھر سے
ہمسکین کدہ ہندو میں کشمکش اندر

۱۲۰ تا ظفر علی خاں: جیسا کہ پہلے گزارش کی گئی، فتنہ قادیان کے نتیجے میں کئی ہزار مسلمانوں کی جانیں ضائع ہو گئیں۔ ان میں سے تھے۔ "ارمغان قادیان" کے ایک مضمون بعنوان "عالم اقبال" میں مذکور ہے کہ وہ خود فرماتے ہیں:

میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے، قادیانیت کا یہ خطہ میری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوا اور میری ساری عمر اس ہوشیاری میں گزری ہے کہ مسلمانوں کے لیے قادیانی خطرہ کو کچھ بہت زیادہ اہمیت نہ دی۔ ملائے امت نے اتنا ضرور یہ کہ جس طرح عدم احمد قادیانی نے ان کو اور باقی تمام مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا، اسی طرح انہوں نے بھی اس پر اور اس کی امت فکیر الاسلام پر کفر کا فتویٰ لگایا یا اس کے لیے ہر مسئلہ محکمات مسیح پر اس کے ساتھ اور اس کے اتباع و اطاعت کے ساتھ ہنگامہ خیز مناظرے کر لئے۔ لیکن زہر کا یہ تریاق کچھ بہت زیادہ سود مند ثابت نہ ہوا اور میرزا یوں کا پروپیگنڈا اس مذہبی رواداری کے سایہ میں جس کا حکومت وقت کو اوجھا ہے، پروان پڑھتا رہا۔

آخر میرے شور و غل اور میرے رفقاء کی باتوں نے عام مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں اور جب حکومت نے میرزاویت کی پیٹھ پر تلے اٹھیں تو انہیں اپنی شرارتوں میں ناکام نظر آئے۔ ان کے لیے کہ جس فتنہ سے انہیں پالا پڑا ہے، وہ اس قدر ہونا چاہیے کہ میں پہلے دن سے پکار رہا ہوں کہ فرقہ مندانہ مرزائیہ جو اسلام کے نام پر مسلمانوں کی جزیں کاٹنے میں شب و روز مصروف ہے، ہرگز یہ حق نہیں رکھتا کہ اس کے خلاف مسلمانوں میں ہوجانے والے سکھوں، پارسیوں، جہاڑیوں اور دوسری اقلیتوں کی طرف سے فرقہ کا شمار بھی سرکاری گانڈوں میں ایک بدگمانہ اقلیت کے طور پر ہونا چاہیے۔

مونا نے اپنے اس مضمون کے آخر میں تاریخ تحریر ۱۹۳۵ء درج کی ہے، اسی مضمون میں انہوں نے حضرت علامہ کے قادیان شکن بیان کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے، حضرت علامہ کو "خداوند" میں خراج تہنیت پیش کیا۔

"خداوند! علامہ اقبال کا جن سے تم کیسے بیان نے ان ساری حقیقتوں کو جس طرح واضح کیا، تم نے شرح کر کے مسلمانان ہند کی ایک ایسی عظیم الشان خدمت انجام دی کہ اس کا سلسلہ انہیں حضور سرور کون و مکان کی ختم الہیہ کی بارگاہ سے ملتا ہے۔" (ارمغان قادیان - طبع اول)

اور اب ارمغان قادیان کی ایک مختصر نظم بھی نذر قارئین لراہ ہے۔

حقیقت قادیاں لی پوچھ لیجے ابن جوزی سے
 نکوکاری کے پردے میں سید کاری کا جیلا ہے
 یہ وہ قلبیسی ہے ایٹس کو خود ناز ہے جس پر
 مسلمانوں و اس رندے نے انہیں طرح ڈھیلا ہے
 جلی ہے مذہبی تہذیب کے مغنوس عزت میں
 نہت بھی ریلی ہے جیسے بھی سیلا ہے
 نصاریٰ کی رشا ملی ہے مقصد اس موت کا
 اور ابطال جہاد ابھاج مقصد کا وسیلا ہے
 بیاس اور اس کی موجیں آئے دن کرتی ہیں غمازی
 کہ پوتا قادیاں کے رب اکبر کا رنگیلا ہے

”ارمغانِ قادیاں“ کا دوسرا ایڈیشن مکتبہ کارواں لاہور نے جناب نظیم دھیانوی مرحوم سے
 مرتب کرا کے شائع کیا تھا افسوس ہے اس ایڈیشن میں شرک و ارتکاب مسلمان شامل نہیں ہے
 سے و پہلے ایڈیشن میں شامل تھے چہرہ موعظہ زیر بحث کے بارے میں دو ممانہاں متعدد تحریریں
 ایسی ہیں جو اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں بھی شامل نہیں کی جا سکیں ضرورت اس بات فی ہے
 کہ اس کتاب کا نیا ایڈیشن حسن تکمیل کے ساتھ پیش کیا جائے۔

شفاء الملک کے اعزاز میں چائے

۲۷: غوری ۱۹۳۳ء کو لاہور میں شفاء الملک حکیم فقیر محمد ہشتی سے اعزاز میں چائے کی
 دعوت دی گئی۔ اس تقریب میں حضرت علامہ اقبال اور مولانا فضل الرحمن صاحب شریک ہوئے۔
 اس تقریب کی محققہ کارروائی روزنامہ اقداب میں ۲۸ غوری ۱۹۳۳ء میں ۱۰۰۰ روپے سے شائع
 ہوئی تھی :

(لاہور۔ ۲۷ غوری ۱۹۳۳ء) آج شام کے ساڑھے چار بجے مولانا علامہ رحمان صاحب سندھ
 ہونٹل میں شفاء الملک حکیم فقیر محمد ہشتی سے اعزاز میں چائے کی دعوت دی گئی۔ یہ
 تقریب حکیم صاحب کو دعوت برطانیہ کی طرف سے خطاب کرنے کی دعوتی میں دی گئی
 تھی۔ اس دعوت میں علامہ اقبال، شمس احمد، مولانا سید ممتاز علی، سر فرید خان، سر
 سکندر حیات خان، نواب احمد یار خان، مولانا خان بہادر حاتی رحیم بخش، سزا ملک
 (مولانا عبد المجید)، شیر شہیر شیخ محمد عبداللہ، مولانا سید حبیب اور دیگر معززین نے

شرکت کی چائے کے بعد مولانا ظفر علی خاں نے مختصر تقریر کی آپ نے فرمایا
 ”حکومت نے حکیم فقیر محمد صاحب کو اور مولانا سید ممتاز علی صاحب کو خطاب دے کر
 دس ہزار روپے کی رقم بھیجی اعتراف کیا ہے۔ مولانا پہلے بھی شمس، عدواء تھے اور حکیم
 صاحب بھی شفاء الملک تھے بلکہ جالینوس وقت تھے۔“ اس تقریر کے بعد یہ پر لطف
 محبت اختتام کو پہنچی۔ (۳۱)

حمایت اسلام کا سالانہ جلسہ

انجمن حمایت اسلام کا ۵ واں سالانہ جلسہ ۱۰ تا ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء (حمت المبارک سے اتوار
 تک) منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں دیگر قوی دلی اکابر کے علاوہ حضرت علامہ اور مولانا ظفر علی خاں
 محی شریف تھے۔ اس جلسہ کی کامیابی پر اظہار مسرت کرتے ہوئے روزنامہ انقلاب کے ادارہ
 نگار نے لکھا۔

”اس سال انجمن حمایت اسلام کا سالانہ اجلاس اللہ کے فضل اور کارکنوں کی مست
 سے باعث بہت کامیاب رہا۔۔۔ پرگرام بھی بہت اچھا تھا یہاں تک کہ اس میں حضرت علامہ
 قبل: : مہر کچلو، مولانا ظفر علی خاں، مولانا عبدالحق (ترقی اردو) حضرت حفیظ
 مہمند خاں، علامہ مشران ازی، پروفیسر ہادی حسن، مولانا احمد علی، مولانا غلام مرشد اور
 متعدد دیگر بزرگان ملت کے اسمائے گرامی درج تھے اور ان سب حضرات نے
 سہولتوں و اپنے خیالات سے مستفیض فرمایا۔“ (۳۲)

انجمن اردو پنجاب

حمت علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں نے اجماعاً فیصلہ عمل کی ایک روش مشورت
 کی۔ یہ صاحب ہمارے صورت میں ہمارے ساتھ آتی ہے۔ انجمن اردو پنجاب کا قیام ۸
 ۱۳۳۰ء میں شیخ محمد علی عثمانی ”المستقر“ (۲۳، ریش روڈ۔ لاہور) میں عمل میں آیا۔ اس
 جلسہ کے قیام کا مقصد پنجاب میں اردو کی تعلیم و ترقی اور اردو ادب میں اردو کا ادب
 ترقی دینا تھا۔ صاحب نے تیسرے طائفے میں جو ۱۳ مئی ۱۳۶۶ء کو ساڑھے پانچ بجے سے چار
 بجے تک منعقد ہوا، انجمن کے مختلف عہدہ داروں کا تقریریں میں کیا۔ پانچ سوں کو اس
 جلسہ کی سرپرست بنایا یا یعنی، شہر محمد اقبال، سرچند سہارن پور، سر اجہ حیدری، سر سید مسعود
 سر سید محمد اس انجمن کے سرپرست قرار پائے۔ صدر انجمن پنڈت بین موہن دتاریہ کیفی

مقرر ہوئے۔ نائب صدور کی مدد میں مولانا ظفر علی خاں، ڈاکٹر ایس ایس حسناگر، خواجہ اس
 محمد پرویسر محمد بن تاثیر اور سید حبیب کے اسمائے گرامی شامل تھے۔ سیکرٹری میاں بشیر احمد، پروفیسر
 یونس، مائٹ سیکرٹری کے لیے جناب خلیفہ عبدالعلیم کا نام تجویز ہوا اور اسٹنٹ سیکرٹری کے لیے
 سید مولائیکین صاحب کا نام تجویز کیا گیا یعنی (مولانا) خالد علی خاں، دوسرا اسٹنٹ سیکرٹری
 کے نام کی جگہ خالی رہا۔ اس انجمن کے چھ شعبے قائم کیے گئے اور ہر شعبہ کو ایک نائب
 ناظم کی نظامت میں کام کرنا کا اختیار دیا گیا۔ (۱۳۳) مابین اکتوبر ۱۹۳۶ء سے جناب حفیظ، شہار
 پوری، اے۔ اے۔ این اردو کے اسٹنٹ سیکرٹری کی حیثیت سے کام کرنا شروع کیا اور
 انہوں نے انجمن اردو کی مختصر مدتی کے اوخر (مئی ۱۹۳۶ء) جب انجمن کے شاندار جلسہ
 جلسہ میں منسلک رو دیں شایان شان انداز میں نکلیں اور موق اخبارات و جرائد میں شائع
 ہوئے۔ مابین حضرت علامہ انجمن اردو کے کسی اجلاس میں شریک نہ ہو سکے لیکن انجمن کے
 یہ حراز پنچو آہم نے تمام حضرت علامہ اس کے سرپرست اول تھے۔ مولانا ظفر علی خاں جن انجمن
 اردو کے شاید صرف ایک اجلاس میں شریک ہو سکے یہ اجلاس ۲۱ نومبر ۱۹۳۶ء کی شام ۶ بجے منعقد
 میں منعقد ہوا تھا۔ روزنامہ "انقلاب" بابت ۲۵ نومبر ۱۹۳۶ء کی رپورٹ کے مطابق

"اس اجلاس میں لاہور کے مشہور ادباء و شعراء اور معززین نے شرکت کی۔

زمرہ نامتھ صاحب نے صدارت کے فرائض انجام دیے۔ معززین میں علامہ

بیکم اقبال علی تاج، بیکم بشیر احمد، مسٹر منوہر، دل، علامہ (عبدلہ) یوسف علی، مولانا

ظفر علی خاں اور مسٹر جسٹس میاں عبدالرشید کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں

حسن اتفاق سے بھارتیہ سائنس پرشد کے آئری سیکرٹری کاٹا ہوا اور آریہ

اس وقت تھے انہیں چار بجے کے قریب ہی بلایا گیا تھا چنانچہ انہوں نے مولانا

ظفر علی خاں، میاں صاحب اور چند دیگر حضرات کے ساتھ اردو ہندی سوسائٹی

مختلف پیلوؤں پر ٹھگلوں کی اور واپس چلے گئے۔ انظار کے وقت میاں صاحب نے

حاضرین کو چائے کی دعوت دی اس کے بعد جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔

اس اجلاس کی تذکرہ بالا رپورٹ مطلوبہ انقلاب کے مطابق اس اجلاس میں مولانا

خاں نے دو خطیں سنائیں۔ مولانا کے والد مولانا عبدالحجید سالک، پروفیسر سید محمد خاں، سید

شجاع، پروفیسر نیاز محمد، پنڈت ہری چند اختر، میاں بشیر احمد، جناب حسن، شمس

عبدالعلیم اور ڈاکٹر تصدق حسین خاں نے اس اجلاس میں اپنی نکارشات پیش کیں۔

اردو، پنجاب میں اردو کے فروغ و ترقی کے لیے گراں بہا خدمات انجام دیں۔

نے اجلاسوں نے اردو زبان و ادب کی تاریخ میں جاواں عقدوں مرقم کیے لیکن افسوس یہ نغمہ شعلہ مستعجب ثابت ہوئی۔

مولانا ظفر علی خاں مرکزی اسمبلی میں

۱۹۳۷ء میں خاندان طیف کا بانی رکن پنجاب اسمبلی منتخب ہو جانے کی وجہ سے ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں ان کی نشست خالی ہو گئی تھی۔ اس نشست کے لئے مولانا ظفر علی خاں کا نام مسلمانوں کی طرف سے متفقہ میدان کے طور پر پیش ہوا لیکن کانگریس نے ان کے مقدمہ میں خن بھادر میاں جے این امدین کے بیٹے میاں عبدالعزیز کو اس میدان کے طور پر کھڑا کر دیا۔ انہیں برادری کے میاں افتخار الدین کانگریس کے ہمنوا اور میاں عبدالعزیز کے بدو ہار تھے لیکن ”پنجاب کی ساری برادری سے متفقہ طور پر مولانا ظفر علی خاں کی امداد کا وعدہ کیا اور کانگریس سے فریب خوار دیندروں کو معصوم ہو گیا کہ وہ قبائلی عصبیت کے نام سے مسلمانوں میں تشدد و فتنہ نہ پھیلے۔ اس طرح علامہ اقبال نے خن بھادر میاں جے این امدین کو ہار دیا۔ یہی وہ خن بھادر میاں جے این امدین تھے جنہوں نے فوراً اکثر صاحب کی ہدایت پر عمل کیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ ”میں نے کئی طرح پر چند کاموں کا ایک بورڈ بنا رکھا ہے جو مولانا ظفر علی خاں اور میاں عبدالعزیز کے معاملے میں ثابت باخیر بن کر فیصلہ کرا دے۔ چنانچہ علامہ اقبال نے ملک برکت علی میاں عبدالعزیز جے این امدین اور بیگم شاہ نواز پر مشتمل ایک بورڈ بنا دیا جس نے اپنا فیصلہ مولانا ظفر علی خاں کے حق میں صادر کیا اور اسی انجام کار کا مقابلہ منتخب ہوئے۔“ (۱۳۵) بقول ڈاکٹر ظفر حسین ریوی ”مولانا ظفر علی خاں ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء کو سنوں اسمبلی ہند دہلی میں بحیثیت ممبر شامل رہے اور اگست ۱۹۴۷ء تک اس کے ممبر رہے۔“ (۱۶۱)

باہمی مشاورت

حضرت علامہ اور مولانا ظفر علی خاں کی باہمی مشاورت و متعدد مثالیں پہلے درج کی جا چکی ہیں۔ چند مزید مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ مولانا ظفر علی خاں کی صحافتی زندگی کے ابتدائی مراحل میں مولوی انشاء اللہ خاں مدبر ”اعمال“ کے مولانا و دعوت دی کہ ”کامل و مکمل کریں۔“ خاں عبدالسلام خورشید لکھتے ہیں کہ ”مولانا کے علامہ اقبال سے اس تجویز کا کیا تو انہوں نے مشورہ دیا کہ کسی کو اپنے ساتھ

شریف نے میں چونکہ اس سے بعد میں مشکلات پیش آئیں گی۔" (۱۴)

(۱) ۵ ستمبر ۱۹۲۹ء کو حضرت علامہ سے جن سات ائمہ (حنبلین بر عظیم سے آسمان این و اب کا
سبق سیرہ لکھا چاہیے) ایک ہدایت ضروری امر میں مشورہ سے لیے اپنے اقبول خانے میں موت
دی۔ ان میں مولانا ظفر علی خاں بھی شامل تھے۔ (۲۸)

(۱۱) اسی طرح مولانا ظفر علی خاں نے ۱۹۳۳ء میں اس امر سے تنبیہ سے لیے کہ مسلمان مشرک
طور پر جہاد کا یا مخلوق طریق تحجب میں سے اس واپس میں جن دس اصحاب و (۱۲) انیس
عظیم کی سیاسیات کا مشورہ ہمیشہ مانا جائے۔ دور آنے کی دعوت کی اس میں حضرت علامہ اقبول
کا نام بھی شامل تھا۔ (۲۹)

(۱۶) اسی سلسلہ واقعات میں اذیت کی اس مقدمہ میں بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ یہ امر انجیل
کے بارے میں ہفت روزہ "حمایت اسلام" لاہور کی جلد ۶ شمارہ ۲۷ بابت ۲ جولائی ۱۹۳۱ء میں
شرح دہلی اس مقدمہ میں و شرح نے اس میں ۱۰ بار ائمہ سے ملاوہ حضرت علامہ اقبول اور
مولانا ظفر علی خاں بھی شامل تھے اس اپیل کا متن درج ذیل ہے

"حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کا آفتاب سارے تیس سو سال
گزرتے رہا بھی نصف النہار پر ہے اور انشاء اللہ تاقیامت اس پر یہ سورہ ہر
دور کے ملک و ممالک میں تبلیغ اسلام میں اپنا خون اور پسینہ ایک کر دیتا تھا اور ہر
زمنہ کے ذرائع تبلیغ و حد شریعت کے اندر رہ کر استعمال کیا تھا۔ ہم سب مل
کر جو وہ زمانے کے مہذب اور مہذبہ و ریو تہذیب و حیا کریں اور اس فرض تبلیغ و
پیش جو ہماری ہادی و رہنما عام کے محسن کامل نے "یسوعی" قرار دیا ہے۔
عام کر دیتا ہے ہماری شہادت ہے کہ تمام مہذب و مہذب کے مہذب و مہذب میں سیرۃ النبی
کی اشاعت کے لیے ایک ہی دن تبلیغی جلتے کیے جائیں۔ ایسے جلسے جو حضور کی
رفعت قدر کے نمایاں شاہد ہوں اور نہیں ہیا محسوس کر سکتے۔ چونکہ اس جلسوں و
۱۳ ربیع الاول سے طبعی مسرت ہے کہ یہ تاریخ تمام مسلمانوں کی کے سردار اور دنیا
کے مبلغ اکبر کے پیدا ہونے اور فرائض تبلیغ و ارادت رستہ فرمانے کی تاریخ ہے
اس واسطے یہ تبلیغی جلسے ۱۳ ربیع الاول کو کیے جائیں اور تمام شہروں میں انتظام کے
لئے معزز لوگوں کی یہ تہنیتیں بنادی جائیں۔ اس دن تمام فرزندان اسلام علم
اسلام کے پیچھے جمع ہوں اور یہ اقرار کریں کہ ہم اسوہ رسول کی پیروی کریں گے اور
ہماری نماز، قربانی، زندگی اور موت اللہ کے لیے وقف ہوگی" (۳۰)

اجرائے زمیندار اور اقبال

جناب محمد الدین فوق نے اپنی کتاب اخبار نویسی کے حالات میں بتا دیا ہے کہ مولانا ظفر علی خاں اپنے والد محترم مولانا سراج الدین احمد خاں کی وفات کے بعد دسمبر ۱۹۰۹ء میں زمیندار نے مدیر بنے۔ اس وقت زمیندار ہفت روزہ تھا اور کرم آباد سے شائع ہوتا تھا۔ مولانا ظفر علی خاں نے "زمیندار" نامی قلمی نام سے لاہور سے شائع کرنا شروع کیا اور ۵ تا ۱۱ ستمبر ۱۹۱۱ء سے جاری رہا۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ یقینی روایات اقبال میں لکھتے ہیں

"مولوی ظفر علی خاں صاحب حیدر آباد سے تشریف لائے تو اس کا ارادہ تھا کہ وہ کرم آباد سے ایک اخبار نکالیں۔ قریب سوسے ڈاکٹر صاحب (حضرت علامہ اقبال) سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ کرم آباد میں اخبار چھپا مشکل ہے اس لیے آپ لاہور میں سے آئیے اور یہیں چھپ جائے گا۔ ان صاحبوں نے لاہور چھپوانا چاہا۔ زمیندار اخبار زمیندار لاہور سے چھپنا شروع ہوا۔ اس دنوں ڈاکٹر صاحب زمیندار سے بہت دور ایک قلم لکھتے تھے اور انہیں نظمیں بھی لکھتے تھے۔ زمیندار اخبار بھی لکھتا تھا۔" (۱۳۱)

یقینی صاحب نے اس رشتہ کے دخل پہلہ محل میں لکھا ہے کہ مولانا ظفر علی خاں نے لاہور سے کوئی نیا اخبار نکالنے کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ اخبار زمیندار کرم آباد سے نکلتے رہے۔ زمیندار نے مدیر خاں کی وفات کے بعد سے صرف اس کی ادارت میں تبدیلی آئی۔ پھر یقینی صاحب کا یہ تاثر دینا بھی بے رحمانہ سا ہے کہ ان دنوں میں زمیندار صرف حضرت علامہ کی نظموں کے لیے نکلتا تھا۔ زمیندار کی شاعت بڑھانے میں حضرت علامہ کی نظمیں کا یقین ہم سمجھتے ہیں مگر زمیندار کی شاعت و فراخ پایے میں بیانی اور رد مولانا ظفر علی خاں کی تبدیلی شخصیت اور ان کے دور و آفریں قلم کا ہے۔

میں یہ بات مسرت سے کہ اخبار "زمیندار" کے حضرت علامہ کا ہمیشہ ہمدردی رقی اور سیاسی فتوحات کا ایک محترم حصہ ہے۔ پھر زمیندار کے قلمی معاون بھی رہے۔ جب زمیندار اپنے بہت کمزوری اور زمیندار پر شعلہ فتنائی کے باعث زیر عتاب آجاتا اور جرمانے کا سامنا کرنا پڑتا ہے تب بھی زمیندار سے نوازا جاتا تو حضرت علامہ اس کا بہت اچھے انداز میں جواب دیتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ان کی طبیعت کی خاصیت ہے نیا نغمہ لیتا تو حضرت علامہ اس پر انکسار مسرت فرماتے۔ مثلاً ۱۹۳۲ء میں "زمیندار" تیسری بار جاری ہوا تو

مولانا نے اس سے تین فہرست عامہ ۲ بھیجوائے اس زمانہ میں مولانا نے زمیندار اخبار کی ایک کمپنی بنائی تھی اور مسلمانوں سے اس کے حصص خریدنے کی پیل دی تھی تاکہ اخبار زیادہ مستحکم اور منظم طور پر چلایا جاسکے۔ مولانا نے اس کمپنی سے ایک قمارنی ٹکڑ بھی ۱ ش. ۱۰ مانگی تھی جس سے تین ش. ۱۰ رنی ایل ہیں

فی سے زمیندار کی کمپنی

۱۰۰۰ کی سرحد کی کمپنی

۱۰۰۰ ملکان کیوں ہوں یہ اس میں شریک

۱۰۰۰ سے ان کے اخبار کی کمپنی

ظلم غلامی ۲ ۱۰ کی یہ تاز

۱۰۰۰ سے سارے احرار کی کمپنی ۲۰۰

اس سلسلے میں حضرت علامہ نے ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء ایل کا مکتب شریف فرمایا

”ڈیئر مولانا ظفر علی خاں۔ اسلام علیکم۔ زمیندار“ کے تین نمبر آپ نے یہ اس

عنایت ارسال فرمائے تھے، مجھے مل رہے ہیں اس عنایت کے لیے بہت شکر گزار

ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ زمیندار سے جوئے نکر سے ملک سے اب مصیبت

سیاسیات میں مزید اضافہ ہو گا۔ پنجوہ آپ نے اس کی بنیاد کو زیادہ مضبوط کرنے

سے بہ اختیار کی ہے میں اس کی کامیابی کے لیے بہت دعاؤں میں رہتا ہوں۔

آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ مخلص محمد اقبال۔“ (۱۳۳)

اسی طرح ۱۹۳۳ء میں یہ اخبار تجدید ختم نبوت کے سلسلہ میں راضی طور پر بند رہا۔

بعد پھر جاری ہوا تو حضرت علامہ نے ۸ جولائی ۱۹۳۳ء کو مولانا ظفر علی خاں کو یہ خط لکھا

”ڈیئر مولانا ظفر علی خاں۔ اسلام علیکم زمیندار کی حیات نامیہ مبارک ہو۔ امید ہے

کہ گزشتہ تجربہ نے آپ کو موجودہ حالت اور اس کے مقتضیات کا صحیح اندازہ

میں مدد دی ہو گی۔ میں آپ کے لئے دست بدعا ہوں۔ محمد اقبال۔“ (۱۳۳)

کلام اقبال کی اشاعت اور ان کی تصانیف کا خیر مقدم

کلام اقبال کی اشاعت و ترویج میں بھی مولانا ظفر علی خاں معصرا بابت مصروفیت سے پیچھے نہ

تھے ان کے جاری کردہ جرائد و اخبارات میں حضرت علامہ کا کلام دفتوں و دفتوں سے برابر شائع

ہوتا رہا چنانچہ دکن ریویو، پنجاب ریویو، ستارہ صبح اور زمیندار نے صفحات کلام اقبال کی تصانیف

سے بٹھاتے نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر، لیکن ریویو میں ان کی درج ذیل تخلیقات شائع ہوئیں۔

- (i) مارچ ۱۹۰۳ء کے شمارہ میں حضرت علامہ کی مشہور نظم ”رضعت اسد یرم جہاں“ شائع ہوئی۔
 ترمیم و انتخاب کے بعد اب یہ نظم بانگ درا میں شامل ہے۔ (۱۳۵)
 (ii) اگست ۱۹۰۳ء کے شمارہ میں وہ غزل شائع ہوئی جس کا مطلع ہے۔

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
 یہ عاشق کون سی، ہستی کے یارب رہنے والے ہیں

رضعت علامہ کی یہ غزل ممدوحہ سرشن پر شاد شاد کو اتنی پسند آئی کہ انہوں نے اس کے قبیح میں پینچیں، اشعار کی ایک غزل کہہ ڈالی تھی، لیکن ریویو کے شمارہ نومبر ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔ جناب شاد کی اس غزل پر مولانا ظفر علی خاں نے ادا کرتی ہوئی، لیتے ہوئے لکھی۔
 رضعت کے، لیکن ریویو میں علامہ دوست کمرہ پرائیمر، قباں کی دو غزل شائع ہوئی تھیں، اس کی بلاغت، طاقت و ارباب ذوق پر ظاہر ہوئی تھی۔ چھپتے نوبت میں جہاں وزارت میں حاضر ہو کر ہر یکسی لینسی ممدوحہ سرشن پر شاد شاد بانقاہم کی خدمت میں باریاب ہونے کا شرف حاصل ہوا تو جناب وزارت اب نے فرمایا کہ غزل قباں، جناب ممدوحہ کو اس قدر پسند آئی کہ آپ نے بھی اسی زمین میں ایک غزل لکھی۔

جناب شاد کی متدک غزل کا مطلع درج ذیل ہے۔

یہ سب یرم و حرم کے دک اپنی نیچے بھائے ہیں
 عدم آباد اک ہستی ہے داں کے رہنے والے ہیں

(نقوش شمارہ نمبر ۱۳۰۔ مضمون بعنوان دکن ریویو از جناب اکبر حیدری کشمیری)

- (iii) نومبر دسمبر ۱۹۰۳ء کے دکن ریویو میں حضرت علامہ کی نظم ”موج دریا“ ارباب ادب کی نظر افروزی کا باعث بنی۔ اس نظم کا پہلا شعر یہ ہے۔

منظرب رکھتا ہے میرا دل ہے ناب مجھے
 میں ہستی ہے تڑپ صورت سیما مجھے

- (iv) تمہارے، نمبر ۹۰۵ء کے شمارہ میں ان کی وہ مشہور غزل رضعت اوراق ہی جس کا مطلع ہے۔

مثال پر تو سے طوف جام کرتے ہیں
 یہی نماز ادا صبح و شام کرتے ہیں (۱۳۶)

منجانب ریویو سے شمارہ مارچ و اپریل ۱۹۱۱ء (شمارہ ۸-۹) میں حضرت علامہ کی مشہور نظم
 ”شکوہ“ شائع ہوئی۔ اسی جریدہ سے بارہویں شمارہ میں حضرت علامہ کی ایک ناقص نظم کے چند
 اشعار شائع ہوئے۔ (۱۳) مثنوی رموز بہ ہوا کی سے بعض اشعار مع ترجمہ و تفسیر ستارہ صبح میں
 شائع ہوئے۔ انہیں آتے آتے ہے۔ اسی طرح روزنامہ ”زمیندار“ میں بھی وقتاً فوقتاً حضرت
 علامہ کی تصانیف شائع ہوتی رہتی تھیں۔ مثلاً پیام مشرق میں وہ غزل جس کا مطلع درن درن ہے
 ۳ اپریل ۱۹۲۳ء کے زمیندار میں اشاعت پذیر ہوئی۔

سر خوش از بارہ تو خم شے نیست کہ میت
 مست ملین تو شیریں بخنے نیست کہ میت
 ۱۳ مئی ۱۹۲۳ء کے زمیندار میں زبور نجم کی ایل سے مطلع والی غزل شائع ہوئی۔
 غزل سرا و بواب رفت باز آور
 یہ اس فسرود دلاں حرف و نواز آور

۳ مارچ ۱۹۲۳ء کے زمیندار میں وہ نظم نظم نوار ہوئی۔ اب وہ در میں نیا چٹا کمن یا نہیں
 کے ترجمہ ٹکڑے کے ساتھ جلوہ آرا ہے۔

اسی طرح ”منجانب ریویو“ اور ”ستارہ صبح“ میں حضرت علامہ سے بعض نہایت اہم شاعری
 مضامین اور مکاتیب بھی شائع ہوئے۔ مثلاً ان کا مضمون ”رساں اللہ مسلم فن شعر کے عصر کی
 حیثیت میں“ ستارہ صبح سے ۱۸ اگست ۱۹۱۷ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔ اور زمیندار میں سید
 حضرت علامہ سے بیانات و مراسلات وغیرہ کی فہرست تو خاصی طویل ہے۔ اس کی بعض تفصیلات
 ”نعتار قبل“ مرتبہ جناب محمد رفیق افضل میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنے
 کی ہے کہ حضرت علامہ اپنی تخلیقات اور بالخصوص منظوم تخلیقات کو اخبارات و جرائد میں
 اشاعت کی عام اجازت دینے کے قائل نہ تھے۔ بلکہ بعض اوقات تو وہ اس سلسلہ میں باقاعدہ
 مقدمہ باری پہ بھی اترتے تھے۔

مولانا ظفر علی خاں اور ان سے جاری کردہ جرائد، اخبارات نے حضرت علامہ کی تصانیف کو
 بھی بڑے فراخ دہی سے اور نہجت آگے انداز میں خوش آمدید کہا۔ مثلاً ”اسرار خودی“ شائع
 ہوئی تو ”زمیندار“ میں اس کا یہ پاپہ ستھنایا گیا۔ (نامعلوم) نے لکھا

”بدعائے اسلام یہی ہے کہ ہر مسلک کی چھپی ہوئی قوتوں سے اثر سے آگاہ ہو۔ اس سے
 ظلم پیدا کیجئے اور ان شعور و حدود کے اندر رہ کر کام کرکے جو قانون قدرت و قرآن مجید نے مقرر
 فرمایا ہے۔ یہی چیز تھی جس کو ہم اب تک سمجھتے ہوئے تھے اور ای بھوں جانے کا نتیجہ ہوا۔“

موجودہ تنزل و انحطاط ہے اور یہی بھلا سہی جسے ڈاکٹر اقبال نے پی فارسی مثنوی اسرار
نہادی سے دریغ سے ہم کو پھر یاد دلایا ہے۔ مرنے والے اس مثنوی پر مفصل تبصرہ کرنے کا وعدہ کیا تھا
لیکن اس کے حقائق و معارف اتنے وسیع ہیں کہ حق تبصرہ ادا ہو سکتا ہی نہیں۔ غرض یہ کہ یہ
کتاب قرآن کریم کی سچی اور اصلی تفسیر ہے اور ہم اس سے رہبر اس باب میں مثنوی کی
نسبت نہ نہیں کر سکتے کہ اسلام کی حقیقی تعلیم کی یہ ایک مقدس شے ہے جس کا پڑھنا اور
سننا۔ مگر اس کتاب پر یہ نشان ڈالنے سے یہ فرس ہونا چاہئے "۱۳۸" اور مثنوی "زمزم پبلشرز
لاہور" کا ذخیرہ سب سے پہلے "ستارہ صبح" سے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا گیا۔

اس توحید پرستان حقیقت ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کی شاعرانہ سرگرمیوں اور فلسفیانہ
موشگافیوں کا سلسلہ مدت مدید سے جاری ہے۔ ڈاکٹر اقبال کو مبداء فیاض سے جو نکتہ
رس و نکتہ سننے کی طبیعت اور جو فلسفیانہ شاعرانہ روح تھی اس سے پہلے تو
سچی دیا ہے اس کی اس حد تک قدر و منزلت سمجھیں کہ اس کا وہ حقیقت میں مستحق
ہے جس سے ہمیشہ ڈاکٹر صاحب کے اردو قارئین نے ارباب عام سے شہرت و قبولیت کی
سند حاصل کر چکے ہیں۔ لیکن اب کچھ عرصہ سے علامہ ممدان کی تاج فارسی کی طرف
متعطف ہوتے اور اس میدان میں بھی آپ نے تخیل کے ریزہ ریزہ تازیانوں سے
ممدان کو جیسے جیسے کام دیئے ہیں ان کا اعتراف ہندوستانی تو کیا ہر بڑے ماہر
و مشاق ایرانی شاعروں کو بھی کرنا چاہئے گا۔

پیام شرق کا بیسٹ قدر جہاں یوسفی محمد حسین کے قلم سے زمیندار کے تین شماروں
(۱۹۸۱ء تا ۱۹۸۳ء) میں شائع ہوا۔ اسی طرح مولانا اور ان کے بزرگ و اخبارات سے
حضرت علامہ کی دیگر تصانیف کا بھی پر جوش خیر مقدم کیا۔ اگر کسی وجہ سے حضرت علامہ کی کسی
تازہ ذرا تصنیف کے بارے میں اپنی کثرت مشاغل کے سبب مولانا نہ لے لے سکتے تو کسی اور مل
نظر کہ اس شرف اندوزی کی دعوت دیتے اور پھر ان تحریروں کو زمیندار میں چھاپ دیتے۔ بعض
وقت وہ حضرت علامہ کی تازہ تصنیف سے پہلی منتخب نظم یا غزل ہی شائع کر دیتے تھے اور
یہ وہ اس تازہ تصنیف کا ایشمار ہوتا تھا۔

نگارشات اقبال کے تراجم

علامہ غلام علی خان اردو فارسی اور انگریزی زبانوں کی قدرت کاملہ رکھتے تھے۔ اپنی اس
رہنمائی سے ہمارے بزرگوں کے باب میں بعض رندہ ہادیہ یاد دہانی چاہی

میں مشہور نوس نے ۱۸۷۱ء کی ایک کتاب Persia and the Persian question کی پہلی جلد کا ترجمہ ”میاہن فارس“ کے نام سے کیا تھا۔ ڈاکٹر جان ویم ڈریچ (۱۸۱-۱۸۸۲ء) کی کتاب A History of the Conflict between Religion and Science کا ترجمہ ”محرک مذہب و سائنس“ کے نام سے کیا۔ رابرٹ ہائینڈ (۱۸۶۵-۱۹۳۶ء) کی تصنیف The Jungle Book کا ”دھنسل میں دھنسل“ کا روپ دیا۔ رابرٹ ہائینڈ کے ناول The people of the mist کا ”سیر غلطی“ کے نام سے ترجمہ کیا۔ اس سے علاوہ بھی مولانا نے کئی مترجمانہ کارنامے سرانجام دیے اور ایک ہندو پیروں کی حیثیت سے اپنے آپ کو منوایا۔ چنانچہ آپ کو حضرت علامہ کی بعض تحریروں کا تراجم کرنے کا بھی موقع ملا اور ان کے یہ تراجم دنیا کے ادب میں مقبول ہوئے۔ علامہ نے مولانا کے تراجم کی ایک انگریزی مقالے ”مستم کیہ ٹی“ کا ترجمہ بعنوان ”ملت یہاں“ کیا۔ یہ عمرانی شعر ”مستم کیہ ٹی“ کے تراجم میں ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں۔

”اسی سال (۱۹۰۰ء) دسمبر میں انہوں (علامہ اقبال) نے ایک انگریزی مقالے بعنوان ”مستم کیہ ٹی“ پر اس وقت لکھی گئی تھی کہ اس کے بعد میں اس سے بیشتر حصہ کا ترجمہ مولانا ظفر علی خاں نے اردو میں ”ملت یہاں پر ایک عمرانی نظریہ“ کے عنوان کے تحت کیا۔“ (۱۳۹)

یہ ترجمہ سب سے پہلے غالباً پنجاب ریویو کے شمارہ مارچ و اپریل ۱۹۰۱ء (نمبر ۸-۹) میں شائع ہوا تھا۔ اس ترجمہ کے بارے میں جناب محمد طاہر فاروقی لکھتے ہیں۔

”مئی ۱۹۰۱ء میں برکت علی ہاں لاہور میں یہ ترجمہ ایک عام جلسے میں سنایا گیا۔ یہ جلسہ محض اسی پیکر کو سنانے کے لیے منعقد کیا گیا تھا۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب نے خود ترجمہ پڑھ کر سنایا تھا۔ علامہ اقبال بھی جلسہ میں شریک تھے۔“ (۱۴۰)

۱۹۰۱ء میں مولانا ظفر علی خاں نے حضرت علامہ کے بعض فارسی اشعار کے ترجمہ و تفسیر اپنے جریدہ ”ستارہ صبح“ کی سب و سب پرچہ کے اہتمام کیا۔ یہ تراجم ضمیمہ کتاب میں شامل ہے۔ جاریت ہیں۔ ان تراجم میں مولانا نے اشعار کے غلطی ترجمہ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ روح شعر و بیان کرنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے۔

حضرت علامہ اقبال کی طرف سے مولانا کی اعلیٰ مترجمانہ صلاحیت کے اظہار کی ایک شہادت علامہ کے انگریزی مقالے ”اجتہاد فی الاسلام“ سے متعلق ہے۔ یہ مقالہ حضرت علامہ نے ۳ دسمبر ۱۹۲۳ء کو ہال اسلامیہ کالج لاہور میں سر شیخ عبدالقادر کے زیر صدارت پڑھا تھا۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی بھی اس محفل میں شریک تھے۔ وہ لکھتے ہیں

”مضمون کے اختتام پر صدر جلسہ شیخ عبدالقادر نے اپنے صدارتی کلمات میں فرمایا کہ اقبال کا یہ ملی کارنامہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ مولوی ظفر علی خاں نے فرمایا کہ یہ محسوس ہو رہا ہے کہ غفلت ہونا چاہئے جس پر ملامہ نے فوراً کہا کہ میں بہ عیب خاطر اس سے یہ تیار ہوں بشرطیکہ مولانا ظفر علی صاحب خواں اس کے ترجمہ کی زحمت فرمائیں کیونکہ وہی اس کا بہتر ترجمہ کر سکتے ہیں۔“ (۱۳۱)

حضرت ملامہ مولانا ظفر علی خاں کے اسلوب ترجمہ کو مستحسن سمجھتے تھے اس کا کچھ اندازہ سید نذیر یازی کے نام حضرت ملامہ کے ان خطوط سے بھی ہوتا ہے جن میں حضرت ملامہ کے مکتوب ”السلام اور احمد رم“ کے ترجمہ کا ذکر ہے حضرت ملامہ نے ۳ فروری ۱۹۳۶ء کو یازی صاحب کو لکھا :

”آپ نے لکھا تھا کہ ترجمہ اسلام اور احمد زم تیار ہو گیا ہے۔ صریحاً نہ کہ جلد مطلع کریں تب شائع ہو گا اور آپ سے نہیں ہو سکا تو بعض احباب یہ کہتے ہیں کہ مولوی ظفر علی خاں صاحب سے کرایہ جائے۔“ (۱۳۲)

۲۰ مارچ ۱۹۳۶ء کو آپ نے اس سلسلہ میں جناب یازی کو پھر لکھا :

”معلوم ہوتا ہے انجمن خدام الدین سے آپ نے اسلام اور احمد زم کا ترجمہ کرنے کی اجازت نہیں لی۔ وہ شکی ہیں خصوصاً اس وجہ سے کہ مولوی ظفر علی خاں سے اس کا ترجمہ رو کر سے مفت شائع کرنے کا قصد رہتے ہیں۔ ان سے ضرور دریافت کرنا چاہئے تھا۔ انجمن سے آپ کو ضرور فیصلہ کر لینا چاہئے کیونکہ اگر انہوں نے رو کر سے مفت شائع کر دیا تو آپ کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔“ (۱۳۳)

نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اقبال اور ظفر

حضرت علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں دونوں عشقِ رسول کے سرمایہ دار تھے اور دونوں حضرات نے نعتِ نبیؐ میں قابلِ رشک شاہکار یا دیگر چھوڑے ہیں۔ اس مقدس اشتراکِ فکر و عمل میں دونوں نے بہت سے ایک دوسرے کی مضبوطی کا احساس اور اعتراف بھی کیا۔ حضرت ملامہ کے مشتقِ رسولؐ اور ان کی ملی خدمات کا اعتراف مولانا نے متعدد مواقع پر فرمایا۔ مولانا کی نعتِ گامی سے بارے میں حضرت ملامہ کی رائے کا اظہار سید بادشاہ حسین کے بیان کردہ ایک واقعہ سے ہوتا ہے۔ حضرت ملامہ سے اپنی ایک ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے سید صاحب لکھتے ہیں :

شعر : سب کی باتیں ہوتی رہیں موجودہ رجحان کا ذکر بھی چھڑا۔ نعت گوئی کا قصہ

پھڑا۔ میں نے عرض کیا "بپ کی نعت اور منقبت خصوصاً فارسی میں مجھے بے حد پسند ہے۔" وہ دفعتاً "گنگناٹے لگے پھر یہ تو از بلند ایک نعت سہلی۔ وہ مجسم تاثر تھے اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ کس قدر عقیدت میں ڈوب ہوئے ہیں۔ یکایک پڑھنا بند کر دیا اور کہنے لگے "تمہیں نعت سننے کا شوق ہے تو چلو میرے ساتھ۔ تمہیں نعت سناؤں۔ اسی کہ دس خوش ہو جاؤے" "حدی سے پڑے پتے اور مجھے ساتھ لے کر باہر نکلے۔ میں حیران تھا کہ کہاں جا رہے ہیں۔ راستہ میں خود ہی بتا دیا کہ "نعت بادشاہ تو ظفر علی خاں ہے اس سے سنیں گے۔" مولانا ظفر علی خاں کے پاس پہنچے اور فوراً ہی نعت پڑھنے کی فرمائش کی۔ وہ سنانے لگے۔ ایک کے بعد دوسری۔ ویسے تو ظفر علی خاں بھی متاثر تھے لیکن علامہ اقبال پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ آنکھوں میں آنسو تہرتے صاف دکھائی دے رہے تھے۔" (۱۳۴)

اقبال کی وفات

اقبال کی وفات کے وقت مولانا مسلم بیگ کے ایک اجلاس کے سلسلہ میں کلکتہ میں تھے وہیں ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو یہ انکم کہی۔

کہہ گئے یہی چہرے ہیں کہ اقبال کا مرنا
اسلام کے سر پر ہے قیام کا گزرتا
کلکتہ و کابل میں پہنچی ہے صف ماتم
اس غم میں یہ پوش ہیں بغداد و سرنا
تھا اس کے تخیل کا فسوں جس نے سکھایا
سو سال کے سوئے ہوئے جذبوں کو ابھرنا
ہر روز دیا اس نے مسلمان کو یہی درس
ہرگز نہ کسی سے بجز اللہ کے ڈرنا
ملت کو نئی زندگی اقبال نے بخشی
محکم نہیں اس بات کا اقرار نہ کرنا (۱۳۵)

۱۸ اپریل ۱۹۳۰ء کو شی مسلم بیگ سیالکوٹ کے جلسہ میں فی ابدیہ یہ اشعار پڑھے۔

اقبال جس کا نام ہے درد زبان خلق
تازاں ہے اس کی ذات پہ خاک سیالکوٹ

اس کا کلام زندہ جاوید ہو گیا
ہر زمرہ نے اس کے لگائی جگر پہ چوٹ (۱۳۶)

اقبال کی رائے ظفر علی خاں کے بارے میں

مولانا ظفر علی خاں اور حضرت علامہ کی آراء ایک دوسرے کے بارے میں پہلے بھی پیش کی جا چکی ہیں۔ مولانا کے بارے میں حضرت علامہ کی چند دیگر آراء بھی مدحیہ ہوں۔ آپ مولانا کی علمی و ادبی اور دینی و ملی خدمات کے ہمیشہ مددگار رہے۔ ہمارا چاہہ سرشنس پرشاد کے نام سے اپریل ۱۹۱۸ء کے خط میں حضرت علامہ نے لکھا :

”مولانا ظفر علی خاں صیر آباد طلب کر رہے تھے۔ سچ میں نے اخبار میں دیکھا کہ وہ وہاں آج آئے۔ نہایت کامل آدمی ہیں اور ان کا ذہن مثل برق کے تیز ہے مجھے یقین ہے کہ ان کی علمی قابلیت سے ریاست کو بہت فائدہ ہو گا۔“ (۱۳۷)

۲۹ جنوری ۱۹۳۶ء کو انہوں نے رورنامہ احساں لاہور کے ظفر علی خاں نمبر کے لیے درج ذیل پیغام دیا :

”میرے نزدیک مولانا ظفر علی خاں ایک غیر معمولی ان و ایمان کے آدمی ہیں۔ ان کی ہمت مند ہے اور ان کا قلم اپنی روانی میں بڑے بڑے مجاہدین کی تلوار سے کم نہیں۔ یوں تو سارا ہندوستان ان سے متاثر ہوا ہے لیکن پنجاب کے مسلمانوں پر ان کا خصوصیت سے احساں ہے کیونکہ مذہبی ادبی اور سیاسی اعتبار سے انہوں نے اس صوبے کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔“ (۱۳۸)

جناب پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے مولانا کے بارے میں حضرت علامہ کی درج ذیل رائے باحوالہ درج کی ہے :

”ظفر علی خاں نے قلم میں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا بانک پن ہے۔ انہوں نے مسلمانان پنجاب کو نیند سے جھنجھوڑنے میں بڑے بڑے معرکے سر کیے ہیں۔“ (۱۳۹)

اقبال سے فیض یابی

مولانا ظفر علی خاں اور علامہ اقبال کی شخصیات اور ان کے افکار و رجحانات کے تفصیلی مطالعہ سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ دونوں اکابر میں فکر و عمل کے اعتبار سے غیر معمولی ہم بستگی اور بھائی پائی جاتی تھی۔ علمی و ادبی، دینی و ملی، سیاسی و عمرانی امور میں دونوں حضرات

ان تین خداؤں میں بڑا سب سے ہے پٹرول

کرتے ہیں جسے مجدد زمانے کے سلاطین (۱۵۱)

یا مثلاً حضرت علامہ اپنی نظم "طلوع اسلام" میں فرماتے ہیں :

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ فوری ہو

لو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

اور حضرت مولانا اپنی ایک نظم "لغات" میں لکھتے ہیں :

عجب کیا ہے کہ شرعاً حاکم بھی اک دن مسلمان ہو

ہو اسلام کا ٹپکے اگر کافر کا دل چیریں (۱۵۲)

حضرت علامہ کی نظم "جواب شکوہ" کا مشہور شعر ہے :

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو

تم بھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

اور حضرت مولانا اپنی ایک نظم میں فرماتے ہیں :

سید ہو یا پٹھان ہو مرزا ہو یا بلوچ

دیں سے بھی کچھ لگاؤ ہے اس بات کو تو سوچ (۱۵۳)

یا مثلاً شہید القادریؒ حضرت علامہ نے "کفن دزد" کی ترکیب کا اطلاق فرمایا تھا :

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند

بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند

اور مولانا مستور ہوتی مغربیوں کو "کفن چور" کے نام سے یاد فرماتے ہیں :

شرق میں غریبوں کی نہیں کوئی رہی گور

سر پکڑے ہوئے بیٹھے ہیں مغرب کے کفن چور (۱۵۴)

یا مثلاً قبل سیدہ اور سی کی الفراق پسندی کو ہوا سینے والوں کے ہے "گرفتار ابو بکرؓ و علیؓ" کی

ترکیب اپنے ایک شعر میں لاتے ہیں :

اے کہ شناسی حنفی را از جلی ہشیار باش

اے گرفتار ابو بکرؓ و علیؓ ہشیار باش

اور مولانا بھی اس ترکیب سے کام لیتے ہیں

گرفتاران ابو بکرؓ و علیؓ اچھی طرح سن لیں

کہ ان کی چپقلش نے کام غیروں کا نکالا ہے (۱۵۵)

تاہم اس معاملے میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں حضرات اپنے اپنے طور پر شیخ عثر
سے مستفید ہوئے ہیں

ز نادانی دل پر جہل و پرکر
گرفتار بھی مامدی و بوبکر

لیکن حضرت علامہ سے حضرت مولانا کی فیض دہی میں یہ چند مثالیں غیر شعوری استفادہ یا محض
فہمی و وجدانی ہم رنگی کی شہادتیں ہیں چونکہ دونوں اکابر ملت اسلامیہ کے یہ ناز و فرزند تھے
بر عظیم میں دین سیاست ادب اور عمرانیات وغیرہ کے شعبوں میں قائدانہ مناصب پر فائز تھے اور
ملی و قومی زندگی کے اثر مرحلوں اور محاذوں پر دونوں ہم موقف اور ہم ہدف بھی تھے اس لیے
دونوں کے یہاں فہمی و وجدانی ہم رنگی کا ظہور ایک فطری بات تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ
مزان طریق کار علمی پیشہ درانہ اور معاشرتی پس منظر اور تخلیقی رویوں کے امتیازات دونوں
حضرت کے مملوکیات یا مسائل کو انفرادیت یا جداگانہ تشخص سے بھی مشرف یا ہی دونوں
اکابر کے منفرد اسلوب نے اپنے اپنے دائروں میں اپنے معاصرین کو متاثر ہی نہیں کیا بلکہ تنقید
کی یا یوں دونوں حضرات اپنے جدا جدا دستاویزوں کے بانی قرار دیتے تھے۔

مولانا ظفر علی خاں اور علامہ اقبال کے ہمیں فہمی اور عملی اشتراک و اتحاد یہ تھا کہ
شہادتیں ہماری ملی و قومی تاریخ کا سرمایہ نازتیں بھی ہیں اور ہماری تہذیبوں کے یہ قدیم
ہدایت بھی، ان کے قیام و اختتام کے حوالے سے بھی دونوں علماء کا اشتراک تھا، ان
ہماری ملی سیاسیات کا ایک انوار منظر نامہ ہے لیکن یہ کہانی ایک الگ باب میں ہی رہے گی
چونکہ اس کہانی کی اہمیت احوالت اور یکسانی کا تقاضا بھی یہی ہے

۱۔ دہلی رسالہ - شمارہ - بہت مارچ ۱۹۰۳ء

۲۔ یہ رسالہ رسالہ پیدار ہے اپنی کتاب "ارادہ کے اسم ادبی رسالے اور اخبار" میں اس نظم کی شہرت کرتے ہوئے اس کا نام "پردانہ و شمع" درج کیا ہے۔ یہ سو قلم ہے۔ "پردانہ و شمع" کے مصنف کا نام "نظر" کن ریویو کے شمارہ مارچ ۱۹۰۳ء میں چھپی ہے وہ لاہور لاہوری کا قیود فکر ہے۔

۳۔ یہ نظم "درخت" ہے۔ "ہم صبا" ہی کے عنوان سے شائع ہوئی تھی۔

۴۔ لارنی - لارنی کی حریت دوست رہنما خوزد میرنی (۱۸۹۵-۱۸۷۲ء) جس نے حب و قوم کے لیے قید و سب سے جیلیں اور قید خانے ہی میں فوت ہوا۔

۵۔ سید نے ہائی وائے راز اقبال اکادمی طبع لانی ۱۹۸۸ء میں ۳۸

۶۔ میں ریویو بہت فروری ۱۹۰۹ء ادارتی شدہ۔

۷۔ مولانا غلام رسول مر۔ ان بات مر مرتب امجد سیم علوی مر سزا لیٹڈ مسلم ٹاؤن لاہور میں ۱۹-۸۔

۸۔ مولانا ظفر علی خاں۔ بہارستان مکتبہ کارواں۔ س۔ ن۔ میں ۳۸۵

۹۔ پیمان۔ اقبال نمبر۔ بابت ۲۵۔ اپریل ۱۹۳۹ء

۱۰۔ سیم رسالہ لاہور لاہوری (مرتب) سزا رت۔ شیخ غلام علی یٹڈ سنہ ۱۹۵۹ء۔ میں

۲۳۵-۲۳۶

۱۱۔ ایضاً۔ میں ۲۳۶

۱۲۔ مولانا غلام رسول مر۔ مطالبہ جنگ در شیخ غلام علی ایٹڈ سنہ ۱۹۷۹ء میں ۲۳۸

۱۳۔ مولانا غلام رسول مر نقطہ تاریخ سزا شیخ غلام علی یٹڈ سنہ لاہور ۱۹۷۸ء۔ میں ۳۱۲

۱۴۔ مولانا غلام حسین ذوالفقار اقبال ایک مطالعہ اقبال اکادمی لاہور ۱۹۸۷ء۔ میں ۱۷۴

۱۵۔ سیم رسالہ لاہور (مرتب) انمول موتی حصہ دوم س۔ ن۔ میں ۵۶

۱۶۔ سیم رسالہ لاہور میں ۹۲

۱۷۔ سیم رسالہ لاہور (مرتب) کارواں۔ س۔ ن۔ میں ۳۶-۳۸

۱۸۔ محمد شکیل۔ حرم در در فریخ اردو۔ لاہور ۱۹۸۶ء میں ۱۶۲-۱۹۳

۱۹۔ محمد سید احمد چغتائی۔ اقبال کی صحبت میں مجلس ترقی دب لاہور ۱۹۷۷ء۔ میں ۷۶-۷۷

۲۰۔ مطالبہ جنگ در۔ میں ۲۳۳۔ نیز اقبالیات مر میں ۱۲

۲۱۔ تقدیر۔ ۱۶۔ مئی ۱۹۵۳ء۔ مضمون حکیم محمد حسن قرشی

۲۲۔ دلائل راز۔ میں ۲۳۵-۲۳۶

۲۳۔ روزنامہ زمیندار۔ ۳۔ دسمبر ۱۹۸۲ء

۲۴۔ اشرف غلام مولانا ظفر علی خاں میں ۳۳ میں جناب اشرف غلام کی یہ اطلاع درست معلوم نہیں

موتی کے بعد مذکورہ صدارت مولانا ظفر علی خاں نے فرما لی تھی جس شخص میں روزنامہ زمیندار کی فراہم کردہ اطلاع زیادہ معتبر سمجھی جانی چاہئے۔

۲۴۔ بہارستان۔ ص ۳۵۷

۲۵۔ روزنامہ زمیندار۔ لاہور۔ بابت ۲۹۔ نومبر ۱۹۱۲ء

۲۶۔ انمول موتی۔ حصہ دوم۔ ص ۳۶

۲۷۔ نگارستان۔ ص ۳۷

۲۸۔ انمول موتی حصہ دوم۔ ص ۵۶

۲۹۔ زمیندار۔ جولائی نمبر ۱۹۵۳ء۔ ص ۳۷

۳۰۔ انمول موتی حصہ دوم ص ۶۰

۳۱۔ اشرف عطا مولانا ظفر علی خاں ص ۵۵ نے مولانا ظفر علی خاں۔ ادب و ادب راولپنڈی ص ۱۰۳

زیدی۔ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۰۳

۳۲۔ پروفیسر سید احمد علی (مرتب) رسائل حالی۔ دارہ ثقافت اسلام آباد۔ ص ۲۶۰-۲۶۱

۳۳۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ بھٹائی روایت قبل مجلس ترقی ادب لاہور ص ۱۱۳-۱۱۴

۳۴۔ رحیم بخش شاہین اوراق گم گشت۔ اسلامک پبلی کیشنز لاہور۔ ۱۹۷۵ء۔ ص ۳۵۳

۳۵۔ عبدالحجہ سالک یاراں کہن مکتبہ چٹان لاہور س۔ ن۔ ص ۱۷

۳۶۔ مناقبات اقبال سید عبداللہ احمد معینی۔ شیخ محمد شرف۔ لاہور ص ۹۶۳۔ ص ۱۰

۳۷۔ ستارہ صبح ۲۰ ستمبر ۱۹۹۷ء

۳۸۔ ستارہ صبح ۱۵۔ نومبر ۱۹۹۷ء

۳۹۔ بہارستان ص ۳۶۹

۴۰۔ روزنامہ آفاق۔ ۲۔ دسمبر ۱۹۵۶ء

۴۱۔ چہستان۔ از مولانا ظفر علی خاں۔ مکتبہ کارواں۔ س ن ص ۸۳، ۸۴

۴۲۔ اوراق گم گشت۔ ص ۷۳

۴۳۔ عبدالغفار فکلیں۔ قبال کے شری افکار انجمن ترقی اردو دہلی۔ ۱۹۷۷ء۔ ص ۹۳

۴۴۔ ستارہ صبح بابت ۳۔ اکتوبر ۱۹۹۷ء

۴۵۔ ایضاً

۴۶۔ بشیر احمد ڈار انوار اقبال۔ اقبال اکادمی لاہور ۱۹۷۷ء۔ ص ۱۸۳-۱۸۵

۴۷۔ شیخ عطاء اللہ ایم اے۔ مرتب۔ اقبال نامہ حصہ دوم۔ شیخ محمد شرف۔ لاہور ۱۹۵۱ء۔ ص ۱۶۹-۱۷۱

۴۸۔ ستارہ صبح۔ ۲۴ نومبر ۱۹۹۷ء نیز نگارستان ص ۶۱۔ مناقبات اقبال مرتب سید عبداللہ معینی ص ۱۰

اس لکچر کو سوا "علامہ اقبال کی تخلیق قرار دیا گیا ہے۔

۴۹۔ محمد ضیف شاہد ایم اے۔ اقبال اور انجمن حمایت اسلام ناشر مکتب خانہ انجمن حمایت اسلام لاہور۔

۱۹۷۶ء - ص ۵۳ تا ۵۶

۵۰ - بہارستان ص ۳۳۹ - ۳۴۰

۵۱ - ہفت روزہ حمایت اسلام - بابت ۷۱ - نومبر ۱۹۳۸ء

۵۲ - سید عبدالواحد معینی و محمد عبداللہ قریشی (مرتب) بقیات اقبال - تینہ جلد - لاہور - ۱۹۷۸ء - ص ۳۶۸

۵۳ - کلیات اقبال اردو شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور - ۱۹۸۶ء ص ۲۵۷

۵۴ - ایضاً ص ۲۹

۵۵ - کلیات اقبال فارسی - شیخ غلام علی اینڈ سنز - مئی ۸۵ ص ۲۳۵

۵۶ - ظفر علی خاں مولانا روح معانی - مکتبہ زمیندار لاہور ۱۳۳۹ھ ص ۳۷

۵۷ - پیغام حیات - مولانا ظفر علی خاں کا خطبہ صدارت - منصور شمیم پریس لاہور س - ن - ص ۶۳

۵۸ - مولانا ظفر علی خاں جسیات منصور شمیم پریس ۱۹۲۶ء - ص ۹۲

۵۹ - زاہد علی خاں - مولانا ظفر علی خاں کی سیاسی شاعری - مقالہ مخزن - پنجاب یونیورسٹی لائبریری - لاہور
۶۰ - جسیات - ص ۷۲

۶۱ - رومی دہلی بہار مکتبہ ۱۹۲۳ء

۶۲ - زمیندار - ۱۹ جنوری ۱۹۲۵ء - شیخ سے مراد شیخ عبدالقادر صاحب صدر مجلس وسیع - میں و قوانین
- ص ۷۱

۶۳ - فیہ سائر کلوروی - اقبال کے ہم شیخ مکتبہ خلیل لاہور ۱۹۸۵ء - ص ۳۳

۶۴ - اقبال کے حضور - اقبال اکادمی پاکستان - لاہور - ۱۹۸۱ء - ص ۲۵۹

۶۵ - مہر مہر صاحب - قبل - قبل - قبل لاہور س - ن - ص ۱۳۷ تا ۱۳۰

۶۶ - منصور علی دوائر المعبر الکفرہ علی ظفر دستہ میں ظفر طرہ اشاعت - مکتبہ انجمن ارشاد
مسلمین - لاہور ص ۵

۶۷ - بہارستان ص ۳ - مکتبہ ۱۹۶۶ء

۶۸ - بہارستان ص ۵۱۸

۶۹ - ایضاً ص ۵۴

۷۰ - اشرف نظام مولانا ظفر علی خاں ص ۱۵۳

۷۱ - ایضاً ص ۱۹۵

۷۲ - میراں لہند - مکتبہ مکتبہ اشاعت - مکتبہ تاب - مکتبہ آج - ص ۸۸ تا ۸۹

۷۳ - ایت مولانا حامد علی خاں - لاہور

۷۴ - اقبال - ص ۱۷

۷۵ - ڈاکٹر صادق حسین لاہور - انمول موتی حصہ اول ص ۲۶ تا ۱۷۳

۷۶۔ ذی یحییٰ - میاں میر مدین - تب خانہ - بمن حمایت اسلام لاہور ۱۹۸۳ء - ص ۳۸، ۳۹ - میاں صاحب کے سہ ماہی 'آفتاب' ۱۹۶۷ء میں یہ ہے۔ جب کہ جنت پور میسر ربیع الدین ہاشمی کے مطابق حضرت ۷۷۔ ۲۳ نومبر ۱۹۶۶ء کو مجلس 'قانون ساز ہاؤس' کے رکن منتخب ہوئے۔ (تقریرات اقبال نمبر - تبہ ۱۹۷۷ء)

۷۷۔ اقبال کی صحبت میں - ص ۲۰۹، ۲۱۰ -

۷۸۔ ایضاً ص ۲۸

۷۹۔ محمد رفیق نضر ہشتار اقبال، ادارہ تحقیقات، دہلی، اش کام ہاؤس - لاہور ۱۹۶۹ء ص ۲۸، ۲۹

۸۰۔ ایضاً - ص ۳۱، ۳۲

۸۱۔ روزنامہ زمیندار - ۶ - مئی ۱۹۴۷ء - ص ۲

۸۲۔ ایضاً - ص ۲

۸۳۔ سید نور محمد - مارشل، سے مارشل، تک - ادارہ کتاب - ریونیو کن روڈ، لاہور میں شائع شدہ -

۸۴۔ گفتار اقبال ص ۳۸

۸۵۔ مارشل لا سے مارشل لا تک ص ۱۱۳

۸۶۔ گفتار اقبال ص ۳۵ - ۳۶

۸۷۔ گفتار اقبال ص ۷۷

۸۸۔ ۸۹۔ مارشل لا سے مارشل لا تک - ص ۱۱۳

۹۰۔ روزنامہ زمیندار - ۷ - نومبر ۱۹۴۹ء - ص ۶

۹۱۔ تفصیل کے لیے یحییٰ طیف احمد شردانی 'تکبیر' رشتہ یڈ نیٹ منٹس ہف قبل - قبل اکیڈمی لاہور ۱۹۷۷ء - ص ۲۳۳ تا ۲۳۸

۹۲۔ گفتار اقبال - ص ۱۷۹

۹۳۔ چمنستان ص ۶۶

۹۴۔ چمنستان ص ۷۹

۹۵۔ Foundations of Pakistan vol III صفحہ ۲۷۰، ۲۷۱

۹۶۔ محمد نسیم فاروقی - انیس سیاسی سفر برم اقبال لاہور ۱۹۹۲ء ص ۳۶۳ - ۳۶۵

۹۷۔ زمیندار ۱۰ - جولائی ۱۹۳۳ء

۹۸۔ شاہ (حیدر محمد شیردانی) - مرتبہ حرف قبل - لکھنؤ لاہور نومبر ۱۹۴۵ء ص ۲۱۹

۹۹۔ گفتار اقبال ص ۱۸۲

۱۰۰۔ ایضاً ص ۱۸۲ - ۱۸۳

۱۰۱۔ یوسف سلیم چشتی شرح جاوید نامہ۔ ۱۔ توہر ۵۶۔ ص ۱۰۳۲-۱۰۳۳

۱۰۲۔ کلیات اقبال فارسی ص ۷۵۰

۱۰۳۔ یوسف سلیم چشتی شرح ارغوان تہاز (حصہ اردو) بار سوم۔ س۔ ن۔ ص ۱۵۱

۱۰۴۔ مولانا قنبر علی خاں، احوال و آثار۔ ص ۱۷۸، بحوالہ زمیندار ۱۷ ستمبر ۱۹۳۱ء

۱۰۵۔ نگارستان ص ۸۳

۱۰۶۔ روزنامہ زمیندار۔ ۱۰ جولائی ۱۹۳۳ء

۱۰۷۔ نگارستان۔ ص ۱۰۵-۱۰۶

۱۰۸۔ چمنستان۔ ص ۱۵۲

۱۰۹۔ سرود رنق۔ بار اول ۱۹۵۹ء۔ ص ۳

۱۱۰۔ Ahsanul Ahsan: The lights and reflections of Iqbal. Page 2۹

۱۱۱۔ ایڈیٹر احمد۔ مظلوم اقبال۔ مطبوعہ شیخ شوکت علی پرنٹرز۔ کراچی ۱۹۸۵ء ص ۲۰۸

۱۱۲۔ حرف اقبال۔ ص ۱۳۲

۱۱۳۔ سرود رنق۔ ص ۳

۱۱۴۔ بشیر احمد ڈار اقبال اور احمدیت۔ ص ۱۰-۱۱

۱۱۵۔ ایضاً ص ۱۷

۱۱۶۔ محمد عبداللہ قریشی روح مکاتیب اقبال۔ ص ۳۴۰

۱۱۷۔ زمیندار۔ ۶۔ جولائی ۱۹۳۲ء

۱۱۸۔ زمیندار۔ ۲۲۔ ستمبر ۱۹۳۲ء

۱۱۹۔ روزنامہ زمیندار۔ ۱۰۔ جولائی ۱۹۳۳ء

۱۲۰۔ حرف اقبال۔ ص ۲۲۳-۲۲۵

۱۲۱۔ محمد حمزہ فاروقی حیات اقبال کے گہنی گوشے۔ رجب ۱۹۸۸ء ص ۲۶۱۔

۱۲۲۔ ایضاً ص ۱۵۹-۱۶۰

۱۲۳۔ جس اردو منتخب کے بارے میں یہ تمام معلومات انجمن کے ایک رہنما مرحوم میں شریعت سے

مسل ہوئیں۔ یہ رہنما اور انجمن کے بارے میں ایچر مطبوعہ اردو میں ص ۱۷۷ طویل تر میں دوائی

صاحب نے کتب خانہ کی ریخت میں۔

۱۲۴۔ روزنامہ انقلاب لاہور بابت ۲۵ نومبر ۱۹۳۶ء

۱۲۵۔ اقبال کے آخری دو سال۔ ایڈیشن ۱۹۷۸ء۔ ص ۳۹۳، ۳۹۶

۱۲۶۔ مولانا قنبر علی خاں۔ احوال و آثار ص ۲۱۸

۱۲۷۔ عبدالسلام خورشید میمنت پاکستان دہندہ میں مجلس ترقی ادب لاہور۔ جون ۱۹۶۳ء ص ۳۵۰-۳۵۱

۱۲۸۔ سرود رنق۔ ص ۹۳

۱۲۹۔ رمیدہ ر۔ ۲۳۔ اپریل ۱۹۳۱ء تا سب کے نخل شبنم کے سبہ دیکھیں ضمیرہ کتاب۔
 ۱۳۰۔ مضمون ماہریت اقبال۔ مرتبہ قاسمی، فضل حق قریشی۔ مضمون، 'قبایات کی مختلف جہتیں'۔ مرتبہ
 یو س جودیہ۔ بزم اقبال۔ لاہور جنوری ۱۹۸۸ء۔ ص ۱۶۰-۱۶۱۔

۱۳۱۔ روایات اقبال ص ۷۸-۷۹

۱۳۲۔ زمیندار ۷۔ جولائی ۱۹۳۲ء

۱۳۳۔ زمیندار ۲۹۔ جون ۱۹۳۲ء

۱۳۴۔ زمیندار ۱۰۔ جولائی ۱۹۳۳ء

۱۳۵۔ س نظم "رخصت اسے بزم جہاں" کے بارے میں جناب علامہ رضا بیدار لکھتے ہیں کہ دکن روم
 سے "مارچ نمبر (۱۹۰۳ء) میں قبل کی ایک نظم پروانہ و شمع' کے عنوان سے شامل ہے۔ یہ اسے اعداد
 مستعمل ہے۔ بالکل اور اس اصلاح سے بعد یہ نظم رخصت اسے بزم جہاں' کے نام سے آئی اور اس
 میں صرف اس شعر رہ گیا کہ (روانہ) ہم اپنی رسالہ اور ہمارے شائع کردہ روم پرز فنی نیت سے
 و مثال غفر۔ ۱۹۱۹ء ص ۱۳۴)۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علامہ کی نظم مذکورہ بالا، شمارہ دکن روم میں
 "رخصت اسے بزم جہاں" ہی کے عنوان سے شائع ہوئی تھی۔ پروانہ و شمع' کے عنوان سے اسی تاریخ
 نمبر میں جناب ماہر کا گورو کی نظم اشاعت پذیر ہوئی تھی

۱۳۶۔ مثال غفر۔ ۱۹۱۹ء ص ۱۳۴۔ حضرت علامہ کی یہ قول اس روم سے کس شمارہ میں شائع ہوئی۔ اس امر
 سے قیمن میں جناب ڈاکٹر صدیق جودیہ سے خیال کی تائید کرتے ہوئے جناب علامہ رضا بیدار سے انہیں
 ایک مکتوب محرمہ ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو لکھا۔

"یہ بات صحیح ہے کہ ستمبر اکتوبر' نومبر' دسمبر ۱۹۰۵ء کا رسالہ مشترک طور سے شائع ہوا۔"

۱۳۷۔ مثال غفر، روایت ۲۔ ۱۹۶۲ء۔ تاہم ستیا پارکی کا مضمون ہماراں "مواہات غفر علی خاں" کا
 ایک اپنی ملاحظہ

۱۳۸۔ روزنامہ زمیندار۔ ۱۱۔ نومبر ۱۹۱۵ء

۱۳۹۔ زندہ رود ص ۱۸۸

۱۴۰۔ سیرت اقبال ص ۱۵۳

۱۴۱۔ اقبال کی صحبت میں۔ ص ۳۰۳، ۳۰۴

۱۴۲۔ مکتوبات اقبال مرتبہ سید خذیر نیازی ص ۳۱۷، ۳۱۸

۱۴۳۔ ایضاً۔ ص ۳۲۰-۳۲۱

۱۴۴۔ اقبال کے ہم نشین۔ ص ۵۱

۱۴۵۔ پستان ص ۱۰

۱۴۶۔ ایضاً ص ۱۶۶

۱۴۷۔ سید مظفر حسین برنی (مرتب) طیات مکتبہ اقبال سندھ لوہ۔ رود غازی دہلی ۱۹۹۲ء ص ۷۰-۷۱۔

- یزاقبں بنام شاد مرتبہ محمد عبداللہ قریشی۔ برص اقبال لاہور۔ ۱۹۸۶ء ص ۲۴۴۔
- ۱۳۸۔ اشرف، عطا۔ مرتبہ۔ مولانا ظفر علی خاں۔ ص ۷
- ۱۳۹۔ ظفر علی خاں ادیب و شاعر ص ۱۵
- ۱۴۰۔ حکیم عبدالکریم شر۔ کاغ بلند تاج کمپنی لینڈ لاہور۔ ۱۹۳۵ء ص ۹۔ ۱۰
- ۱۴۱۔ ہستان۔ نسق کارواں۔ ص ۳۰
- ۱۴۲۔ جسیات ص ۳۵
- ۱۴۳۔ ہستان۔ ص ۲۸
- ۱۴۴۔ ایضا۔ ص ۳۶
- ۱۴۵۔ ایضا ص ۷۵

تحریک آزادی اور اقبال و ظفر (کانگریس سے اتحاد و اختلاف)

اظہار توحید و اسلامیت

حضرت علامہ اقبال اور علامہ ظفر علی خان نے اشتراک فکر و عمل کا سعادت آئیں اظہار
آزادی اور قیام پاکستان کے سلسلے میں بھی ہوا۔ یہ روشن باب اپنی اہمیت اور تفصیل
ظہری کے پیش نظر طبعاً طور پر پیش ہے۔

اسلام پاکستان کی اساس ہے اور اقبال و ظفر دونوں شرعاً اسلام تھے۔ یہ دونوں حضرات
میت مشرب اسلامی و اہل کے بیشتر و پیرا تھے اور دونوں کی تربیت دیندارانہ اور ایمان و
ماحول میں ہوئی تھی اس لیے اسلام کے لیے محبت اور شیفتگی دونوں حضرات کا سرمایہ اختیار تھی۔
ان کے چاروں اور خواہش والی کے تقاضات کے زیر تحریر و تقریر میں ہمیں یہ دونوں حضرات
علامہ اور شہداء اسلام سے اپنی شیفتگی اور جہاں ہنگامی کارآمد اظہار کرتے ہیں۔ دونوں حضرات
سے یہیں صدی بیسوی کے تقاضات سے پتہ لگتا شروع کیا اور ان کا اظہار توحید و اسلامیت کی
دور سے محسوب ہونا چاہیے۔ فروری ۱۸۹۶ء میں انجمن کشمیری مسلمانان لاہور کے اجلاس میں
حضرت علامہ اقبال نے جو قلم انداز قوم کے مطالبات پر بھی ان کے یہ شعر درج ہیں:

خبر شہر سے اب انجمن ملی قلم
نہیں ہے راہ یہ ہے طبع اتریں
ٹہ کا جس مقصد کا ہے ہم
خدا کا شکر ہے جس سے اسے راہ نموں

کچھ ان میں شوق ترقی کا حد سے بڑھ جائے

تماری قوم یہ یا رب وہ پھونک دے افسوں (۱)

مربا ہے کہ اس نظم میں لفظ قوم مجدد معنی میں استعمال ہوا ہے۔ تاہم قومیت کا یہ مجدد تصور بھی آپ مجدد قدامت سے اسلامیت سے وسیع تصور سے وابستہ ضرور نظر آتا ہے۔ خاص سے یہ غم خمینی مسلمانوں کی ایف جمن سے لیے لکھی گئی اور انظم کا دعائیہ اور مناجاتی یہاں تاہم سے روشن اسلامی پس منظر کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔ ورنہ اس سے بعد تو اسلام سے تیسپنی سے شواہد کام اقبال سے مسلسل ملتے ہیں مثلاً ۱۹۰۱ء میں انھوں نے لکھا۔

تو رہی ہر سرچشمہ نظر لاتی ہے

یہ ایام زبشت مجھے شرماتی ہے

تو رہی میثانی یہ ہر دم کا زہد اقبال

ولی بدلت مجھے رہتا ہے تو شرارتی ہے (۲)

۱۹۰۲ء میں فرمایا۔

چاہیے ہر نام میں ہر آئین کی خدمت کا پاس

حضرت مدون شرب کا کی پیغام ہے (۳)

نیز۔

اس کے حرف اعیانہ لوکان بالسن گفتہ ای

گوہر حکمت یہ آثار جان امت مفتہ ای

سے کہ ہر دم روز مشق سہاں رواہ ای

سیر ہر روز قلی و سستہ رواہ ای

اس کے بعد حضور است پیدا ارشان ہے تو

خبر شرب را علی کا رواہ ای

اس سے بعد رتو نبوت شد ہر مضمون شرب

برہ را روشن رتو نور شمع عروں رواہ ای

اس کے ہمام خد باب دیدار ہم تو

اصی ہوائی و حکمت را نمایاں رواہ ای

ہاں ہر کن ہرما اسے مایہ ایمان کا

پر شور از گوہر حکمت سر دامان (۴)

مثالیں کس تک غل کی جائیں۔ غرض یہ کہ حضرت علامہ کا سار کلام ان کے ایمان و
اسلام کا ترجمان ہے۔ اسی طرح مولانا ظفر علی خاں بھی اپنی تحریر و تقریر کے آواز ہی سے اپنے
دوستوں میں حنیف ہونے کا اور اپنے قوی و ملی شعور کا اعلان کر رہے تھے چنانچہ انھوں نے ایک
بار اپنے زمانہ طالب علمی میں علی گڑھ کے اسٹریٹجی ہاں میں سرسید احمد خاں کی مدین میں فارسی
تفسیر لکھتے ہوئے فرمایا۔

ریاض قوم آب از اشک ہائے چشم او گیرد

فلک چشم تو گاہے دیدہ است این باغیانی را (۵)

ی طرح مولانا نے ۱۹۰۳ء میں محمد بن ابوبیشل کانفرنس منعقدہ مدراس کے اجلاس سوم میں نظم
لکھتے ہوئے فرمایا۔

اے خوش بخت کہ مدراس میں اسلام پہ آج

پرچمِ فضل و ہنر مروج جہاں ہے بہ ناز

مغفلہ آج ہے برپا اس اخوت کا یہاں

تھا کبھی جس کے لیے شرعاً تہمت تیار

اے خدائے دو جہاں کاشف اسرار غیوب

جس سے مخفی نہیں انسان کے دل کا کوئی راز

قوتِ علمی کی جگہ رہے تو مسلمانوں کو

اور رہے بار بار اس پہ در سخت بار

علم آئینہ انداز ہو تو مستند ہر قوم

ہوں مسلمان جو محمود تو ہو علم ایزد

(بہارستان عس ۴۳۴)

۱۹۰۳ء میں محمد بن ابوبیشل کانفرنس مدراس میں منعقد ہوا اس موقع پر یہ نظم میں

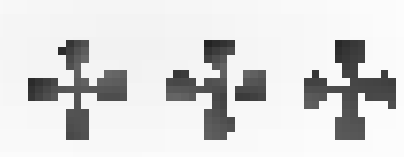
مولانا نے پارسیوں اور برہمنوں سے خود کو متمیز کرتے ہوئے اپنی قومی اندامیت اور تہیت و
رواں رسالتوں کی ہے۔

یاد رہے کہ برہمن کی بھی مہم یہاں

ہم پہ بھی داغ ہے ترسِ فینس کا در بھی

مت محمدی کی آج بھی ہے تہذیب

موجود کئی تہذیب ہے حرام مار ستر مسمی



چاہیے دنیا کے ساتھ قوم کو دین بھی نہ رہے
 خان بے مقف میں رہتے ہیں ای شعور
 علم وہ بے سہ ہے دین سے ہو کر الگ
 مثل وہ بیمار ہے کیا بس میں نور
 باہ ساس سے ہم ہیں مذہبات مٹ
 نہ توحید میں نہ ہو لی قوم پور
 پہ و نہوں کے کر سیکھ سے یہ فائدہ
 مضبوطی راز سے جب رہے ادراک دور
 امت ہم رسل سب میں سرفراز تھی
 دل میں رہا دین کے جوش کا جب تک دنور (۶)

مولانا ظفر علی خاں بھی جین حیات تک اسلامی اور ملی موضوعات کے طور سے سب نظم

فروزاں کرتے رہے۔

نشد حریت

علامہ قباں در مولانا ظفر علی خاں دونوں روت آزادی سے ہزار تھے۔ سب س نصرت
 سے شعور د تلو شمولی ہندوستان برطانوی استعمار کی رنجیروں میں جڑا ہوا تھا۔ سیاست ان
 شاعر، ادیب مدیر سب نظریاتی حکومت کی برکات گننانے میں مصروف تھے۔ ہاں کیس کیس سے
 ولی صدائے حریت بھی سالی رہ جاتی تھی۔ مثاں کے طور پر اکبر الہ آبادی اور شبلی نعمانی کے
 نام سینہ ہاں لکھتے ہیں جنہوں نے اپنی نگارشات میں جہاں تمہاں اپنی حریت دوستی کا اظہار کیا ہے
 اس شدید اور استعمار پر در حالات میں بھی حضرت علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں نے حریت
 آزادی کے ترانے لکھے۔ مثاں علامہ نے اپنی نظم صدائے درو میں باہمی اتفاق و ناچاقی کا رونا
 روایا ہے۔ ظاہر ہے ان کی نظر میں یہی باہمی انفریق آزادی وطن کی راہ میں سب سے بڑی
 رکاوٹ تھا علامہ د یہ نظم ۱۹۰۲ء میں لکھنؤ میں شائع ہوئی تھی۔

سرزمین اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے
 وصل کیا یاں تو اک قرب فراق انگیز ہے

بدلے یک رنگی کے یہ نا آشنائی ہے غضب
ایک ہی خرمین کے دانوں میں جدائی ہے غضب
اور ۱۹۰۳ء میں آپ فرما رہے تھے۔

قوم کو جس سے شفا ہو وہ دوا کون سی ہے
یہ چمن جس سے ہرا ہو وہ صبا کون سی ہے
جس کے ہر قطرہ میں تاثیر ہو یک رنگی کی
ہاں بتا دے وہ کئے ہوشیہ کیا کون سی ہے؟

لہری ۱۹۰۷ء میں ان کی نظم پرندے کی فریاد شائع ہوئی۔ یہ بھی دراصل محکوم و غلام
مردستان کی فریاد کا ایک پیرایہ تھا اور پھر حضرت اقبال ہی نے تو فریاد کیا تھا۔

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی

منا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش و لذت نمود میں ہے

بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں نقطہ مردانہ حر کی آنکھ ہے جینا

آدم از بے بھری بندگی آدم کرد
گوهرے داشت لے نذر قباد و ہم کرد
آدم از خوے غلامی ز مگان خوار ترست
من عیدیم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد

ان طرح مہاراجا ظفر علی خاں بھٹی اپنی قوم کی غلامی اور روتاں و اعطاط پر کڑھ رہے تھے
ان کا یہ سہارا، ان ایک نظم میں وہ قوم کا مقابلہ عرب سے کر کے اپنی قوم کو مائل بہ اصلاح ہونے
کا درس دیتے ہیں۔

اسے فلک قوم حزیں پر سنگ باری کے لیے
 تجھے کو ہر روز اک نیا سنگ فلاخن چاہیے
 چاہیے یورپ کو شور بوق و کوس ہم و فضل
 ہم کو سارنگی کی دواں دواں اور تن تن چاہیے
 چاہیے غیروں کو ہمت اور ہمیں دواں ہمتی
 استقامت ان کو اور ہم کو کمون چاہیے (۷)

۱۹ء میں بلقان اور طرابلس کی جنگوں کے پس منظر میں مولانا ظفر علی خاں نے لکھا
 سیموں اور مسلوں میں یہ جنگ جس وقت سے ٹھنی ہے
 بدن کو دیتی ہے روح دھمکی کہ آگیا وقت جانکشی ہے
 بنا رہی ہے دراز دستی اٹالیہ کی طرابلس پر
 کہ آج کشور کشا دی ہے جسے ذرا مشق رہزنی ہے
 ہوا ہے ایماں جہاں سے رخصت اٹھا ہے انصاف کا جنازہ
 جہاں میں چھا جائے گا اندھیرا یہی جو یورپ کی روشنی ہے
 رہی سہی راسی کا جلوہ ہے ایک انگلینڈ میں نمایاں
 مصیبتوں کے سیاہ بادل سے اک فقط یہ کرن ٹھنی ہے (۸)

آخری شعر سے تاج برطانیہ سے وفاداری کا اشارہ ملتا ہے۔ اراصل اس زمانے میں پیش
 تعمیر یافتہ مسلمانوں کا سیاسی موقف یہ تھا کہ تاج برطانیہ سے وفاداری کا اظہار کرے۔ بدستاب
 میں مسلمانوں کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولتیں اور رعایتیں حاصل کی جائیں۔ چنانچہ ۱۹۲۰ء سے
 پہلے ایک عرصہ تک جناب محبوب علی خاں تصف فرماں روا اس صدر شمارہ کن کا یہ شعر رمبدار
 کا نوشتہ پیشانی بننا رہا۔

تم خیر خواہ دولت برطانیہ رہو

سمجھیں جناب قیصر ہند اپنا جاں نثار (۹)

حضرت علامہ اقبال کی منظومات 'جناب کا جواب' (۱۹۰۸ء) اور قطعہ (۱۹۰۸ء) وغیرہ کو بھی
 اس دور کی اسی اجتماعی حکمت عملی کے سیاق و سباق میں دیکھنا چاہیے۔ جناب کا جواب 'غیر بقول
 مرتبین باقیات اقبال' پہلی جنگ عظیم کے دوران سرمانٹیل اوڈاورز نوردرجناب کی روش پر
 لکھی اور ۱۹۱۸ء کے ایک شاعرہ میں پڑھی گئی جو جنگی تشہدات کے سلسلے میں ہوا تھا (۱۰) اس غم
 کا پسہ بند یہاں درج کیا جاتا ہے

اے تاجدار خطہ جنت نشان ہند
روشن تجلیوں سے تری خاوران ہند
محکم ترے قلم سے نظام جہان ہند
تج بکر شگاف تری پاسبان ہند

ہنگامہ وعا میں مرا سر قبول ہو
اہل وفا کی نذر محقر قبول ہو

تاہم تاج برطانیہ کی وفاداری کا جوا بھی مودانا ظفر علی خاں نے غالباً ۱۹۲۰ء میں اور عدمہ
اقتوں نے ۱۹۱۸ء ہی میں اتار پھینکا تھا۔

بٹک ٹراہس ی کے انوں میں مودانا ظفر علی خاں نے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے
علاقہ سداے احتجاج بھی ہند کی دور استعمار کو توں یورپ اور اس کی تہذیب کو بھی آڑے ہاتھوں
یا۔

آہاں سے ابن مریم آج اتر آئیں اگر
دیکھ کر اخلاق رومہ بے گماں رہ جائیں دھمک
بدعا یہ ہے کہ مٹ جائے مسلمانوں کا نام
واسطے اس کے تراشے جا رہے ہیں عذر لنگ
ماتواں وقف لکھ کوہ توانا ہو گئے
چھوٹی چھوٹی پھیلیوں کو لنگے جاتے ہیں شنگ
کیا اسی شائستگی پر ہے مسیحیت کو ناز
کیا یہی تہذیب ہے سرمایہ ناز فرنگ
آہ اے انصاف ہم ڈھونڈیں کہاں جا کر تجھے
سینٹ پطرس برگ جب مغرب اور لندن ہو چنگ
اب بھی سر ایڈورڈ کاش اپنا طریقہ دیں بدل
ہو کر انگلستان کا ان کو سچھ بھی پاس نام و شنگ (۱۱)

در اسی نظر میں ہندوستان کی صورت حالات کا نقشہ اور ہندو مسلم اتحاد کا عزم یوں ظاہر
کرتے ہیں۔

بوجہی مسلم اور ہندو اس دیس میں مل جائیں گے
مل جائیں پریاک میں جس طرح جہنا اور گنگ

اتحاد اس ملک کا مشکل نہیں ہے جس میں ہو
ایک تہذیب ایک بولی ایک صورت ایک رنگ
ماٹھوں سے گوشت ہو سکا نہیں ہرگز جدا
چھوٹ سکا ہی نہیں ہے چولی اور دامن کا سنگ

حضرت علامہ طور مولانا کے ہندو مسلم اتحاد کے ان عزائم و دواعی کو بھی اعلان آزادی ہی
سمجھا جانا چاہیے۔ اس موقع پر مولانا ظفر علی خاں کے نشید آزادی کی ایک دو تائیں اور بھی
ملاحظہ فرمائیں۔ ۲۳۔ مئی ۱۹۲۰ء کو انہوں نے لکھا۔

یہ مانا ہم کبھی جس بزم کی مسند کی زینت تھے
اب اس پر ڈٹ کے باصد کروفر اغیار بیٹھے ہیں
مگر اسلام ہمارے یہ نہ ممکن تھا نہ ممکن ہے
غلط سمجھا ہے یورپ ہم یہ بازی ہار بیٹھے ہیں (۱۳)

۱۹۲۹ء میں آپ نے یہ اعلان کیا۔

نچائیں گے اسے تلخی کا ہم تاج
کرے گا رقص ہو کر جان مل مست
بل دیں گے مسیت کی بنیاد
اگر اس بات پر جائیں گے تل مست
”الہی خانہ انگریز مگر جا“
نچائیں گے لب دیا یہ نعل مست (۱۴)

اور ۱۹۳۶ء میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

پہلو میں ہو دں دں میں ہو یقیں سر پر ہو کفن کفن میں ہو شاد
جب جمع یہ اجزا ہوتے ہیں بنتا ہے قوام آزادی کا
انگورہ سے لے کر کامل تک مخلوق خدا آزاد ہوئی
دہلی کی خطا کیا ہے کہ یہاں چمکا نہیں جام آزادی کا
تاریخ وطن کی جانب سے پیغام کوئی انگریز کو دے
آتا ہوا تم بھی دیکھو گے سورج لب بام آزادی کا
دنیا میں ٹھکانے دو ہی تو ہیں آزاد منش انسانوں کے
یا تختہ جگہ آزادی کی یا تخت مقام آزادی کا (۱۵)

غرض استعمار نے ۔ ۔ ۔ باب میں حضرت اقبال اور مولانا ظفر علی خاں
 دووں زعمائیت ہم فکر اور ہم نفس رہے اور اس سلسلے میں ان کی ہم آہنگی حسن و خیر کے متعدد
 لہزوں ابواب کی امین ہے۔

انتخابات — مخلوط یا جداگانہ

ترابی ہند اور قیام پاکستان کے سفر میں ایسے بھی مراحل آئے جن میں قائدین امت
 اسلامیہ آپس میں اتحاد و اشتراک کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ دراصل وہ دور ہی ایسا پر آشوب و غبار آلود
 اور آتش ربا تھا کہ اسد م کے بیشتر مہارذوں سے ان کا برف اور جھل ہو گیا تھا اور وہ نادانستہ اپنی
 ہی فواج سے خدایا اور شجاعت دے رہے تھے۔ چنانچہ بعض مواقع پر حضرت علامہ اقبال اور
 مولانا ظفر علی خاں کے طریق فکر و عمل میں بھی اختلافات ظاہر ہوئے۔ مثال کے طور پر طریق
 نیابت، سائنس کمیشن اور سموارپورٹ کے معاملات میں یہ اکابر ہم فکر اور ہم آواز نہ تھے۔ ان
 مباحث و اختلافات کے باب میں بیان کیا جانا چاہیے تھا لیکن موضوع کی مناسبت سے انہیں
 یہیں پیش لیا جا رہا ہے۔

بر عظیم کی تاریخ میں بیسویں صدی کے پہلے چار مشروں میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں یہ
 بحث بہت اہم رہی کہ انتخابات مخلوط ہوں یا جداگانہ۔ اس بحث کے پس منظر پر روشنی ڈالتے
 ہوئے پروفیسر احمد سعید لکھتے ہیں :

”اگرچہ مسلمانوں سے ایک ہزار سال سے زائد اس برصغیر (بر عظیم) پر حکمرانی کی
 بین ختم ہونے کے باوجود انہوں نے اپنی غیر مسلم رعایا کو قیوں اسلام پر مجبور نہ
 کیا اور اس طرح ان کی اقلیت، کثرت میں تبدیل نہ ہو سکی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ
 ترابی کے بعد جب برصغیر میں پارلیمانی اداروں کے قیام کی باتیں سننے میں آئیں تو
 مسلمانوں کو بننے اقلیت میں ہونے کا شدید احساس ہوا۔ اقلیت چونکہ ہمیشہ اپنے
 حقوق کے تحفظ کے بارے میں بہت حساس ہوا کرتی ہے، اس لیے جب جمہوریت اور
 نسوری اداروں کے قیام کے لیے کوششیں تیز تر ہوتی گئیں تو مسلمانوں نے ہم
 اکتوبر ۱۹۰۶ء کو گورنر جنرل، رڈ منٹو (Lord Minto) سے شملہ میں ملاقات کر کے
 مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔ ۱۹۰۹ء کی منٹو مارسلے ملاقات میں
 مسلمانوں کو یہ حق مل گیا۔ ہندوؤں کو مسلمانوں کی یہ ادا ایک سنگت نہ بھائی۔ ان کے
 رزیک جداگانہ انتخاب کا مطالبہ منظور کر کے گویا انگریز حکومت نے تسلیم کر لیا کہ

ہندو اور مسلمان دو مختلف قومیں ہیں۔ ہندوؤں کو یہی حقیقت بہت چھپتی تھی چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے اس حق کے خلاف زبردست مہم چلائی اور جب تک ہندوستانی سیاست میں جداگانہ اور مخلوط انتخاب کو اہمیت حاصل رہی، ہندو اس کی مخالفت کو اپنا دھرم سمجھتے رہے۔ صرف لکھنؤ پکٹ (۱۹۶۶ء) میں انہوں نے غلطی سے مسلمانوں کے اس حق کو تسلیم کیا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جداگانہ انتخاب نے مسلمانوں میں قومی شعور پیدا کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔“ (۱۵)

طریق نیابت کے اس قہیئے میں قائد اعظم کے موقف کی وضاحت بھی پروفیسر احمد سعید نے بہت خوش اسلوبی سے کی ہے۔ فرماتے ہیں:

”قائد اعظم محمد علی جناح اپنی سیاسی زندگی کے آغاز میں ”ہندو مسلم اتحاد“ کے زبردست حامی تھے۔ ۱۹۶۶ء کا لکھنؤ پکٹ بھی آپ ہی کی کوششوں کا ثمرہ تھا۔ جداگانہ انتخاب کے بارے میں قائد اعظم کی رائے تھی کہ یہ فی نفسه کوئی مقصود نہیں بلکہ اپنے مقاصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ اس لیے اگر ہندو مسلمانوں کے دیگر اہم مطالبات — مثلاً سندھ کی بمبئی سے علیحدگی، سرحد اور بلوچستان میں ”یعنی اصلاحات کا اجرا“ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کی ایک تہائی نمائندگی، اور پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کو آبادی کے تناسب سے نمائندگی — تسلیم کر لیں تو مسلمانوں کو ہندو مسلم اتحاد کی خاطر جداگانہ انتخاب کے بجائے مخلوط انتخاب کو قبول کر لینا چاہیے۔

قائد اعظم کی رائے میں جداگانہ یا مخلوط انتخاب کو فرق دار مسئلے کے حل (کی راہ) میں چٹان نہیں بننا چاہیے۔ قائد اعظم کا کہنا تھا کہ چونکہ مسلمان اقلیت میں ہیں اس لیے ان کو بجا طور پر اپنے حقوق کے تحفظ کے متعلق خوف، حق ہے لیکن اگر ایک مرتبہ دستور اساسی نافذ ہو جائے اور مسلمانوں کا عدم اعتماد اور خوف دور کر دیا جائے تو مسلمان خود بخود جداگانہ انتخاب کو ترک کر دیں گے۔ اسی امر کو مد نظر رکھتے ہوئے قائد اعظم نے ۲۰ مارچ ۱۹۴۷ء کو ہندو مسلمان اتحاد کی خاطر دہلی مسلم تجاویز پیش کیں جن کے تحت مسلمان جداگانہ انتخاب اس صورت میں چھوڑے پر آمادہ تھے اگر اس کے باقی مطالبات تسلیم کر لیے جائیں۔“ (۱۶)

علامہ اقبال ہمیشہ جداگانہ انتخاب کے حق میں رہے۔ یکم مئی ۱۹۴۷ء کو برکت علی اسلامیہ ہاں میں پنجاب پراونشل مسلم لیگ کے اجلاس میں علامہ اقبال نے جو قرار داد پیش کی، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"حلقہ ہائے انتخاب کی بلجھکی ہی سے باشندوں کے حار حقوق و فوائد محفوظ رہتے ہیں اور اسی صورت میں وہ فرقہ وارانہ کشمکش دور ہو سکتی ہے جو وقتاً فوقتاً پیش آتی رہتی ہے اور جو ٹکڑا، مشترک حلقہ ہائے انتخاب سے پیدا ہوگی۔ اس لیے ایک قطعاً رائے ہے کہ جب تک، قیمتوں کے حقوق کی موثر حفاظت کا اہتمام نہ ہو اس وقت تک مسلمان فرقہ وارانہ حلقہ ہائے انتخاب کو، مسترد بند کے ایک اسی قدر کی حیثیت سے قائم رکھنے پر لانا ضروری ہے۔" (۱۷)

یہی اس قرار داد کی توجیح کرتے ہوئے حضرت علامہ نے اپنی تقریر میں فرمایا۔
 سمجھئے یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ میں سب سے پسندیدہ دوستالیوں میں سے اتحاد مسلمانوں کی اہمیت و ضرورت کا احساس کیا اور میری ہمیشہ سے آرزو ہے کہ اتحاد مستقل حیثیت اختیار کر لے لیکن حالات حلقہ ہائے انتخاب کے اشتراک کے لیے کام کر رہے ہیں اور ہر صدر (محمد شفیع) نے مسلمان رہنماؤں کی تقریروں کے جو تقاضات پہ خطبہ صدارت میں دیے ہیں ان سے مسلمانوں کی فسونات ذہنیت کا راز ہوتی ہے۔ اس ذہنیت کو ٹھوکر دیتے ہوئے تو حلقہ ہائے انتخاب کا اشتراک کسی حالت میں بھی گوارا نہیں کیا جاسکتا۔ میں حیراں ہوں کہ مسلمانوں کے خلاف اس قسم کی ذہنیت اختیار کرنے کی ہندوؤں کو کیوں ضرورت پڑی۔ مسلمان تعداد میں کم ہیں، اقتصادی حیثیت سے پیچھے ہیں، تعلیم میں پسماندہ ہیں، دیکھو بھوکے بھانے ہیں، خدمت اسمیں آسانی سے پھٹی چھڑی باتیں کر کے چسپاں جاتی ہے، ہندو انہیں چھٹا دیتے ہیں۔ میں حیراں ہوں کہ ہندوؤں سے یہ ذہنیت کیوں اختیار کی اور یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندوؤں کی ذہنیت ہے۔ اور نہ کوئی وجہ۔ ہوتی تو میں کہتا کہ تو اسی وجہ سے حلقہ ہائے انتخاب الگ رکھے جائیں۔" (۱۸)

۳۱ نومبر ۱۹۳۸ء کو حضرت علامہ نے اس پارٹی کانفرنس مکسکو کے بیسوں کے متعلق مری پریش کے نمائندے سے ملاقات کے دوران ہی فرمایا:

"ذاتی طور پر میں جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کا حامی ہوں۔" (۱۹)

حضرت علامہ نے صدر اس انڈیا مسلم کانفرنس کی حیثیت سے ۶ نومبر ۱۹۳۲ء کو اخبارات میں شاعت کے ساتھ جو بیان اپنے رفقاء کے اور اپنے دستخطوں کے ساتھ بھیجا، اس میں بھی لکھا گیا تھا۔

"اندر میں جس مسلمانوں نے فرقہ وارانہ تصفیہ میں ترمیم کرنے کے لیے گفت و

شنید جاری کر رکھی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ ساری بحث طریقہ انتخاب سے وابستہ کر
 دی گئی ہے اور کوئی شخص ان اہم مطالبات کی طرف متوجہ نظر نہیں آتا جو ہندوستان
 کے مسلمانوں کے لیے زبردست اہمیت رکھتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص نے اب تک بنگال
 و پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت، سندھ کی میچوٹی، مرکزی یونیورسٹی میں مسلمانوں کی
 تہائی نیابت، اور ٹائین و مدرمت میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کا سوال نہیں
 اٹھایا۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے اکثریت رکھنے والے فرقہ کے ساتھ رہنے سے
 ہمیشہ بیزاری ظاہر کی ہے اور گزشتہ دس سال کے اندر اس کے لیے خوب سہ
 و شش کی کئی وہ الخیر من الشمس ہے۔ ہمارے نزدیک اس وقت مخلوط و جداگانہ
 انتخاب کا سوال اٹھانا بالکل بے موقع اور فحش ہے کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے
 قوم میں تحفظ (جداگانہ انتخاب) کو ایسے نازک زمانہ میں ہاتھ سے کھو دینے کے لیے
 تیار نہیں ہے۔ لہذا ہم ایسی بحث جو طریق انتخاب سے وابستہ ہو کی بے نتیجہ ثابت ہو
 گی۔“ (۲۰)

۱۹ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو حضرت علامہ نے زیر بحث مسئلے پر نمونہ ایسوسی ایشن پریس کو ایک درود
 دار بیان بھیجا:

”حالات حاضرہ کے ماتحت ہندوستان کے مسلمان انتخابات جداگانہ کے مطالبہ سے
 رنجش نہیں ہو سکتے۔ ذاتی طور پر مجھے یقین نہیں تھا کہ لکھنؤ کی گفت و شنید کسی
 صورت سے بار آور ثابت ہو سکتی ہے اور مجھے یقین کامل ہے کہ ہندوستان کے
 مسلمان اس انداز مسلم کانفرنس اور اس انداز مسلم لیگ کی قرار دادوں کو ہمیشہ
 رہنما تصور کرتے رہیں گے۔ جداگانہ انتخاب پر جو نکتہ چینیاں ہو رہی ہیں اور اسے
 قومیت کے خراب بنایا جا رہا ہے، وہ میرے نزدیک قابل وثوق نہیں ہو سکتیں۔ میں
 مساتاتی سے اس پر اتفاق کرتا ہوں کہ ہندوستان کی حالت غیر ممالک سے بالکل
 مختلف ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہاں مغربی طریقہ ضرورت کامیاب نہیں ہو سکتا۔ میر
 حیاں ہے کہ جذبہ قومیت باہمی رواداری سے پیدا ہو سکتا ہے۔ اور ابھی ہندوستان
 کے مسلمانوں کے اکثریت والی قوم سے ملنے کا زمانہ نہیں آیا لیکن جہاں تک
 مسلمانوں کا تعلق ہے وہ ایسے تصفیہ کے لیے ہمیشہ سے تیار ہیں اور اگر یہ موقع آیا
 تو مجھ سے زیادہ خوشی کسی کو حاصل نہ ہو گی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ لکھنؤ کانفرنس کے
 بعد ہمارے ہندو لیڈروں کا رویہ کیسا رہتا ہے؟“ (۲۱)

مخلوط انتخاب کے خلاف حضرت علامہ نے ایک دلچسپ قطعہ بھی تحریر فرمایا تھا۔

مکن نہیں کہ ایک ہی بازار میں چلیں

ہم سکے اور دھات کے وہ اور دھات کے

مخلوط انتخاب سے ہے نا امید ہند

پابند یاں کے دوث بھی ہیں چھوت چھات کے (۱۲)

مولانا ظفر علی خاں مخلوط انتخابات کے حامی تھے عمرو وہ چاہتے تھے کہ جداگانہ انتخابات ہو

وہی نظام حکومت کے قیام کے دس سال بعد تک بھلاں رکھا جائے اور اس کے بعد مخلوط انتخابات

موسمیں۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ کے اجلاس کلکتہ کی دوسری نشست میں مولانا ظفر علی

اں نے طریق انتخاب کے سلسلے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

”ہندوستان کے لاکھوں مسلمان اس تجویز کے خلاف چہ رہے ہیں کہ جداگانہ

طریق انتخاب کو منسوخ کر دیا جائے۔ ایسا وقت آنے کو ہے جب ایسے طریق انتخاب

نہیں رہتے جتنی نہیں رہے گی لیکن اس موقع کا انتظار کرنا چاہیے“ مولانا نے زور

دیا کہ جداگانہ طریق انتخاب کی تفسیح کے لیے بالغ رہے اس کے اسوں کی شرط بھی

لگائی جانی چاہیے۔ مسلمان معاشی طور پر (ہندوؤں سے) کمزور ہیں بالغ رائے اسی

اس کا واحد علاج ثابت ہو گا۔“ تاہم اس موقع پر جناب اہرم خاں نے بالغ رائے

دینی و تجویز کی مخالفت کی۔ انہوں نے کہا کہ مرام شہری نے مطابق یہ تجویز بنگال

میں مسلم اکثریت کو گھٹا دے گی“ (۱۳)

مخلوط انتخابات کے حامی ہونے کے ساتھ ساتھ مولانا ظفر علی خاں اتحاد بین المسلمین کے

قائم کنندہ و بھی چھوڑنے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہ تھے اور ملت اسلامیہ کی فوری و فلاح اس کا

مطلوبہ تھا۔ مسلم نیشنلسٹ کانفرنس کے صدر سر علی امام نے نام ایک پیغام میں یہ اتحاد اسلامی

زور دیتے ہوئے مسئلہ طریق نیابت کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

”وہ مسئلہ جس کی وجہ سے مسلمان اور مخالف جماعتوں اور وہ متحد فریقوں میں منقسم

ہو رہے ہیں طریق نمایندگی و انتخاب کا مسئلہ ہے۔ ان مسلمانوں کے احساسات و

جذبات سے بے اعتنائی روا رکھنا جو غلطی ہے جداگانہ انتخاب کو مسلمانوں کے عمل

سیاسی محاکمے مقابلہ میں حفاظت کا واحد دروید حیاں رہتے ہیں بدترین سیاسی غلطی ہو

گی ذاتی طور پر میں انتخاب کے مخلوط طریق کا حامی ہوں لیکن اس وقت اس مسئلہ پر

جو شدید اختلاف رونما ہو رہا ہے اسے دور کرنا از بس ضروری ہے۔ لہذا میں تجویز

کرتا، وہ کہ وفاقی نظام حکومت کے نفاذ و اجرا کے دس سال بعد تک جداگانہ انتخابات کا طریقہ ہی حالہ قائم و برقرار رہے اور اس کے بعد خود بخود مخلوط انتخاب اس سرزمین کا قانون منظور ہونے لگے۔ میرا خیال ہے کہ میری یہ تجویز ساری قوم میں پسندیدگی کی نفاذ سے دیکھی جائے گی اور اگر اسے قبول کر لیا گیا تو اس کے نتائج اتحاد اور یک جہتی کی صورت میں ظاہر ہوں گے اور موجودہ اختلاف اور خفت رانی الفور دور ہو جائے گا۔" (۲۳)

رہنمایان نظام کے نام اپنے ایک مکتوب میں جو ۲۳- اپریل ۱۹۳۱ء کو شائع ہوا، مولانا نے پھر اس تشییش کا اظہار کیا کہ جداگانہ طریقہ انتخاب جداگانہ اور حامیان انتخاب مخلوط کی باہم آویزی مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کر رہی ہے۔

مولانا ظفر علی خاں جداگانہ طریقہ انتخاب کی مشروط حمایت کرتے تھے۔ مولانا کی اس پالیسی پر حضرت علامہ اقبال نے ۲- مئی ۱۹۳۱ء کو باغ بیرون موچی دروازہ کے ایک جلسہ میں مدد رتی تقریر کرتے ہوئے یوں تبصرہ کیا:

"وہ (نیشنلسٹ مسلمان) مخلوط انتخاب کو باغوں کے حق رائے دی سے مشروط کہتے ہیں۔ مولانا ظفر علی خاں دس سال کے لیے جداگانہ انتخاب کے حامی ہیں اور اس کے بعد بھی باغوں سے حق رائے دی کی شرط نکالتے ہیں اور 'زمیندار' کی اشاعت دروازہ میں لکھتے ہیں کہ باغوں کا حق رائے دی ابھی ممکن ہی نہیں۔ جداگانہ انتخاب سے پہلے مخلوط انتخاب کا کافی تجربہ ہو چکا ہے۔ سر علی امام جو کنصوٹ کانفرنس کے صدر تھے، اس تجربے کی بنا پر اس وفد میں لارڈ مینٹ کے پاس گئے تھے جس نے مسلمانوں کی حالت زار کا حوالہ دے کر جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا تھا۔ چنانچہ لارڈ مینٹ ان کے دلائل سے متاثر ہو کر جداگانہ انتخاب نافذ کرنے پر تیار ہو گئے۔" (۲۵)

بہارستان میں مخلوط انتخاب کے حق میں مولانا کی ایک نظم بھی موجود ہے جو ان کے غیر معمولی جوش و جذبہ کی ترجمان ہے۔

مذہب کی شرط کیا ہے سلطان کے لیے
جس کے نہ ماننے سے وہ ہے مورد عذاب
ایمان غیب پر ہو مگر پختگی کے ساتھ
تھا اس سوال کا یہی قرآن میں جواب

اعلان کر رہے ہیں مگر مستیان ہند
 اس باب میں ہے تھنہ خود اللہ کی کتاب
 ان عمران سر ازل کے خیال میں
 اسلام کی ہے شرط جداگانہ انتخاب
 یہ شرط مٹ گئی تو بس اسلام مٹ گیا
 ہندوستان میں خانہ ملت ہوا خراب
 ہندو سے لے لیا اگر اسلامیوں نے دوتہ
 تھامے ہوئے چلیں گے وہ اتحاد کی رکاب
 کافر ہی کافر آئیں گے اس ملک میں نظر
 وہ ہوں گے اور ان کے ستم ہائے بے حساب
 فطرت میں جو ہیں شیر وہ بن جائیں یوں شفاں
 اے رب کعبہ کیا ہے نرا یہ انقلاب
 کیوں ڈرنے لگ گئے ہیں بتوں سے خدا پرست
 مضمر سے روتے لگا کس لیے عقاب
 باطل کی یہ بھی کہ رک حق کو دے دے
 باقی ہے رات جی کسی در سحر کی تاب
 محمدؐ انتخاب ہو منظور تو رہا
 موت ہی راء اس سے سب لٹ جائیں گے جاب
 تم جنوں سے رہو سے ہو تیج و تاب میں
 اور سامنے ہے حق کا درخشندہ آفتاب (۲۶)

بہرہ دیکھتے ہیں کہ طریق زیارت کے اس تقارن میں اکت سے بڑا رخصت علامہ قیاس سے
 حق میں فیصلہ دیا اور انہی کا نقطہ نظر معتبر ٹھہرا۔

سائنس کیشن

سائنس کیشن (۱۹۶۲ء) بھی وہ ناخبر علی حال و حال علامہ قیاس سے درمیان شہید استقامت
 کا باعث بنا۔ اس کیشن کے بارے میں ڈاکٹر عبدالسلام خورشید لکھتے ہیں

”اس زمانے میں (۱۹۶۲ء) حکومت برطانیہ نے سر جان سائنس کی سمجھوتہ میں یہ

کمیشن مقرر کیا تاکہ وہ برعظیم کے مختلف سیاسی عنصروں سے تبادلہ خیالات کر کے اور
حکومت کا جائزہ لے کر یہ بتائے کہ آیا آئینی اصلاحات کے لیے جواز موجود ہے یا
نہیں اور اگر موجود ہے تو ان اصلاحات کا نقشہ کیا ہو؟ محمد علی جناح اور ان کے
ساتھی اس کمیشن کا مقاطعہ کرنے کے حامی تھے کیونکہ اس میں ہندوستانیوں کا کوئی
نمائندہ شامل نہیں تھا، دوسری طرف سر محمد شفیع اور علامہ اقبال کا نقطہ نگاہ یہ تھا
اگر کمیشن کو مسلمانوں کے موقف سے نگاہ نہ کیا گیا تو مسلمان گھاسنے میں رہیں
گئے۔" (۲۷)

ظہر ہے اس موقع پر جناح یگ ٹانگرس کی ہمنوائ کر رہی تھی اور مولانا ظفر علی جالوی
ٹانگرس نقطہ نظر کی حمایت میں سرگرم فکر و عمل تھے۔ سائنس کمیشن کے بارے میں حضرت علامہ
اقبال ڈا نقطہ نظر ان کے متصدیانات سے ظہر ہوتا ہے۔ مثلاً ۱۳ نومبر ۱۹۴۷ء کو پراونشل مسٹر
یگ ڈا ایل اے اس سر محمد شفیع سے مکان پر ہوا اس اہ اس کے بعد حضرت علامہ نے اخبارات
کو جو بیان دیا اس میں فرمایا۔

"مختار علی مسعود نے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر کامل غور و خوض کے بعد ایک قرار داد منظور کی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ کمیشن کا ماموریت ملکی زاویہ نگاہ سے اعلیٰ العموم اور اسلامی نقطۂ نگاہ سے ملکی الخصوص نقصان رسا ہو گا۔۔۔ سرجنرل صاحب صدر کمیشن نے نہایت صحیح کماکہ کمیشن کا فرض محض یہ ہو گا کہ ہندوستان کی طرف سے جو مختلف تجویز پیش ہوں، اس کی روئیداد پیش کرے اور ان پر غور و خوض کرے۔ اس ملک کی قلیل التعداد جماعتوں کو رائل کمیشن کی آمد سے بڑھ کر اپنی اندیشہ اپنی امیدیں اور اپنے مقاصد ظاہر کرنے کا اور کوئی موقع نہیں مل سکتا" (۲۸)۔

اپنے ۱۹- دسمبر ۲۷ء کے بیان میں آپ نے مزید فرمایا :

”رائٹ آرہل سید امیر علی نے حلی میں جو پیغام بھجوایا ہے، ہمارے لیے قیمتی غور پر دلیل راہ ہے۔ آپ کا وہ مشورہ جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے، یہی ہے کہ ہمیں کیش کا معاہدہ ہرگز نہیں کرنا چاہیے لیکن مسٹر جٹان اور اس کے مسلمان دوست جان بوجھ کر اصرار کرتے ہیں کہ کمیشن کے مسترد کرنے میں ہمیں ہمدردوں کی حمایت کرنی چاہیے۔ مسٹر جٹان ہماری آنکھوں میں خاک نہ نہٹکا چاہتے ہیں۔۔۔ مسٹر جٹان نے عجیب وقت سے اپنے تئیں ال پسند امور پر زور دیا ہے جن کو دار الحکومت کے اندر سے دھارائی اور مقاطعہ کے لوگوں نے اس سے ہم کو روکنا شروع کیا ہے۔“

کی ایک سادہ کہانی یاد آگئی ہے کسی پر تکلف دعوت میں گونا گوں گوشت اور شکار کی نمائش کی گئی تھی۔ لیکن آخر کار معلوم ہوا کہ یہ سب معمولی خنزیر کا گوشت تھا جس کو بادرجی کی کارگیری نے مختلف صورتوں میں پیش کیا تھا۔ موجودہ صورت میں بھی مسٹر جناح ہندوستانی قومیت کو مختلف فریب آمیز شکلوں میں مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ (۲۹)

سائنس کیمیشن کی تشکیل اور اس کے دوروں کے خلاف مولانا نے کئی نظموں میں اظہار کیا ہے۔ مثلاً مسلم لیگ (سر شفیق کریم) کا ایک اجلاس ۳ نومبر ۱۹۴۷ء کو سر شفیق کے گھر میں منعقد ہوا جس میں یہ ریزولوشن منظور ہوا کہ سائنس کیمیشن سے تعاون کیا جائے اس پر مولانا ظفر علی خاں نے لکھا۔

اپنی آبرو کھوئی ہم نے اپنی باتوں سے
جب لڑے ہم آپس میں تیسرے کی بن گئی
آج مارڈ برکن بیڈ ناچیں ناچ گئی کا
ہم کو بھائی پرمانند جان لیں اگر بھائی
مانتا ہی پڑتا ہے لیگ کا رزولوشن
گھر سے چل کے آیا ہے جب یہ معتبر ٹائی (۳۰)

۱۸۔ دسمبر ۱۹۴۷ء کے رمیدار میں مولانا ظفر علی خاں کی کلم بعنوان "اسلام کا پیغام" شائع

ہولی جس میں آپ نے سائنس کیمیشن کی موہم نوازشات کا تجزیہ اس طرح پیش کیا۔

کیمیشن سے تعاون کرنے والے یہ تو فرمائیں
کہ آخر اس خوشامد کا صلہ ان کو وہ کیا دے گا
نئی عزت ملے گی کون سی ان کا۔ لیسوں کو
وہ کس سرخاب کے ہے ان کی ٹوپی میں لگا دے گا
دفا کی ٹاک رکڑیں گے اگر یہ اس کی چوکھٹ پر
تو کیا وہ بیڑیوں ان کی غلامی کی بڑھا دے گا
یہ سچ ہے لے مرے گے کچھ نہ کچھ اس سے موافقتی
کسی کو مر کر دے گا کسی کو جیج بنا دے گا
مگر یہ وہ پتھوڑی ہڈیاں ہیں خوان مغرب کی
جنھیں وہ پھینک کر مشرق کے کتوں کو بڑا دے گا

مسلمانوں ہے تاہم اس وطن اس وقت خطرہ میں
 بچاؤ گئے جو تم اس کو خدا تم کو جزا دے گا
 اگر ٹھکرا دیا تم نے کمیشن کو تو سن لیتا
 تمہارے نام کا ہندوستان ڈانکا بجا دے گا
 تعاون کر کے انگریزوں سے اب تک کیا یا تم نے
 نہ سمجھے ہو تو سمجھو تم کو جو دے گا خدا دے گا (۳۱)

سن انڈیا مسلم لیگ نا اہلان کلکتہ ۳۰۔ دسمبر ۱۹۴۷ء کی شام کو ٹاؤن ہاں کلکتہ میں مولانا
 محمد یونس کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس کی دوسری نشست ۳۱۔ دسمبر کی صبح
 ہوئی۔ اس نشست کی سب سے بڑی قرار داد سائنسیشن کے مقاصد سے متعلق تھی۔ ریٹس
 کمیٹی کی طرف سے سر علی امام نے یہ قرار داد پیش کی:

”سن انڈیا مسلم لیگ پر پیش احاطات کرتی ہے کہ کچھ پتلی نیشن اور وہ طریق دار
 اس نا احاطات یا کیا ہے ہندوستان کے عوام کے لیے قابل قبول نہیں ہیں۔ چنانچہ یہ
 قرار دیا ہے کہ ملک کے مسلمانوں کو کسی سطح پر اور کسی شکل میں نیشن سے ہر
 سروکار نہ ہونا چاہیے۔“

اس قرار داد کے حق میں سر علی امام، قائد اعظم اور مولانا ظفر علی خان سمیت
 متعدد نامور شخصیات نے قرارداد کو منظور کیا۔ مولانا ظفر علی خان نے فرمایا کہ ہمارے سرکار
 پھوڑ کر تمام پنجاب ہمارے ساتھ ہے۔ جب رجسٹریشن پینڈہ مہاجراتی عنصر نے بھی
 غلطیوں کی بات مان لی ہے تو یہ مسلمان اچکچاہیں گے“ (۳۲)

سن انڈیا مسلم لیگ نے اسی اجلاس کلکتہ میں تیسری نشست ۱۹۴۸ء کی صبح
 ہونے میں اس میں ایک قرارداد (نمبر ۱) کے ذریعے سر محمد شفیع اور ان کے ساتھیوں کی اس سب سے
 بدست کی تھی کہ انہوں نے سن انڈیا مسلم لیگ کو نیشنل کے اختیارات اور فیصلے سے بدست
 ہے۔ ہر کلکتہ کے اجلاس میں شریک ہونے کے بجائے ہرور میں لیگ نا اہلان کیا ہے۔ قرار
 میں کہا گیا کہ اس مازب وقت میں مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کی تمام تر آمد داری سر محمد شفیع
 اور ان کے احباب پر عائد ہوتی ہے۔ (۳۳)

اس سلسلے کی ایک اور قرار داد خود مولانا ظفر علی خان نے پیش کی جس میں مذکور
 ہے کہ راجنشل مسلم لیگ نے مسلم لیگ کی موجودہ باہمی کے اختیارات کی سنگین خلاف ورزی
 ہے چنانچہ غم و ضبط کے اصولوں کے مطابق پنجاب پر راجنشل مسلم لیگ کو سن انڈیا مسلم لیگ

ہند کے ناموس کی تذلیل سے لاہور میں

بھر دی انگلستان کی گودی کس نے سر اقبال نے

کہ رہے تھے ڈاکٹر عالم یہ افضل حق سے آج

قوم کی لٹیا ڈبو دی کس نے سر اقبال نے

بہارستان کی ترتیب کے وقت اس نظم کی ردیف ہوں کر "لیڈران قوم" کر دی گئی۔ (۳۶)

سائنس کمیشن کے خلاف ہونے والے مظاہروں کو ہوا دینے میں زمیندار، پیش پیش تھا ۴۔

مارچ ۱۹۴۸ء کو زمیندار کے اقتضایہ میں لکھا گیا:

"کمیشن کے ساحل ہند پر قدم رکھتے ہی اہل بھی نے دفتری حکومت اور اس نے

حاشیہ برادران کے زبردست پروپیگنڈے کے باوجود جو غیور فرزند اہل ہند کے جذبات

آزادی کو دبانے اور کمیشن کی مقبوضت کا ڈھنڈورا چار دائب عالم میں پٹنے کے سے یا

جا رہا تھا اس کا استقبال ہڑتال سے کیا اور اپنے احتجاج تیز رویہ سے حکومت و

تھیں دلا دیا کہ اگر کمیشن نے بھی میں قیام کیا تو اسے معصوم ہو جائے گا کہ اہل ہند

ان مقاصد و اہم سے ناراض نہیں جو کمیشن کے تقرر سے استبداد پرستان انگلستان

سے پیش نظر ہیں اور یہ کام اہل ہند کے احتجاج پر نیچے نہ لیجے مگر انصاف

پسہ دنیا دیکھ لے گی کہ فرزند اہل ہند اور وطن کے ناموس پر عزیز سے عزیز چیز قربان

کرتے کے لیے تیار ہیں اور سناٹیں بند کر کے اپنی خدائی کے فتوے پر مہ توہین ثابت

رنا انہیں منظور نہیں اس صورت حالات کا یہ نتیجہ ہوا کہ کمیشن کے رہاں و

جہاز سے اترتے ہی دہلی کی گاڑی میں سوار کرا دیا گیا۔ کمیشن کے درود ہند پر

صرف بھی میں بڑتال ہوئی بلکہ ملک کے ہر حصے اور ہر گوشے میں جہاں جہاں کانگرس

کی آواز پہنچ سکی 'دکانوں میں تالے پڑ گئے اور کاروبار بند ہو گیا۔ حتیٰ کہ انٹر سٹوڈنٹ

اور کالجوں کے طلبہ نے غیرت و حمیت کے اس مظاہرہ میں حصہ لیا اور ان دھمکیوں

کی مطلق پروا نہ کی جو ان کے استاد کی طرف سے انہیں دی گئیں 'بھی 'پروا

احمد آباد 'مدراں 'دہلی 'کلکتہ 'لکھنؤ 'بنارس 'اٹھ آباد 'امرتسر 'جالندھر 'مدھیانہ 'شاہ

اور ان کے علاوہ تمام چھوٹے اور بڑے شہروں میں کامل و مکمل ہڑتال ہوئی۔

میں ہڑتال کو روکنے کے لیے حکومت اور اس کے پٹھوں نے اپنی تمام طاقتیں جمع

کر دیں۔ تحریص و ترغیب اور تنویف و ترہیب کے علاوہ ہر قسم کی ریشہ دوانیوں سے

نام نہاد غیبت... ان اسباب کے ماتحت ہور میں ہڑتال باخبر رہی... سائنس کمیشن

مارچ کو یہاں (لاہور میں) آنے والا ہے۔ ہم اہل لاہور سے عموماً اور مسلمانان لاہور سے خصوصاً عرض کریں گے کہ وہ اس موقع پر احرار ملک کا ساتھ دے کر اس داغِ ندامت کو دور کرنے کی کوشش کریں جو انہوں نے ۳- فروری کو پنجاب کے نام نیک پر لگا دیا ہے۔“ (۳۷)

سرجان ظفر علی خاں اور کانگریس وغیرہ کی یہ اپیلیں رنگ لائیں اور جب سائنس کیشن لاہور پہنچی تو اس کا استقبال زبردست احتجاجی جلوس نکال کر کیا گیا۔ جناب اشرف عطا نے سائنس کیشن کے دورہ لاہور کی مفصل اور دلچسپ روداد قلم بند کی ہے جس سے مجاہدین آزادی کی قربانیوں اور سرفروشیوں کی ایک روشن جھلک ہمارے سامنے آتی ہے۔ افسوس ہے یہاں وہ پوری روداد نقل نہیں کی جا سکتی۔ مختصر یہ کہ ”جلوس میں ایک ہاتھ سے زائد انسان شامل تھے اور جلوس میں ”سائنس کو بیک“ اور ”ڈاؤن ڈاؤن وو یونین جیک“ ”ڈاؤن ڈاؤن وو برٹش امپیریلزم“ ”اپ اپ وو نیشنل فلیگ“ کے نعرے لگتے رہے۔ پولیس نے لالچیاں برساتیں۔ مولانا ظفر علی خاں اور لالہ بہت رائے خصوصاً ان لالچیوں کا نشانہ بنے۔ لالہ لاہوت رائے تو انہی شدید ضربوں کی وجہ سے چند روز بعد چل بسے۔ اس تاریخی جلوس کی قیادت کرنے والوں میں مولانا ظفر علی خاں، ڈاکٹر سیہ پاں، امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری، ڈاکٹر گوپی چند بھدرگو، میاں سراج الدین پراچہ، مولانا حبیب الرحمن بدھیا نئی، سردار سرمد دل سنگھ کویشر پندہ، سنت رام اور لالہ بہت رائے کے نام خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ (۳۸)

مولانا ظفر علی خاں کی نظم بھنوان ”لاہور میں سرجان سائنس کا استقبال“ اسی قومی معرکہ کی یادگار ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

سوانحیت ہے نرا سائنس کا
پہنا آتے ہی گولا ڈھائی من کا
یہ گولا ماسکو کا ہم نہیں ہے
مگر اس ہم سے کچھ بھی کم نہیں ہے
ڈر انگریزوں کا ہے جن کے دنوں میں
وہ نوڈی تحس گئے اپنے ہوں میں
ہوئیں کیا پہتیاں آج استلابی
نہاں ہے آج مذہب یہ رکابی

کدھر ہیں اب یہ بد خواہنا ملت
 بڑی کیا اس سے ہو گی ان کی ذلت
 کہ پہرے میں پولس کے سائٹن ہے
 اور اس پر شہر سارا خندہ زن ہے (۳۹)

مولانا ظفر علی خاں کی نظم "لاہور مسلم لیگ" بھی اسی پر آشوب دور میں کہی گئی تھی اور
 ۱۱۔ نومبر ۱۹۴۸ء کے زمیندار میں شائع ہوئی تھی۔
 اس نظم کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

کون کتا ہے کہ بیکار ہے لاہور کی لیگ
 ملک سے برسر پیکار ہے لاہور کی لیگ
 جس نے علامہ اقبال کو بدست کیا
 آج اسی نشہ میں سرشار ہے لاہور کی لیگ
 سائٹن اس کا خداوند یہ اس کی لونڈی
 غارت خانہ عارض سرکار ہے لاہور کی لیگ
 جنس دشنام ہے بازار ادب میں ارزاں
 سر و سامن کی خریدار ہے لاہور کی لیگ
 اگر احرار میں شامل ہیں سر آغا خاں بھی
 تو نمایندہ احرار ہے لاہور کی لیگ (۴۰)

سائٹن کمیشن کے مسئلہ پر مولانا ظفر علی خاں خامسے روئے رہے۔ لیکن اس سلسلے کی تمام
 نظموں کو یہاں پیش کرنے کی گنجائش نہیں پھر سوائے یہ بھی ہے کہ سائٹن کے بارے میں سن
 حضرات کا نقطہ نظر زیادہ قابل ترجیح تھا۔ اس سوال کا جواب دیتے وقت ہمیں تمام اکابر نے اس
 نیت کو ملحوظ خاطر رکھنا ہو گا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہو گا کہ سائٹن
 کمیشن سے تعاون اور کانگریس سے اختلاف کرنے والوں کا نقطہ نظر دراصل دو قوی نظریے ہیں ،
 غیر مبہم پیش آہنگ تھا۔

شہر رپورٹ

وزیر ہند لارڈ برکن ہیڈ (Lord Birkenhead) نے طنزاً کہا تھا کہ ہندوستانی مدبرین ہے
 لیے خود کوں متفق علیہ دستور کیوں نہیں مرت کر لیتے اس کے جواب میں مئی ۱۹۴۸ء میں نل

جماعتی کانفرنس نے متعدد اجلاس منعقد کر کے ایک کمیٹی مقرر کی اور اسے دستور کے سلسلے میں تفصیلات طے کرنے کے لیے کہا۔ پنڈت موتی لال نہرو اس کمیٹی کے صدر تھے۔ اس رپورٹ کو جو اس کمیٹی نے پیش کی 'نہرو رپورٹ' کہا جاتا ہے۔ نہرو رپورٹ میں قلمرو کی طرز حکومت (Dominion status) کی سفارش کی گئی تھی۔ صوبوں کی بہ نسبت مرکز کو بہت زیادہ اختیارات دیے گئے تھے اور جداگانہ انتخاب کو ختم کرنے کی سفارش کی گئی تھی۔

پروفیسر محمد ظہیر اللہ نے نہرو رپورٹ کی تفصیلات بتاتے ہوئے لکھا ہے "نہرو رپورٹ کی سفارشات کا مجموعی نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ وہ ساری تجویزیں جو مسلمانوں کے مفاد میں تھیں، نظر انداز کر دی گئیں اور صرف ان باتوں کو مانع اعتنا سمجھا گیا جن سے صرف اکثریت کو فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ نہرو رپورٹ نے بارہ سال پرانے اس سمجھوتے کو بھی ختم کر دیا جو میثاق کھٹو کی شکل میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ہوا تھا۔ میثاق کھٹو میں نہ صرف جداگانہ حق انتخاب کو تسلیم کیا گیا تھا بلکہ اقلیتی صوبوں میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے زیادہ نشستیں دی گئی تھیں۔ نہرو رپورٹ نے ایک طرف جداگانہ انتخاب کو ختم کیا تو دوسری طرف آبادی کے تناسب نشستوں کی سفارش کر کے انہیں اس حق سے بھی محروم کر دیا۔ صوبہ سندھ کی سیمکری کو جن شرطوں کا پابند بنایا گیا، اس سے بھی کسی غلوں نیت کا اظہار نہیں ہوتا۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں اصلاحات کی سفارش کے ساتھ ساتھ یہ نیا سول بھی اٹھایا گیا کہ جنوبی ہند میں کنٹری بونے والوں کا ایک نیا صوبہ تشکیل دیا جائے۔ یہ گویا سرحد اور بلوچستان میں مسلمانوں کو ملنے والے حقوق کا جواب تھا۔" (۴۱)

نہرو رپورٹ کے سلسلے میں ہونے والی مزید کارروائیوں کے بارے میں پروفیسر محمد ظہیر اللہ لکھتے ہیں۔

"۲۸۔ اگست ۱۹۴۸ء کو لکھنؤ میں کل جماعتی کانفرنس کے اجلاس میں نہرو رپورٹ منظوری کے لیے پیش کی گئی۔ کانفرنس نے چند ترمیمیں پیش کیں اور طے کیا کہ نہرو کمیٹی میں چند درجہ شریک کیے جائیں جو غور و خوض کے بعد یہ رپورٹ ایک مسودہ قانون کی شکل میں سیاسی جماعتوں اور تنظیموں کے نمائندوں کے عام اجلاس میں توثیق کے لیے پیش کریں گے۔ کمیٹی کے نئے ممبروں میں قائد اعظم کا نام بھی شامل کیا گیا جو اس وقت انگلستان میں تھے مگر قائد اعظم نے یہ پیش کش قبول نہیں کی۔ انگلستان سے واپسی (۲۵ اکتوبر ۱۹۴۸ء) کے بعد قائد اعظم نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ متحد ہو کر اپنے جائز مطالبات منوانے کی کوشش کریں۔ آپ نے مسلمانوں کے جذبات کو بہ قابو ہونے سے روکنے کے لیے یہ بھی فرمایا کہ نہرو رپورٹ کوئی حرف ساز نہیں

ہے۔

پنڈت موتی لال نے طے کیا کہ سیاسی جماعتوں اور تنظیموں کا مجوزہ اجلاس ۲۲- دسمبر ۱۹۳۸ء کو کلکتے میں منعقد کیا جائے۔ قائد اعظم نے اس کے جواب میں پنڈت موتی لال نہرو سے تاریخ بڑھانے کی خواہش کی تاکہ مسلم لیگ کونسل کو رپورٹ پر غور کرنے کا موقع مل سکے مگر پنڈت جی نے اس سے انکار کر دیا۔ اس طرز عمل کے باوجود قائد اعظم کسی نہ کسی قسم کی مفاہمت کے لیے کوشاں رہے۔ آپ نے بڑی مشکل سے مسلمانوں کو راضی کیا کہ وہ بھی انہی دنوں مسلم لیگ کا اجلاس کلکتے میں منعقد کریں اسی دوران میں مرکزی خدانت کمیٹی اور بسین صوبائی مسلم لیگ نے نہرو رپورٹ کو مسترد کر دیا۔ پھر بھی قائد اعظم کی کوششوں سے مسلم لیگی زعماء کانفرنس میں شرکت کے لیے تیار ہو گئے۔ سیاسی جماعتوں کے نمائندہ اجلاس میں قائد اعظم نے چند ترمیمیں مسلمانوں کی طرف سے پیش کیں جن میں تین اہم یہ تھیں۔

(۱) مسلمانوں کو مرکز اسمبلی میں ایک تہائی نشستیں دی جائیں۔

(۱۱) اگر بالغ رائے دہی کا طریقہ رائج نہ ہو تو پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کو آبادی کے تناسب نمائندگی دی جائے۔

(۱۱۱) صوبوں کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دیے جائیں تاکہ مسلمانوں کی اکثریت والے صوبے مرکزی ہندو اکثریت کے اثر سے محفوظ رہیں۔

قائد اعظم کی ترمیموں پر غور کرنے کے لیے ایک سب کمیٹی (Sub-Committee) مقرر کی گئی جس سے انہیں رد کر دیا۔ قائد اعظم نے اب بھی شکست نہ مانی اور عام اجلاس میں انہیں پیش کیا ان ترمیموں کے جواز میں ایک نہایت ہی مدلل اور موثر تقریر کی۔ بعض ہندو زعماء بھی ان دلائل کے معترف ہو گئے۔ چنانچہ سر جیمس ہارڈن نے بھی ایک موثر تقریر کی جس میں ہندوؤں سے اپیل کی گئی کہ وہ مسلمانوں کے جائز مطالبات پر ٹھنڈے دس سے غور کریں مگر ساری دلیلیں اور اپیلیں بے اثر رہیں۔ قائد اعظم کی ترمیموں میں سے کوئی بھی قبول نہ کی گئی۔ (۳۶) انڈین نیشنل کانگریس نے اس کلکتہ کنونشن میں مسلمانوں کے مطالبات کی پروا کیے بغیر نہرو رپورٹ کو منظور کر لیا۔ یہ رپورٹ حکومت کو پیش کی گئی۔ اور کہا گیا کہ اگر برطانوی پارلیمنٹ ۳۱- دسمبر ۱۹۳۹ء (یعنی ایک سال کے اندر اس رپورٹ کو منظور نہیں کر لیتی تو کانگریس اپنے پروگرام کے مطابق کال آزادی کی تحریک پر عمل شروع کر دے گی جس میں سول نافرمانی اور ٹیکسوں کی عدم ادائیگی شامل ہے۔ حضرت قائد اعظم ہندوؤں کے رویے سے بہت دل برداشتہ ہوئے اخبار ڈیلی کرانیکل (Daily Chronicle) کے نمائندے سے گفتگو کرتے ہوئے آپ نے صاف صاف کہہ

”مسلم قوم نہرو رپورٹ کو ہرگز منظور نہیں کر سکتی اور ہرگز ایسا نہیں کرے گی۔ کسی قسم کی چابازیاں عامۃ المسلمین سے نہرو رپورٹ کی منظوری حاصل نہیں کر سکتیں۔“ (۴۳)

نہرو رپورٹ کا سیاسیات ہند پر شدید رد عمل ہوا۔ ہندو باجموم اس رپورٹ کے حق میں تھے۔ مسلمان رہنماؤں میں سے مولانا حسرت موہانی، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی جوہر، سر سید خاں مسلم لیگ کے سر شفیق گردپ نے رپورٹ کی مخالفت کی قائد اعظم اور ان کی لیگ کا نقطہ نظر پیش یہ جا چکا ہے کہ وہ رپورٹ کو مسلمانوں کے لیے قابل قبول بنانے کے لیے اس میں ترامیم چاہتے تھے۔ نیشنلسٹ مسلم پارٹی جس میں مولانا ظفر علی خاں، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری، صدیق احمد خان شیردان، رفیع احمد قدوائی وغیرہ شامل تھے، نہرو رپورٹ کے حق میں تھے۔ حضرت علامہ اقبال، ہور لیگ کے جنرل سیکرٹری تھے انہوں نے نہرو رپورٹ کے بارے میں ایسوسی ایٹڈ پریس کو ۲۰ اگست ۱۹۴۸ء کو بیان دیتے ہوئے فرمایا:

”میں نے ابھی تک نہرو کمیٹی کی مکمل رپورٹ کا مطالعہ نہیں کیا میں نے صرف وہی حصے دیکھے ہیں جو اخبارات میں شائع ہو گئے ہیں جو کچھ میں نے پڑھا ہے اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ رپورٹ صحیح انداز میں لکھی گئی ہے اور اس سے ملک کے ہم آہنگی مشکلات کے حل کرنے کی حقیقی خواہش کا اظہار ہوتا ہے۔“ (۴۴)

لیکن رپورٹ کے تفصیلی مطالعہ اور اس پر غور و خوض کے بعد حضرت علامہ کا نقطہ نظر اس رپورٹ کے بارے میں بدل گیا۔ اور وہ اس کی مخالفت کرنے لگے۔ چنانچہ ملک فیروز خان نوں اور سر عبدالقادر کے اشتراک سے حضرت علامہ نے ۷۔ اپریل ۱۹۴۹ء کو ایک بیان دیتے ہوئے فرمایا:

”قوم اس امر کا مظاہرہ کرنا چاہتی ہے کہ نہرو رپورٹ ہندوستان کی اکثریت کے لیے قابل قبول نہیں۔“ (۴۵)

اس سے قبل ۲ ستمبر ۱۹۴۸ء کو فری پریس کے نمائندے ست ملاقات کے دوران میں وہ کہہ چکے تھے:

”مجھے افسوس ہے کہ اس پارٹی کانفرنس کے اعداد و شمار (جو نہرو رپورٹ کی سفارشات پر غور و فکر اور تبادلہ خیال کے لیے بنائے گئے تھے) کے فیصلے جات اور مولانا شمس علی کے وہ حیرت انگیز انکشافات جو انہوں نے اسے بتدائی بیان میں کیے ہیں“

ہندوستان کی فرقہ وارانہ صورت حال بہت بدتر بنا دیں گے۔۔۔ ہندوستان کا مسلمان اب اس جذبہ کو از سر نو سمجھنے اور اس کی قدر و قیمت مقرر کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ ہند کی قومیت کے جذبہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جو نئی دہلی اس امر پر غور کرے گا کہ اپنے آپ کو مولانا شوکت علی کی طرح پائے کا جن کی "نکلیں اب کھل چکی ہیں اور جو کماں رنج و احساس درد کے ساتھ اپنے دس کو آزادی کے اس ہوس اور جذبہ سے خالی پڑتے ہیں جس نے ان کی ہستی میں ایک قسم کی بجلی بھر رکھی تھی۔ تو یہ باتیں مسلمانوں کے احساس عدم اعتماد کو مستحکم و مضبوط کرنے کا موجب ہوں گی۔" (۴۶)

سرو رپورٹ کے بارے میں مولانا ظفر علی خاں کا موقف یہ تھا "میں سرو رپورٹ کا ان ترمیمات کے ساتھ جو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں منظور ہوئیں 'حامی ہوں۔' (۴۷) اس ضمن میں یہاں مولانا ظفر علی خاں کی اس تقریر کا اقتباس نقل کرنا دلچسپی اور دلدادگی سے حالی ہے ہوگا جو مولانا نے جون ۱۹۴۹ء کے 'تخری ہفتہ میں' بمبئی میں فرمائی۔ مولانا کی یہ تقریر "اتحاد" بمبئی کی تیس جون ۱۹۴۲ء کی اشاعت میں رپورٹ ہوئی تھی۔ زمیندار نے اسے اپنی ۱۰ جولائی ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں نقل کیا اس رپورٹ کی تمسید اور سرو رپورٹ سے متعلق حصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

"اس ہفتہ بمبئی میں آگائے ظفر علی خاں 'یعنی حضرت غازی امین اللہ خاں کی دعوت خاصہ پر تشریف لائے۔ دو روز تو اعلیٰ حضرت کی ملاقاتوں اور وداع میں گزر گئے مگر تیس روز مختلف مقامات میں مختلف اجتماعوں کے ارکان سے تبادلہ خیالات ہوئے اور چند دولہ انگیز تقریریں بھی ہوئیں۔ درحقیقت ۱۹۴۱ء کا زمانہ آنکھوں میں پھر گیا اور ہندو مسلم اتحاد اور وطنی جذبہ کے لیے ایک زبردست تحریک پیدا ہو گئی۔ علی الرغم مخالفت لٹویان ان شہدار مظاہرات کی نامیالی اور نتیجہ خیزی میں ذرا شک نہیں کیونکہ بمبئی کے چند روزہ قیوم میں آگائے ظفر علی خاں کی کوششوں کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو دینی راہ عمل دکھا دیں جو تحریک خلافت کا مسلح نظر تھی اور کچھ عرصہ سے ہندو مسلم اجتماعوں کی وجہ سے مسلمانوں نے سے ترک کر دیا تھا۔ جیسا کہ ہمارے ملک میں جہاں ہندو حاضرین بھی تھے 'انہوں نے مسابجا کی مفیدانہ تحریکات کے خطرناک نتائج سے متنبہ کیا اور دن پورہ کے جلسہ میں جہاں مسلمان ہی مسلمان تھے 'انہوں نے قرآن و حدیث و روشنی میں ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کے لیے یہی چارہ کار ہے کہ وہ خارجی حکومت کے مقابلہ میں ہندوؤں سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کریں۔۔۔"

شہرہ رپورٹ اور طریق انتخاب

شہرہ رپورٹ کی نسبت مقامی ظفر علی خاں صاحب نے ایک ایک پہلو پر تفصیلی بیانات عام کیے ہیں۔ اس کے بنیادی اصول بتاتے ہوئے اس قواعد پر روشنی ڈالی ہے ہر قوم، اور وطن، اس سے حاصل ہو سکتے ہیں آپ نے فرمایا کہ شہرہ رپورٹ کی یہ لمبائی یہ ہے کہ وہ عام حق و سبب دیتی ہے اس کی نظر میں ایک اور جاتی برادر ایک معمولی مرد، وہاں مسلمان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے عوام اور مزدوروں کے لیے یہ رپورٹ قابل غور مقدم ہونی چاہیے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ اس میں اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ہندوستان میں کوئی شکار بھوکا نہ رہتا۔ بدتمیزیت کی طرف سے کھانا اور کپڑا ملے گا ورنہ اس کے لیے کام مہیا کیا جائے گا۔ موجودہ حالت یہ ہے کہ ہمارے قریب بٹلوں میں بیٹھے دارمیتیں دیتے ہیں (ہنگامہ) ہزاروں لاکھوں اہل وطن ان شہینہ کو حق ج اور سزا چوٹی سے ڈالتے ہیں طراں خارجی دیکھیں، وہ غرض ہے کہ اس کی حمایت ڈالیں۔ میں اس لحاظ سے بھی شہرہ رپورٹ قابل قریب ہے۔ پھر اس میں اس شخص کی مدد کی روایت کے تحت ڈالیں رہا کیا ہے اور اس میں نہ ہی آزادی کی ہی ہے۔ اس میں یہ بات کے متعلق بھی اس میں ایسی دفعات ہیں جن سے انہیں اس کے حقوق کا تصور ہو۔ ہم زیادہ مانگتے ہیں انہوں نے سمجھوتہ کے شرائط میں ہمارے مطالبہ سے کچھ کم کر رکھی ہیں ہمارے یہ مطالبہ۔ شہرہ رپورٹ کے مطابق برقرار ہے۔ پھر اس مطالبہ کی وجہ سے ہم باری رپورٹ، مسلمانوں میں سے ہمارے آزادی ہند کے مازو مضبوط ہونے کا باعث نہیں بن سکتے۔ سارا نتیجہ۔ حجاب کی وجہ سے یہ لوگ اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ موجودہ شہرہ رپورٹ میں بعض مسائل سے اس مطالبہ سے بہتر حقوق موجود ہیں جو ہمارے حق نہیں ہیں۔ وہ تو اس کی یہ نہیں بدلتے۔ اب مسلمانوں کی تنظیموں کو اندگی چاہتے تھے جس سے بعد یہ ماحولی کا طریقہ ہو، خواہ اس کا نام نہ ہو۔ شہرہ رپورٹ میں آئندہ غور کرنی ہے وقت بھی مسلمانوں کے لیے یہ انصاف ہے۔

شہرہ رپورٹ قومیت ڈالنے میں ہیں۔ یہ وہ وقت ہے جب کہ نمائندے اسلام اور ہندو مت کے نام سے دوسلوں میں جاتے ہیں تو یہ ایک ہی ہے۔ شش رہتی ہے۔ وہ اپنی قومیت میں ہی وقار پیدا کرنے کے لیے دوسرے کے لیے ایک محاف کی حیثیت اختیار کرتے ہیں۔ یہ بدتمیزانہ فیصلہ بین روز بروز کم زیادہ ہوتا جاتا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اب بدتمیزانہ فیصلے پیدا ہوتا جاتا ہے کہ مسلمان آزادی کی راہ میں سنگہ گراں ہے پس ایسی قریب پیدا کی

مائے کہ صرف ہندو کے بل بوتے پر ہی آزادی کی کوشش کی جائے۔ ڈاکٹر مونجے جیسے لوگوں کو زہر چھیننے کا موقع ملا ہے۔“ (۳۸)

موتوں کی خبر ملنے پر 'بہار تہ' کی ریت پر 'حکایت نوشتیں' کی یاد دہانی

ہم نے ہمیشہ

— یہ ایسا حیرت میں مارا کہ ہائے ہائے

میں نے اپنے دل سے کہا کہ میں اس کو

— ۱ —

میں نے اس وقت تک اس کی طرف توجہ نہیں کی تھی کہ وہ میری طرف سے

۱۰۔ مختلف کامیاریاں کے لئے

میت کی آبرو سے ملی بھائیوں کی ضد

اسے ملی وہ زنک خود سرا کہ بائے بائے (۴۹)

۴۰ رپورٹ حلیۃ میں مسلم سیاسی حلقوں میں پیدا ہونے والے سیاسی اختلافات کے

۸۔ میں جناب امجدانیہ صاحبہ راجہ ارجن

”باب — : رب نکلون جا کر ضرور رپورٹ کو قبول کر آئے تھے، ان میں مولانا

ہندوؤں اور قصور میں مہما ٹیٹھ میں خاص اور تمام دور سے جاتی پنجابی ہمارے شامل تھے

میں نے حضرات و صاحب میں دیکھا کہ اس معاملے میں قوم ان

— مقررہ نہیں ہے۔ "انقلاب" سے پارہ اس و پبلج سیا کہ مسلمانوں کے مئی بعد

عام میں : مرہ رپورٹ د نصرت میں : چنانچہ اسوں — یہ دفعہ بہت سے

بلی اروزک سے باہر باغ میں مسلمانوں کے سائے تھرا روپرت کی تائید بلی چانی

بہن ہزار مسکراتوں نے یہ نہ کسی بیدار شخص پر غصے پر ساریں نہیں سے مولا

مدت قمار 'مصور' مہانا نظم ملی خاں اور مولانا محمد اسلم شاہ بخاری زکی بھی بہ

۱۔ غرض سرو ریخت ہے کہ مسلمانوں میں قہر و غضب باندھے جائے کہ وہ مشتعل

ہو گیا اور مسلم لیگ کے نقطہ نگاہ کی عین تائید ہوتے ہوئے (۵۰)

اس زمانہ میں سوپر پورٹ کی حمایت و مخالفت میں بہت سی بحثیں ہو رہی تھیں۔ اس سلسلہ

کے در جلسوں کی روداد جناب اشرف عطا کی زبانی سنئے۔

”...مسلم ٹائٹلز سے زیرِ اہتمام باغِ مودتی دروازہ میں ایک جلسہ ہو جس میں سید اقدس

ملی ہنس، ملک فیور خان، سوہی غلام محی الدین، قصوری، موہوی، عظیم، بدین ذیل، ضیفہ

خدا ترا بت ناداں دراز من تو کرے

ستم کے تو بھی ہو قابل خدا وہ دن تو کرے

.. مجھے، جسکی ہی سنی ہے کہ لہر تم سے .. مہینے سے اندر سرور رپورٹ سے باپ میں

پنی رہت سے ملی گئی آں انڈیا نوڈیز لیٹڈ کے، بلوی پروگرام کو اپنا لکھ عمل قرار دے کر

ندوں سے مخالف طرز سے یہ یا تو قریب سے محاذ اندر ایسے حال سے۔ ایک مسئلہ

۲۰۰۱ء کی "ملی" سے پیفینڈنٹ صاحب کی خدمت با برکت میں، جن کی طرف سے مجھے یہ

موت ۲۰۰۱ء میں ہوا ہے، نہایت ادب کے ساتھ گزارش ہے کہ گو میں سرور رپورٹ کا ان قریب سے

سے ساتھ نہ تھا، مگر ایک سے طرز میں ملتی میں "مندر" میں "ملی" ہوں اور اس سے

تیب سے ایک اور آپ سے یہی رہتا حضرت باب سے محنت اور یہ مجھ تعلق اور یہ

قادیں طاعت سے ایک شمس طراز اور اس سے تعلق ہوں میں خدا، ایک بار میں

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلک بڑھتا ہوں اور اس سے میرا یہ عقیدہ ہے کہ موت سے ایک

وقت مقرر ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت ایک لمحہ کے درمیان نہیں سے، اور بھی سے اس سے

ہے یہ ٹیپٹ بننا سنی سے اور حاء احلہم لا یسبحون، سے عندہ ولا یستقلون، کچھ میں سے

یہ ہے کہ میں اس قسم کی دھمکیوں سے اپنے حقائق نہیں بدلا کرتا، اس لیے آج، موت سے

زمت انتظار بھی ناحق اٹھاتے ہیں۔ آئیے اور ایسا نہ سے

سے دستان مدافعت سے تو نچر کرمانی

نہر علی علی

۱۹۲۹ء، ۱۲ اگست، ۱۹۲۹ء، بنگلہ دیش میں

۱۹۲۹ء، ۱۲ اگست، ۱۹۲۹ء، بنگلہ دیش میں

۱۹۲۹ء، ۱۲ اگست، ۱۹۲۹ء، بنگلہ دیش میں

۱۹۲۹ء، ۱۲ اگست، ۱۹۲۹ء، بنگلہ دیش میں

۱۹۲۹ء، ۱۲ اگست، ۱۹۲۹ء، بنگلہ دیش میں

۱۹۲۹ء، ۱۲ اگست، ۱۹۲۹ء، بنگلہ دیش میں

۱۹۲۹ء، ۱۲ اگست، ۱۹۲۹ء، بنگلہ دیش میں

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ

بر عظیم کی تحریک آزادی سے مولا علی کی ملک سازی کی تحریک، جامعہ

روں معاہدے انہوں میں ڈانفرسوں اور رتہ دارانہ ٹیبلے (لیوکل ایوارڈ) سے ہوتی ہوئی فورمنٹ
 آف انڈیا ایکٹ (۱۹۳۵ء) کے ساتھ تک پہنچی۔ اس ایکٹ میں کمیٹی اعداد و شمار کی بنیاد
 ہے۔ ہوا ہے کہ حکومت برطانیہ نے مارچ ۱۹۳۳ء میں گول میز ڈانفرس کے تینوں اجلاسوں کی
 سرگرمیوں میں جنی ایک قرطاس اینٹس (White paper) شائع کیا۔ ۱۔ اپریل ۱۹۳۳ء کو یہ جیٹ میڈ
 غور و فکر کے لیے برٹش جوائنٹ پارلیمانی سلیکٹ کمیٹی کے سپرد ہوا۔ اس کمیٹی کی سفارشات کی
 روشنی میں انڈین آئینی بل (Indian Constitutional Bill) برطانوی پارلیمنٹ نے ۲۴ جولائی
 ۱۹۳۵ء کو نافذ ہوا۔ یہ دستور دوسری جنگ عظیم کے دوران دسمبر ۱۹۳۹ء میں منظور ہوا۔

اس ایکٹ کے بارے میں محمد اشرف خاں عطا لکھتے ہیں
 "اس (ایکٹ) کی رو سے صوبائی خود مختاری عمل میں آئی اور کمیٹیوں کے اختیارات
 کے سلسلے میں گورنروں کو خاص اختیارات دے دیے گئے اور سندھ میں بھی اس سے ایک
 صوبہ تسلیم کر لیا گیا" (۳۳)

سٹرن رائٹ۔ کیسی (R. G. Cassey) کے الفاظ میں:
 "اور اسٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء خود مختاری کی طرف ایک بڑا قدم تھا اور وہ
 مہتمم کمیٹی کی سفارشات سے بہت آگے بڑھ گیا۔" (۳۵)
 سید حسن ریاض فورمنٹ آف انڈیا ایکٹ پر رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں

"فورمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کا مقصد اس سے پہلے یا پھر اس سے
 پورے ہندوستان کا وقتی پیدا کیا جائے مگر وہ اس وجہ سے بھی نافذ نہیں ہوا کہ
 اس میں ملک کے وقتی میں شریک ہونے سے باہر ہوا۔ لہذا مہتمم کمیٹی کی ہمت رہا جس
 طرح اس سے پہلے تھا۔ فورمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت مسئلوں کو اس سے
 ان بنیادیت یہ تھی کہ ان کے مسائل کے مطابق ان کے حقوق و مفاد کی حفاظت
 کے لیے دستور میں مناسب تعمیل کی جاتی تھی۔ اس میں ہندو کمیٹیوں کی حفاظت
 کے لیے اس میں گورنر جنرل کے اختیارات خصوصی میں اضافہ کیا گیا۔ اس سے
 کمیٹیوں کے حقوق کی حفاظت قائم رہے اور مسئلہ ان کے حقوق اور مسائل کے لیے
 ان کے مسائل کے مقابلے میں انصاف حاصل کرنے کے لیے جوش و خروش اور

ان کے مسائل کے مقابلے میں ان کے مسائل کے لیے جوش و خروش اور
 ان کے مسائل کے مقابلے میں ان کے مسائل کے لیے جوش و خروش اور
 ان کے مسائل کے مقابلے میں ان کے مسائل کے لیے جوش و خروش اور

۱۔ اور ۱۰ سہ ماہی ۱۹۳۵ء کو۔ مؤخر الذریعہ میں آپ نے کہا ”ہم یہ اعلان کرتے ہیں
 ۲۔ بدستوں سے مسلمان انڈیا میں کی حمایت کرنا چاہتے ہیں۔ مسلمان ہندو کا تختہ یہ مٹانے سے
 ۳۔ اور فرقہ وارانہ ہے۔ یہ اس بات ۱۹۴۲ء کے مطابق انڈیا میں شامل ہیں۔

۱۰۔ تین باتوں سے ترمیم ہے (۱) اس سے مدت مخالفت اور اطمینان۔ اس بات سے
 یہ کہ ”ختم الصداقات“ کا خاتمہ کم از کم دس سال کی مدت کے لیے فرقہ وارانہ اعلان کے اصول
 میں، اقلیتوں کا حق، برتوں حاصل کرنے کے لیے اس شرط پر عمل کرنا کہ بد خداری
 ہے (۲) فرقہ وارانہ کی ترمیم کے لیے میں ہر قسم کی سختی، تشدد میں اس کی قوی رسوائی
 اور خوشنودی کو ضروری قرار دیا جائے (۳) اس کی وضاحت کی جائے کہ متعلقہ اقوام کی
 رسوائی سے مقصود کیا ہے اور وہ کس طرح حاصل کی جائے گی؟“ (۵)

۱۱۔ مدت جاری ہے۔ اس میں غلط بیانات اور متضاد باتیں اس کے خلاف ختم ہے۔ اس میں
 کی تباہی سے مطمئن رہتے ہیں۔ اس میں ترمیم چاہتے تھے۔ یہی مدد اطمینان دے گا۔ اس میں
 سے اس اعتبار سے بھی ملتا ہے۔ اس میں ہر قسم کی غلط بیانی سے خلاف ہے۔
 اشعار کی یہی سہمی تھی ”استعار کی بجائیں کا انڈیا“۔ اشعار درج ذیل ہیں

صدر اعظم کی سخاوت میں ہمیں ہم کو کام
 لیکن اس سے چاہتے ہیں ہم کہ ہم وہ کیا
 ہندو بھڑا دیا ہم وہ ساری سے
 سے ملنا بھیج رہے ہیں ہمارے
 پ پیٹنے کے لیے کتنی بھری ہمارے
 نہ سے رمدان اور عید پر خوشیاں
 یہ ہماری کے لیے جتنے سے ہمیں
 رہا یہ خدا، مقرر نہیں ہے ہمیں
 جیسے ستارہ کی جگہ ساری مدت سے
 دور بڑی وقت سے اصلاحات کا انڈیا (۵۸)

لیکن اس وقت کی صورت حال نے مسلمانوں کو کونسل آف انڈیا ایٹم سے بدست
 سے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ ”آف انڈیا مسلم لیگ“ نے اپنے صدر سے مقدمہ بھیج دیا۔ اس میں
 کونسل آف انڈیا ایٹم ۱۹۳۵ء پر غور کرنے سے بعد اس کی سہمی اس لیے متعلقہ یہ
 یہ کہ اس میں ہر قسم قابل اعتراض پسو ہیں لیکن اس سے متعلق میں یہ کہ

بھی ہے، اس کو اس طرح برتنا جائے کہ اس سے جو فوائد حاصل ہو سکیں وہ کیے جائیں۔۔۔ ایک اور ریلیشن میں یہ طے کیا کہ سن انڈیا مسلم لیگ مرکزی پارلیمنٹری بورڈ قائم کرے جس کے اہتمام سے یہ انیشن کرے جائیں۔ جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت ہونے والے ہیں اور اس کے صدر مسٹر جناح ہوں۔" (۵۹)

اس مطالبہ کو قبول کرنا شروع ہوا کہ ۱۹۳۵ء تک پہنچتے پہنچتے حضرت علامہ مولانا ظفر علی خان بعد وصال کو خیر و برکت میں نہیں بدلتے تھے طریق کار میں تھا، اب وہ عمل سے تبدیل ہو گیا۔ اگرچہ اس کے بعد بھی طرفین کے دلوں میں کبھی کبھار فردوسی سیاسی اختلاف کی آہٹیں ابھریں تھیں وہ فوراً ہی مٹ جاتی تھیں اور ۱۹۴۳ء کے بعد تو حضرت اقبالؒ کا تلفظ علی خان، حضرت قائد اعظمؒ کی سیاست اسلامیت کے میدان میں سرحدوں پر دم رباب نظر آتی تھی۔

مولانا ظفر علی خان اور ہندو مسلم اتحاد

ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں مولانا ظفر علی خان کی مساعی و تلامذہ اپنی تمام تر اپنی صفحات میں مذکور ہیں۔ دراصل انیسویں صدی کے اخیر میں مسلمانوں کے تلامذہ سے لے کر ۱۹۴۳ء تک ہندو متحہ و نہایتوں میں تحریک آزادی اور استقامت وطن کی متحہ تحریک کاروائی تھی۔ تلامذہ میں قائد ہندوستانوں کی مشیت و ہمت تھی اور اس کی راہیں (۱۹۶۶ء) میں قائد ہندوستانی قوموں کے مل جل کر رہا تھا۔ ہندو قوم کی قیادت تھی جن میں مسلمانوں نے بھی حصہ لیا۔ یہ پیمبروں کے یکے اجلاس میں جو ڈبلیو بی بونرٹی کی صدارت میں تھی ۱۹۴۸ء، ستمبر ۱۹۸۵ء، قائد ہندو محمد رحمت اللہ سیانی اور دیگر مسلمان رہنماؤں نے شرکت کی تھی۔ ہندو قوم کے متحہ اجلاسوں کی صدارت بھی مسلمان اکابر نے فرمائی مثلاً ۱۸۸۷ء میں قائد ہند کے اجلاس ہندو اس کی صدارت جناب بدرالدین طیب تھی نے ۱۸۹۶ء میں اجلاس فلکات کی صدارت جناب محمد رحمت اللہ سیانی نے ۱۹۲۳ء میں اجلاس کراچی کی صدارت جناب سید محمد ہاشم نے ۱۹۲۸ء میں اجلاس کراچی کی صدارت سید حسن امام نے ۱۹۲۱ء میں اجلاس احمد آباد کی صدارت سید محمد علی خان نے ۱۹۲۳ء میں سید علی کی صدارت مولانا ابوالکلام آزاد نے ان سالوں میں اجلاس مولانا سید محمد علی جوہر نے ۱۹۲۷ء میں اجلاس ہندو اس کی صدارت مولانا سید محمد علی جوہر نے ۱۹۳۰ء اور اس کے بعد مسلسل کئی سالوں تک مولانا ابوالکلام آزاد کا دس سالہ دور ان کے صدر بننے رہا۔ اگرچہ مجموعی طور پر کانگریس کی پالیسی اور نظم و نسق مولانا کے

یمن یہ بھی حقیقت ہے کہ کانگریس ابتدا میں صرف ہندوؤں کے اجتماعات نہ تھی بلکہ برہمنوں کی مشاعر
 بیت نوشت، جماعت تھی یہی وہ تھی کہ بہت سے مسلمان رہنما کانگریس کے رکن بن گئے اور ان کو
 نظریہ برادری و ایمان دیتے ہوئے بھی مشق سے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے بہت زیادہ مستعد تھے،
 سے قائل تھے اور باہر ایک ناچاتی پیدا نہیں، ناچتے تھے جس سے آزادی کی منہ سے اور یہ
 متاخر ہو جانے کا خدشہ ہوتا۔ کانگریس کے ساتھ مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، سید ابوال
 کلام آزاد، انصاری، مولانا ظفر علی خان، مولانا ابوالکلام آزاد، شریف قاضی اور غیر متعدد مسلمان
 رہنماوں کے ربط و تعلق و ان کی سیاسی حالت کی روشنی میں دیکھا جانا چاہیے جو حضرت
 قائد اعظم، نادر ندین، چٹل کانگریس کے نمبر اور ہندو مسلم اتحاد کے تحریک سے مسلمانوں میں سے
 ان کے سرفہرست، صدر اقبالیہ کے لیے امیدوار تھے جن کی ان کی پیشانی کے ہندو ذاتیت اور ان
 کی دامن ستری سے بھی دھوکا نہ کھایا۔

مولانا ظفر علی خان شریف قاضی کے تنازعہ میں سے ہندو مسلم اتحاد کے خواہاں اور اس کے
 لیے کوشاں رہے۔ ان کی متعدد نظمیں اور پیروں اور مضامین نے ان کے اس صلح پسندانہ مسلک کے
 شائبہ مطلق ہیں لیکن کانگریس کے رکن ہونے اور ہندو مسلم اتحاد کے لیے مسلسل کوششوں کے
 سے باوجود مولانا اپنے اس احساس عظمت و تفاخر سے کبھی مجبور نہیں ہوئے کہ وہ اس طرح
 مسلمان ہیں انہوں نے اپنی اسلامیت اور اپنی علیحدہ قومیت کا اعلان و اعلان ہندو مسلم اتحاد کے
 ساتھ کیا۔ اسلام اور اسلامیت کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے والوں کو، اذیت یا معاف نہ کرنا
 کی اسلامی حیثیت کے خلاف تھا اس معاملے میں وہ نئی پٹی رکھنے کے ہرگز قائل نہ تھے اور
 دوست و مسبب و افتدار کی کوئی قوت ان میں مروجہ نہ رہ سکتی تھی، ان دنوں اس حیرت انگیز
 متعدد شہادتیں ان کے اتفاق حیات پر ٹھکانا نظر آتی ہیں۔ سلام، شکی و مسلم تزاری کے مسئلے
 پر انہوں نے قائد بھی 'نہرو' لایا بہت سے 'سرگوشی' شہادتیں مولانا کوئی اور سماجی شہادت
 نہیں شخصیتوں کو بھی معاف نہ کیا شدھی اور شخصیتوں کو بھی تو نہیں انہیں تو مولانا نے آخر
 تقریر کے محاذوں سے دو میز مل چھینے کہ یہ اسلام دشمن تو نہیں غاصتہ ہو رہے ہیں اور بہت
 ہوتے ہوتے یہ حقیقت مولانا پر پوری طرح منکشف ہو گئی کہ کانگریس سے اتحاد، مرزیت اور
 سے مفاد میں نہیں اور یہ کہ کانگریس کی ساری بھارت اور مجلس راج کے لیے ہے تو اس
 سے کانگریس سے استغنیٰ اسے دیا۔ یہ سب اس کے ساتھ واقعہ ہے کہ یہ سب کہ مولانا
 یہاں اس کے حد بھی جانے لگے، ہندو مسلم اتحاد کا سارا شمار یہ ہے کہ اس کے خلاف
 مولانا تک ساری اس کے سبب جانے لگے، یہ وہ عمل و برداروں کی مخالفت اور مسلم یک

کی حمایت کر رہے تھے چنانچہ ۵- دسمبر ۱۹۴۰ء کو مولانا یہ ترائے الایچے نظر آتے ہیں۔

اگر جینا کا دل آ جائے گاندھی جی کی مٹھی میں
تو غیروں کی غلامی سے دشمن آزاد ہو جائے
روداداری کامل کے ہر اک مندر میں چرچے ہوں
ہر اک مسجد کو اب ویران ہے آباد ہو جائے
ادھر ہو شیخ کا کس بل ادھر شکست برتس دی
یہ "مرا زور" مرگ دیو استبداد ہو جائے (۱۶۰)

تاہم یہاں یہ ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ غور حضرت قائد عظیم علی صاحب راہی
کے عظیم نسب احمین سے پیش خیر تیرو مند نہ ہندو مسلم مخالفت سے بہت ہمیشہ تیار رہتے تھے
چنانچہ سوسی الائٹس (پ) کی طرف سے قائد عظیم کا دہلی ۱۰ جون ۱۹۳۰ء کو
زمینہ رزم میں شائع ہوا

"ہندو میڈر انر ہندو مسلم مخالفت کے متعلق مجھ سے ملاقات کرنا چاہیں تو میں خوشی سے
اس کے لیے تیار ہوں گا۔"

حوالے اور حواشی

۱- باقیات اقبال ص ۲۹-۳۱

۲- یثنا- ص ۳۳

۳- یثنا ص ۴۹

۴- یہاں ص ۳۰

۵- سنی ٹریڈ یونین سنی ٹریڈ ہندو ۱۹۵۳ء ۵۵ء ص ۵۵

۶- محکمہ ریل ۱۹۰۳ء

۷- رستائل ص ۴۵

۸- یثنا ص ۱۸۳

۹- یہ شعر خوب محبوب علی خاں صاحب دی اس شعر سے ماخوذ ہے۔ اس شعر میں ۳۴ میں پڑی راہ کو
میں سے واقعہ بنی اور وہاں رہتے رہتے یہ بھی تھی۔ اس شعر سے تیس شعر ہیں۔
۱- میں ہوں شہر میں شہر میں شہر
۲- میں ہوں شہر میں شہر میں شہر
۳- میں ہوں شہر میں شہر میں شہر

۔ ہل فون دن سے طاعت وہ تم نرو
 صحیحیں حسب قیصر مند ان جوں کار
 تر یہ حواء دولت طالب ہو
 اس سے ہی کامگار ہو اس سے ہی تادار

طہ سے ۔ مہمدار کی پیشانی پر چھپے و شہر مہمدار کا شہر سے پتے دور پانچویں ص ۷۷
 یہ ۴۰ سینے سے دوا میں کیا

۱۰۔ باقیات کہاں ۱۹۷۶ء ص ۲۱۶

۱۱۔ بہار کتابیں ص ۱۹۴

۱۲۔ یہاں ص ۴۰۵

۱۳۔ بہار کتابیں ص ۱۵۰

۱۴۔ ہمدان۔ مدتہ ۵۰۰ (۱۰۰) ص ۵۰

۱۵۔ مضمون رپورٹیں احمد عید مشہور۔ مدتہ ۵۰۰ (۱۰۰) ص ۲۰۴

۱۶۔ ایسا ص ۲۰۹

۱۷۔ مہمدار قس مرتبہ محمد رفیع، النعل۔ ۱۰۰۰ (۱۰۰) ص ۲۶

۱۸۔ ایسا ص ۲۰۰

۱۹۔ ایسا ص ۷۰

۲۰۔ رپورٹیں مہمدار ۱۰۰۰ (۱۰۰) ص ۱۹۳۲

۲۱۔ مہمدار ۱۰۰۰ (۱۰۰) ص ۱۹۳۲

۲۲۔ باقیات کہاں ص ۴۰۰

۲۳۔ مہمدار ۱۰۰۰ (۱۰۰) ص ۱۴۳

۲۴۔ مہمدار ۱۰۰۰ (۱۰۰) ص ۱۹۳۱

۲۵۔ مہمدار ۱۰۰۰ (۱۰۰) ص ۱۱

۲۶۔ مہمدار ۱۰۰۰ (۱۰۰) ص ۳۱۱

۲۷۔ مہمدار ۱۰۰۰ (۱۰۰) ص ۳۳۴

۲۸۔ مہمدار ۱۰۰۰ (۱۰۰) ص ۵۲

۲۹۔ ایسا ص ۶۳

۳۰۔ بہارستان۔ ص ۵۳۳

۳۱۔ بہارستان ص ۳۰۷

۳۲۔ مہمدار ۱۰۰۰ (۱۰۰) ص ۱۱۸

۳۳۔ ایسا ص ۱۲۳

۳۴۔ یہاں ص ۱۲۵

- ۳۵۔ بہارستان مں ۲۳
- ۳۶۔ بہارستان مں ۵۴۲
- ۳۷۔ زمیندار بہت ۳۔ مارچ ۱۹۲۸ء
- ۳۸۔ تفصیل کے لئے یکمیں بہت شہتہ ، مامیں بہت شہتہ سے از اشرف مٹا۔ سرحد سے اٹھائی
- ۳۹۔ مں ۱۹۶۶ء۔ مں ۵۳ ، ۵۵
- ۴۰۔ بہارستان مں ۵۳۳
- ۴۱۔ بہارستان مں ۳۰۶۔ دوسرے شعر جو حضرت عہدہ اقبال سے متعلق تھا بہارستان مں ۳۰۶۔
- ۴۲۔ بہارستان مں ۳۰۶
- ۴۳۔ بہارستان مں ۳۰۶
- ۴۴۔ بہارستان مں ۳۰۶
- ۴۵۔ بہارستان مں ۳۰۶
- ۴۶۔ بہارستان مں ۳۰۶
- ۴۷۔ بہارستان مں ۳۰۶
- ۴۸۔ بہارستان مں ۳۰۶
- ۴۹۔ بہارستان مں ۳۰۶
- ۵۰۔ بہارستان مں ۳۰۶
- ۵۱۔ بہارستان مں ۳۰۶
- ۵۲۔ زمیندار ۱۲۔ مئی ۱۹۲۹ء
- ۵۳۔ محمد شرف خان ۱۵۔ چاند اعظم۔ مں ۶۶ نیز طے مں مں ۱۵۔ مں ۵۵۔
- ۵۴۔ محمد شرف خان ۱۵۔ چاند اعظم۔ مں ۵۵
- ۵۵۔ بہارستان مں ۳۰۶
- ۵۶۔ بہارستان مں ۳۰۶
- ۵۷۔ بہارستان مں ۳۰۶
- ۵۸۔ بہارستان مں ۳۰۶
- ۵۹۔ بہارستان مں ۳۰۶
- ۶۰۔ بہارستان مں ۳۰۶

اقبال و ظفر اور قیام پاکستان

حضرت حامد اقبال نے اپنے خطبہ الہ آباد (۲۹- دسمبر ۱۹۳۰ء) میں برعظیم کے مسلمانوں سے یہ پیغام اسلامی ریاست کا تصور واضح طور پر پیش فرمایا تھا۔ اس خطبہ کے متعلقہ اغراض تین تھے۔

میں نے پیش کیا کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔ خواہ یہ ریاست سطت ریاست کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل ہے خواہ اس سے باہر۔ مجھے تو یہ نظر آتا ہے کہ اور میں تو شاہ مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو آخر ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنی پڑے گی۔ (۱)

در پھر حضرت علامہ نے حضرت قائد اعظم سے نام اپنے خطبہ میں جو ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۷ء میں لکھا تھا۔ اپنی نادر اسلامی ریاست کے خدوخال مزید واضح کیے۔ مسلم لیگ کے مرکزی صدر نے اس پر قیام سے پہلے میں اور بعد ازاں پنجاب مسلم لیگ سے صدر کی حیثیت سے حضرت حامد کے مسلمان برعظیم سے یہ وہ تمام قدر خدمات سرانجام دیں جن کے اعتراف و تحسین سے یہ ہی ۱۹۴۰ء وقت کے کلمات تحسین کا سبب بن گئے۔ حضرت علامہ کی ان ملی خدمات اور اس سے متعلقہ کامیابی کی اہمیت کا اعتراف خواہ قائد اعظم نے مکاتیب اقبال بنام قائد اعظم کے پیش لفظ محرمہ ۱۹۴۳ء میں یوں فرمایا ہے :

مرزا پاریمانی، مرزا سے اپنی صوبائی شاخوں سے ہمراہ مسلم لیگ کی طرف سے یہ ملی تحفہ، شش کی بر مسلم رائے حامد قابوں سر ۱۹۳۵ء کے تحت صوبائی مجلس قابوں سارکے لیے لیگ کے نمٹ جائے۔ اندوہ انتخاب میں حصہ لیا ہے۔ تو لکھنؤ اخبار اس کی مراد نشاندہی باعث بنا کہ پہلے مرحلے میں مسلم لیگ کی عوامی سطح پر تنظیم و مہم چاہئے اور یہ کہ مسلم لیگ کی ہندوستان سے مسلمانوں کی واحد نمائندہ اور

باختیار جماعت ہے۔ ان دونوں مقاصد سے قصوں میں 'میں اپنے دوستوں میں میں
 ، نہ سر محمد اقبال بھی شامل ہیں' کے انہوں 'قانون' حسب الہامی اور سب غرض مساعی
 ان بدولت نامیاب ہو سکتا ہے۔ میرے 'ایک یہ خطوط' (اقبال کے خطوط بنام قائد اعظم)
 زبردست تاریخی اہمیت کے حامل ہیں بالخصوص وہ خطوط جن میں مسلم ہندوستان کے
 سیاسی مستقبل کے بارے میں ان کے خیالات کا واضح اور غیر مبہم اظہار ہے۔ ان
 کے خیالات پورے طور پر میرے خیالات سے ہم ٹیک تھے اور، غرض ہندوستان
 کے دستوری مسائل کے مطالعہ اور تجزیہ کے بعد انہی نتائج پر پہنچا اور پھر بعد
 میں خیالات ہندوستان کے 'معاہدے' اس متحدہ خواہش کی صورت میں صدر
 ہونے جس کا اظہار اس انڈیا مسلم لیگ کی ۲۳ مارچ ۱۹۴۷ء کی 'ظہور' اور 'قرار'،
 لاہور ہے جو عام طور پر قرار داد پاکستان کے نام سے موسوم ہے۔ (۱)

جنس اسلام، شہنشاہی و ایرانی باستان کی عریاقتی بنیادوں، مشغول اور غرض
 بنانے کے لیے آج بھی اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ امیر پاکستان کی قیادت و خلیف
 کے ہیں۔ اور اس طرح پاکستان کے بارے میں حالی رہے اور نہ، مسلمانوں کے ہونے،
 ہندو، مسلمان، انہی سیاسی و دینی جدوجہدوں میں ایک صاحب ہیں حسن احمد (مریضی، انانہ عام
 ناظمہ) ہیں۔ انہوں نے اپنی انگریزی کتاب بنام اقبال - ہر پوسٹل - سید ذریعہ اس رہنما میں
 اسی راہی انتہا پس گفری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کتاب میں اہمیت سے یہ ایک اور تصور
 پیش کرتی ہیں، کالی زبان سے یہ ویسے ایڈورڈ تھا جس سے نام حضرت علامہ اقبال کا ایک انگریزی نام
 مرقوم ۳ مارچ ۱۹۳۴ء بھی شائع کیا گیا ہے اور اس کی مردم سن ہوئی کی ہے۔ حال ہی میں
 اس خط کا غلط اور مغالطہ آفریں ترجمہ کر کے (یا کسی سے کرا کے) سید مظفر حسین برنی نے
 غلیظت کا یہ قبضہ سہم میں شامل کیا ہے۔ اب اس کا یہ قیافہ شدہ ترجمہ ہے یہ ناظر
 ابھرا ہے کہ حضرت علامہ تحریک پاکستان کے حق میں یہ تھے (انانہ، انانہ یہ رہنما) کا نام
 اس خط میں حضرت علامہ کا موقف یہ تھا کہ وہ چودھری رحمت علی کی پاکستان سکیم کے حامی
 نہیں۔ اس خط کے غلط ترجمہ پر یہ ویسے ایڈورڈ حسین برنی نے بھی رفت کی ہے اس خط کا
 اصل متن اور صحیح ترجمہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے ایک مضمون مشمولہ قبضہ ریویو بابت انانہ
 ۱۹۹۳ء میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے (۲) تحریک پاکستان کے سلسلے میں حضرت علامہ قبضہ کی خدمات
 کے بارے میں حضرت قائد اعظم کی رائے پیش کی جا چکی ہے۔ یہی غیر مبہم اور روشن رائے کی
 ۱۹۴۷ء کی میں میں حسن احمد اور ان کے حواریوں کی عکبوتانہ مافندی و یہ اعتبار و وقار حاصل،

کے ہیں؟

ظفر علی خاں اور مسلم لیگ ۱۹۰۶ء تا ۱۹۳۶ء

یہ حقیقت محتاج التماس نہیں کہ مولانا ظفر علی خاں کا خمیر اسلامیت سے اٹھا تھا اور اس سے
شخصیات کے تمام رنگا رنگ فروع اسی اصل کے شمار تھے مولانا میں دستخبر مسلمان تھے اور
ان کی سلامتی اپنے التماس میں کسی مصلحت اور کسی تہیہ کی روادار نہ تھی۔ جناب اشرف علی
تھانوی سے ایک واقعہ سے حضرت مولانا ظفر علی خاں کی شان اسلامیت پر کافی روشنی پڑتی
ہے وہ جیسے ہیں

”نئی کیو عمل یگ (جس کے بانی مشہور نیشنلسٹ رہنما ڈاکٹر محمد عالم تھے) کے زیر
تعمیر موری اردار کے باغ میں ڈاکٹر سیف الدین چوہدری صدارت میں ایک جلسہ
مستند ہو جس میں مولانا ظفر علی خاں بھی اپنے چند ساتھیوں کی معیت میں پہنچے تھے
اس میں ڈاکٹر چوہدری نے مسلمانوں پر امتیازی امتیازات کے اور اس سرکار کا ان کے
پسے ہندوستانی ہوں اور بعد میں مسلمان بن جائیں اور مولانا ظفر علی خاں پہنچے
تھے فوراً انہیں مخاطب کیا کہ آپ نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ ”میرے لیے یہ عقیدہ
موجب صد ہزار نازش و مہابات ہے کہ میں پہلے مسلمان ہوں اور اس کے بعد کچھ
اور۔ میرا پہلا گھر مکہ ہے دوسرا مدینہ ہے اور تیسرا ہندوستان کوئی اور شہر۔ میں جہاں
جائی ہوں اس مملکت پر حق اس شہنشاہ حقیقی کا ہے۔ ہندوؤں جو آسمان، زمین و فضا
سب مشرق و مغرب کا تاجدار ہے اور جس نے مغربی غیر مسلموں کو غیر متغیر قانون
کا ڈنکا ساری کائنات میں بج رہا ہے۔“ (۵)

مولانا ظفر علی خاں اپنے دیگر ملت افروز معاصرین کی طرح ہمہ اس تنظیم اور جماعت کا
تعمیل میں پیش پیش رہتے تھے جو مسلمانوں کی زبان و فوڑ کے لیے کوشش ہوتی تھی چنانچہ
۳۰۔ نومبر ۱۹۰۶ء کو جب شاہ باغ ڈھاکہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا افتتاحی اجلاس ہوا تو مولانا ظفر
علی خاں بھی اس میں شریک ہوئے جواب سیم اند کے آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کی قرارداد
پیش کی۔ سیم اصل خاں نے اس قرارداد کی تائید کی اور مولانا ظفر علی خاں نے اس قرارداد کی
مدیت میں تقریر فرمائی (۶) مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے بھی مولانا ظفر علی خاں نے ملت اسلامیہ
کے لیے باہموم اور مسلمانوں ہند کے لیے بالخصوص متعدد قابل قدر خدمات سرانجام دیں مسلم
لیگ سے مولانا ظفر علی خاں کے ربط و تعاون کی تفصیل دہلی میں پیش کی جاتی ہے۔

ایک کے اس اجلاس میں جو ۳۰ ستمبر ۱۹۴۵ء اور یکم دسمبر ۱۹۴۶ء کو بمبئی میں منعقد ہوئے۔
جناب جناح کی تحریک پر اس مقدم کی قرارداد منظور کی گئی کہ مسلمانوں کی بہبود کے لیے
صلاحات کی سیم بنالی جالی چاہئے اس سیم تک ریفرم کی توجیح و تحصیل کے لیے قائد اعظم
اور مسلمان رہنماؤں کی ایک کمیٹی بنانے کی تجویز پیش کی۔ اس کمیٹی میں جناب سے اس
ارکان لیے گئے جن میں مولانا ظفر علی خاں بھی شامل تھے۔ (۷)

مولانا ظفر علی خاں اور جی برادران کو بانیس آف انڈیا ایکٹ کے تحت غور بند ہوئے۔
تھا۔ اس انڈیا مسلم لیگ ڈانہواں اس جناب مظہر الحق کی صدارت میں بمبئی میں منعقد ہوا تو
جناب صدر نے متذکرہ مسلمان رہنماؤں کی بدحوازہ نظر بندی کے خلاف قراردادیں انہوں نے
کہا کہ جس امداد میں اس وسیع دائرہ اثر اور مقبوضت کے حامل مسلم رہنماؤں کو تیار پانچ کے
پہلے یہ قوانین نافذ کیا گئے ہیں وہ میرے نزدیک قابل اعتراض ہے۔ ان کی تسمیہ بندی کی ان پہ
نہیں بنائی گئی اور انہوں نے اس سلسلے میں اپنے طور پر ظن و قیاس سے کام لے رہے ہیں۔
خدمت کو اس غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہئے کہ برعظیم کے مسلمان اس کے اقدامات کو درست
سمجھتے ہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہے اور اگر حکومت مسلمانوں کے مشتعل جذبات کو سمجھنے کے لیے
حقیقی خواہش رکھتی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ رہنماؤں کو جلدی رہا کرے۔ (۸) اس اجلاس کی
تیسری نشست یکم دسمبر ۱۹۴۶ء کو بروز ہفتہ بوقت ۱۰ بجے صبح تاج محل ہوٹل بمبئی میں ہوئی۔
اس نشست میں صرف ایک کے ارکان اور یہیں کے نمائندوں کو شرکت کی اجازت دی گئی تھی۔
اس موقع پر (قائد اعظم) محمد علی جناح نے دہلی کی قرارداد پیش کی۔

RESOLUTION V

The All India Muslim League resolves that a committee consisting
of the following gentlemen* be appointed to formulate and frame a
scheme of reforms, and that the said Committee is authorized to
confer with political and other organizations or committees if any,
appointed by such organizations as they may deem fit, provided always
that due regard is paid to the needs and interests of the Muslims
of India in the formation of the aforesaid scheme of reforms.
The Committee shall submit its report and scheme to the Council
of the All India Muslim League to be presented to the league at
its next Annual Session.

اس کمیٹی میں جناب سے اس ارکان پہلے تھے ان میں مولانا ظفر علی خاں کا نام بھی

شامل تھا (۹)

آل انڈیا مسلم لیگ کا نواں اجلاس کنکنو میں ۳۰-۳۱ دسمبر ۱۹۴۶ء کو (قائد اعظم) محمد علی جناح کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس کی دوسری نشست میں ۳۱ دسمبر کو مولانا ظفر علی خاں اور علی برادران کی نظر بندی کے متعلق ذیل کی قرارداد پیش اور منظور کی گئی

RESOLUTION VII

The All-India Muslim League records the deep sorrow and pain that have been caused to the entire Muslim community by the internment of Messrs. Mohammad Ali, Shaukat Ali and Zafar Ali Khan, whose great services to the Muslim cause have placed them in the front rank of Muslim public workers. In view of the fact that no definite charges have been brought against any of these gentlemen, the League prays the Government to restore them to liberty, thereby earning the deep gratitude of the Musalmans of India.

یہ قرارداد جناب مظہر الحق نے پیش کی۔ اس قرارداد پر کنکنو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ تین ترین شخص بھی یہ معلوم کرنے کا حق رکھتا ہے کہ اس کے خلاف کیا الزامات ہیں لیکن اس عظیم اجلاس کو ان پر لگائے گئے الزامات سے سمجھا نہیں گیا تھا۔ انہوں نے چیلنج کیا کہ حکومت کا کون کارندہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ حضرات بغاوت پر اکسائے والے یا نامطلوبہ لوگ ہیں۔ جناب مظہر الحق نے مسلمان ہند پر زور دیا کہ وہ اس معاملہ پر پرزور احتجاج کریں اور لارڈ جیمس فورڈ سے ان رہنماؤں کی رہائی کا مطالبہ کریں۔ سید نبی اللہ، مسٹر یعقوب حسن سینہ اور مسٹر آر۔ ایم۔ غلام حسین نے بھی اس قرارداد کی حمایت کی اور قرارداد منظور ہو گئی (۱۰)۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا سوہواں اجلاس گلوب سینٹر خمیشہ بمبئی کے بڑے ہال میں ۳۰ دسمبر ۱۹۴۶ء کو بوقت گیارہ بجے صبح سید رسا علی کی صدارت میں شروع ہوا۔ اس اجلاس کی تیسری نشست ۳- دسمبر کو چار بجے شام متذکرہ ہال، مقام پر ہوئی۔ اس نشست میں نئے بعد دیگرے منظور ہوئے والی دو قراردادوں (نمبر ۹، ۸) میں مولانا ظفر علی خاں کا ذکر ملتا ہے۔ قرارداد نمبر ۸ میں کہا گیا۔

The All India Muslim League is of opinion that the circumstances of the time imperatively demand that the various Muslim associations of India, representing different shades of political thought and different parts of the country, should co-operate together to the greatest possible extent, and a united and sound practical activity should be developed to supply the needs of the Muslim community, and that for this purpose, it is desirable that

the representatives of the various associations should meet in a conference at an early date at Delhi or at some other central place and that the Secretary of the League should invite the associations and announce a proper time and place for the conference after previous consultation with them.

یہ قرارداد مولانا شوکت علی سے پیش کی گئی تھی۔ مولانا ظفر علی خاں نے اس کی حمایت کی۔ (قائد اعظم) محمد علی جناح اور صاحبزادہ قلوب احمد خاں نے اس قرارداد کی حمایت کی۔ قرارداد سرکاری متن درج ذیل ہے۔

The All India Muslim League appoints a committee of the following gentlemen, with power to add to their number, nine members being necessary to form a quorum, to formulate the Muslim demand regarding the representation of the Muslim community in the Legislatures of the country and in other elective bodies, and their due and proper share in the public services, with power to them to confer with the other political organisations and report to the Muslim League.

اس کمیٹی میں مولانا ظفر علی خاں بھی شامل تھے (۱) مسلم یگ ڈائریسز سیشن ۳۰- دسمبر ۱۹۴۷ء کی تمام نوٹوں میں غلطی میں شروع کیا مولانا ظفر علی خاں اس اجلاس کی تمام نشستوں میں شریک رہے۔ ۳۰ دسمبر کی صبح نو اجلاس کی دوسری نشست ہوئی۔ اس میں قائد اعظم اور دیگر مسلمان رہنماؤں نے سامعین کی نشست کے مقابلے کی قرارداد پس کی یہ قرارداد سر علی امام نے پیش کی تھی۔

اجلاس کی اسی نشست میں خان برکت علی نے ایک قرارداد پیش کی جس کی رو سے یگ کی کونسل، ایک ایسی کمیٹی (Sub Committee) بنانے کا اختیار دیا گیا جو ہندوستان کے لیے آئین کی تسوید کے سلسلے میں ازمین نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی اور دیگر ایسی تنظیموں سے ہمیں وہ مناسب سمجھتی ہو، مذاکرات کرے تاکہ آئین میں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کیا جاسکے اس موقع پر صدر ہائے انتخاب نے مکتوب یہ پڑھا کہ ہونے والی اور دیر ہونے والی پر خوب بحث ہوئی اس بحث میں مولانا ظفر علی خاں نے بھی حصہ لیا مولانا کی اس تقریر کا جواب پہلے دیا جاتا ہے

اس اجلاس ہفتہ کی تیسری نشست (نیم مئی ۱۹۴۸ء) میں، بہار میں مسلم یگ کانفرنس کی اطلاع ملنے پر سر محمد شفیع اور ان کے ساتھیوں نے خلاف قرارداد مذمت منظور کی تھی۔

پرائمٹل مسلم ٹیٹ ہو جس اندر مسلمانوں سے الگ کر دیا یا اور مسلمانوں کو حجاب سے محروم کر دیا۔
 پرائمٹل مسلم ٹیٹ کا نام ہے (۱) صحیح نمبر ۱۰۰ (۲)

مسلم ٹیٹ نے ہی جس میں یہ ڈراؤٹ ڈریس (۱۸) کے سابق، ڈاکٹر
 جیمز ٹیٹ مسٹر بلینڈی (Blandy) کے رویہ کی خدمت کی تھی جس نے بغیر کسی ہمارے اس
 مسلمانوں پر گولی چلانے کا حکم دے دیا تھا۔ جتنی جتنی میں ایک مسجد سے اس میں جتنے تھے اس
 مسئلے میں حکومت بنگال کی بھی خدمت کی تھی، مسلمانوں کی مرثیہ تہذیب سے بہت دور
 رہا۔ یہ دفعی برت رہی تھی۔ ڈاکٹر، مولوی محمد کبریٰ کے پیش میں، ڈاکٹر محمد ارم خان کے
 جس دن توثیق اور مولانا ظفر علی خان نے اس دن حیات میں، مولانا محمد ارم خان، مسلمانوں
 کا ایک خاص لکھنؤ میں مقیم رہا۔ مولانا ظفر علی خان اس میں شریک ہونے سے پہلے یہاں رہا۔
 وکلہٹ میل سے لکھنؤ رہا۔ (۵) اس اندر مسلم ٹیٹ کا بیسواں اجلاس ۱۹۲۶ء۔ سب ۱۹۲۸ء
 و سرورہ محمود آباد کی صدارت میں اسٹاپ ہوا۔ شریعہ ہوا۔ اجلاس کی دوسری نشست
 میں حیات ۱۹۲۷ء ہوئی تیسری قرارداد جناب ایم۔ سی۔ جیٹل کے پیش کی۔ اس قرارداد میں
 مولانا کہ صاحب ذیل ٹیٹ کے نمائندگان سے طور پر اس نوٹیشن میں شریک ہوں گے جو اعلیٰ
 مشعل ڈاکٹر میں جاتے تھے اور مباحث میں حصہ میں تھے۔ یہ حضرت اس طبعی مسئلہ کے نکلنے
 سے نظر پر لحاظ گزار میں غور و خوض کریں گے اور انہیں چوری وقت دیں گے۔ ٹیٹ کے نکلنے
 جس اور سیمینٹ کمیٹی میں مولانا یہاں ہے اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے سامنے میں ان مقصد
 ہم سب سے کو سمجھانے کی چوری کو شش کریں گے جو سرورہ رپورٹ سے ابھرے ہیں۔ یہ نمائندگان
 اپنی مساعی کے نتائج اور روائے کی افحاشیں یا انہیں تاریخ ٹیٹ کے حوالے کریں گے کہ ان
 کے بارے میں فیصلہ کیا جاسکے۔ ان نمائندگان میں درج ذیل اصحاب شامل تھے۔

ساراجہ محمود آباد۔ ایم۔ اے جناح، ڈاکٹر سیف الدین پٹو، ایم۔ سی۔ جیٹل، سب برائے
 علی، مولوی عبدالحمید، مولوی حبیب الرحمن، ڈاکٹر محمود، مولوی حسام الدین، مولوی محمد ارم خان،
 مولانا ظفر علیوں۔ سید یعقوب حسن، مولوی عبدالرحمن، عبداللہ، پٹن، تہذیب اندر خان شیرانی،
 چودھری صبیح الزمان، نواب یوسف علی خان، مولوی مظہر علی (اندر)، مولانا محمد ارم خان، مولانا
 محمد، نوٹیشن وکلہٹ میں پہلے سے چوری تھا اور اس میں سرورہ رپورٹ، مولانا محمد ارم خان، لکھنؤ
 نوٹیشن کی تھی (۱) اس اجلاس میں مولانا مولانا مولانا سے یہ نمائندگان

”اس اندر مسلم ٹیٹ کا یہ اجلاس ایک کمیٹی“ قرار دیا، سب نے سرورہ رپورٹ کو تمام
 پہلوؤں سے جانچنے کی اور ٹیٹ کو رپورٹ پیش کرے گی کہ یہ سرورہ رپورٹ میں

مسلمانوں کے مفادات کے لیے کافی تحفظات فراہم کیے گئے ہیں۔“

مولانا ظفر علی خاں نے ترمیم کی مخالفت کرتے ہوئے کہا۔

”ہندوؤں اور مسلمانوں کی دہشت میں فرق ہے۔ ہندو نہیں میں صداقت اور اخلاص

سے اختلاف کرتے ہیں جبکہ مسلمانوں میں ٹوڈیوں کا ایک ایسا طبقہ ہے جو اپنے فحش

محرکات کی وجہ سے اختلاف کرتا ہے۔“

اس بیان پر ارکان سامعین میں اچھی خاص برہمی پیدا ہو گئی اور ایوان میں کچھ دیر تک

بد نظمی رہی (قائد اعظم) محمد علی جناح نے Point of order اٹھاتے ہوئے کہا مسٹر ظفر علی نے غیر

پارلیمانی زبان استعمال کی ہے۔ انہیں اپنی بات واپس مٹنی چاہئے۔ مولانا نے اپنے ریمارکس واپس

لینے سے انکار کر دیا اور انہوں نے جو کچھ کہا تھا اسے ایک بار پھر دہرایا۔ انہوں نے کہا کہ میں

اپنے بیان کو ثابت کر سکتا ہوں قائد اعظم نے فرمایا کہ لیگ کے کسی ممبر سے یہ توقع نہیں کی جا

سکتی کہ وہ مسلمانوں کے کسی طبقہ کے خلاف سخت الزامات لگائے پھر انہوں نے مسٹر باری سے

کہا کہ وہ اپنی پیش کردہ ترمیم پر زور نہ دیں۔ (۱۷)

مرکزی پارلیمانی بورڈ

آں انڈیا مسلم یک کا چوبیسواں سیشن ۱۱-۱۳-۱۹۳۶ء کو بمبئی میں متاب دورہ میں

سابق چیف جج اور جج کورٹ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس سیشن میں قائد اعظم جی شریف

تھے۔ اس حوالہ میں متعدد انتخابات میں حصہ لےنے کے لیے قائد اعظم کی سرکردگی میں مسلم یک

کا سنٹرل پارلیمانی بورڈ بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس بورڈ کے قیام کے سلسلہ میں قائد اعظم نے جب

بحر کا دورہ کیا ۲۹-۱۹۳۶ء کو وہ لاہور آئے اور یہاں تقریباً ایک ہفتہ ٹھہرے۔ قلم میں

۱۹۳۶ء کو جناب قائد نے شاہی مسجد لاہور میں مسلمانوں سے خطاب فرمایا۔ اس موقع پر ۱۰۰۰۰۰

ملی خاں سب کے ساتھ تھے۔ راز جمعہ کے بعد پہلے مولانا ظفر علی خاں نے اور پھر جناب

قائد اعظم نے تقریریں جناب نسیم سوہروردی لکھتے ہیں کہ اسی موقع پر قائد اعظم نے مولانا ظفر علی

خاں کے بارے میں فرمایا۔

”مجھے اسے صوبہ میں مولانا ظفر علی خاں جیسے دو چار آدمی دے دیں۔ میں آپ کو

نہیں دیتا ہوں پھر مسلمانوں کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ (۱۸)

مراد: پارلیمانی بورڈ میں پہلے مولانا ظفر علی خاں کا نام بیٹھا کہ جناب عاشق قادری نے بعد میں

شامل تھا۔ بعد میں مولانا نے اس سے استعفیٰ دے دی۔ اس سلسلے کی تفصیل قادری صاحب

کتاب 'مولانا ظفر علی خاں اور پاکستان' میں پیش کردہ نئی ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ ان معادلات میں مولانا ظفر علی خاں زیادہ قصور وار نظر نہیں آتے۔ بہرحال مسم یگ کے پار سینٹری بورڈ سے مولانا ظفر علی خاں کے وصل و فصل کے ہنگاموں میں علامہ اقبالؒ بھی مولوی ظفر علی خاں سے مشغول نہیں تھے۔ چنانچہ انہوں نے ۲۳- مئی ۱۹۳۶ء کو قائد اعظم کو لکھا۔

I do hope that the punjab parties - specially the Ahrars and the Ittihad Millat --- wil eventually, after some bickering join you A very enthusiastic and active member of the Ittihad told me so a few days ago. About Mr.Zafar Ali Khan the Ittihad people do not themselves feel sure. (۱۹)

اقبال در ہجو مولانا ظفر علی خاں

اسی دنوں حضرت علامہ قباں سے مولانا کے خلاف یہ شعار "ایکس شاعر" (۲۰) کے خفیہ قلمی نام سے کے۔

سوئے کوہسار اڑ گیا مولوی
بڑے بول (۲۱) نے جب کہا کم ٹوی (۲۲)
کوئی مفتی شر سے پوچھتا
یہ کفر ثقی ہے کہ شر جلی
"مر او را رسد کبریا و منی
کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی" (۲۳)
مگر سادگی سے یہ سمجھا ظفر
کہ نوشیدنی ہے پٹالے کی ٹی (۲۴)

اس زمانے میں سر فضل حسین مسلم یگ کو ناہم کرنے کی سرقوڑ کوشش کر رہے تھے اور اس سلسلے میں قادیانی بھی سر فضل حسین کے حامی تھے یوں سر فضل حسین سے ۲۰ء تا ۲۱ء میل تک ۲ بار واسطہ قادیانیوں سے ربا ضبط قرار دیتے ہوئے حضرت علامہ نے پیرائیس شاعر کے نام سے لکھا۔

سامنے دونوں کے ہے دین و سیاست کی بساط
لائے ہیں دونوں کھلاڑی اپنی اپنی کعبتین
نقطہ فائے فرنگی سے ہے دونوں کی کشود
یہ وہ نقطہ ہے کہ جس سے عین ہو جاتا ہے نین

انتشار ملت ریشا ہے دونوں کی نرض
 متحد چہ کیوں نہ ہوں محمود (۲۵) اور فضل حسین
 مدت رات سے و تحریک میں وہاں طر
 نو طاق میں روا سے انتہا سائن
 یہ وہ قادیان تھی یہ وہاں ہمسار
 بکھری فوس بچارہ ہنر ن زمین
 اب یہ قادیان میں ہے نہ مٹی شریف
 اور یہ مودنی ہے چہرہ سے تفت (۲۶)

ن تاثر میں 'ایس تو' ہے یہ اشعار پشوان 'الہ ال فرعی' ۲۹-۳۰-۳۱-۳۲

رہا ہے اس امر میں غلط ہے

ہو ی ہے مادیان قادیان اس پر سوار
 اب ہماں ہے وہ سوار مادیان قادیان (۳۰)
 آقا یں اس قدر اس ن اشاعت میں ہوا
 پتی پتی — ازا ن رمغن قادیان (۳۱)
 و فرعی ن 'اوالامری سے باز آیا یہ (۳۲)
 س قدر بدلے زمین و آسمان قادیان
 خیر اب پنجاب کی مجھ و نظر آتی نہیں
 ہے بٹالے کے گلے میں رہسمن قادیان
 اس قدر پنجاب میں بام وزارت ہے بلند
 چور چڑھتے ہیں لگا کر نردبان قادیان
 دت سے روٹے گئے چڈت کے استقبال کو (۳۳)
 اکیچ کس روزن سے نکلا ہے دخان قادیان
 میٹھل کور و طواف شملہ و منع جماد
 خود غلام احمد نے سمجھا پیٹیاں قادیان
 ن الہ ال فرعی' کلہ دین بروز
 'الفرعی اکبر' آواز اذان قادیان (۳۴)

ایس شاعر سے سادہ منظومات کی ایک اور نظم ہمنوں حرار اور اتی ملت' میں مٹی

مولانا ظفر علی خاں کا ذکر کیا گیا ہے۔

ذرا سن لو بزرگانِ مجسمِ آمیز کے قے
بڑے سوگوں کے اشغالِ عداوتِ بیز کے قے
ادھر ٹانگتے احرار کی مسجد سے بیزاری
ادھر اک عقدہ مشکل ہیں دستاویز کے قے

دستاویز کا اشارہ تحریک مسجد شہید ٹیچ کی طرف ہے، تحریک مسجد شہید ٹیچ 'نامی کتاب' سے
ذات سے ڈاکٹر صابر گلوروی نے متذکرہ ہے، دستاویز کے سلسلے میں ایل ڈاؤنٹ لکھا ہے
"۱۹۲۲ء میں خدشت کمیٹی کے سیکرٹری جس ملک محل جوں اور سکھوں کے درمیان
ایک معاہدہ طے پایا تھا جس کے مطابق یہ مسجد مسلمانوں کے قبضے میں رہی تھی
لیکن نامعلوم وجوہ کی بنا پر مسلمان اس مسجد پر اپنا قبضہ مستحکم نہ کر سکے یہ دستاویز
ملک محل جوں کے پاس تھی جب مسجد کا دعویٰ عدالت میں دائر کرنے کا فیصلہ ہوا
یا تو اس دستاویز کی ضرورت محسوس ہوئی ملک محل جوں نے یہ دستاویز دفتر
زمیندارا بھٹا دی تھی کسی طرف یہ مولانا ظفر علی خاں کے صاحبِ ذات اثر علی
خاں ملک بھٹا کے پاس سے چند ٹکوں کے عوض سکھوں کے حوالے کر دیا۔" (۳۱)

۱۹۳۷ء کے انتخابات

جنوری، فروری ۱۹۳۷ء کے صوبائی انتخابات میں مسلم لیگ احرار اور مجلسِ اتحادِ ملک نے
اپنے الگ امیدوار کھڑے کیے۔ اتحاد پارٹی (یونینسٹ) اس دن حریفِ غالب تھی ان
انتخابات میں مسلم لیگ کے سات امیدواروں میں سے صرف دو کامیاب ہوئے یعنی ملک برکت
علی اور راجہ فٹنسر علی خاں۔ منتخب ہونے کے فوراً بعد راجہ صاحب بھی اتحاد پارٹی سے جاملے
اور اسمبلی میں صرف ایک لیگی ممبر باقی رہ گیا۔

ان انتخابات میں اگرچہ مجلسِ اتحادِ ملت نے اپنے الگ امیدوار کھڑے کیے تھے لیکن مولانا
ظفر علی خاں نے احرار کے خلاف اور لیگ کی حمایت میں بھرپور انتخابی مہم چلائی مثلاً امرتسر میں
انوار کے میدان شیخ صاحب امین کے مقابلہ میں ڈاکٹر سیف الدین چلو تھے ڈاکٹر چلو مسلم لیگ
کے پیٹروں سے ایکشن ٹرنے کے لیے تیار نہ تھے اور علامہ اقبال نے انہیں آزاد امیدوار
کے طور پر ایکشن ٹرنے پر رضامند کر لیا تھا (۳۳) مولانا ظفر علی خاں نے ۲۷ دسمبر ۱۹۳۶ء کو چلو
کے حق میں فرمایا

کون دے گا ووٹ بیچارے حسام الدین کو
کچلو امرتسر میں جب مختار مطلق ہو گیا (۳۴)

ڈاکٹر کچلو زیر ہیں اور حسام الدین ہیں زیر

یہ دامن اس عہد کی دو عملی سیاسیات کا (۳۵)

اس طرح ملک برکت علی کی حمایت میں آپ نے ۱۹- جنوری ۱۹۷۳ء کو لکھا

اگر سرکار مرشد تھی تو اجزائی ولی نکلے

اور ان کی گوشمالی کو ملک برکت علی نکلے (۳۶)

۱۹۷۳ء کے انتخابی نتائج کے پس منظر میں مولانا ظفر علی خاں نے ۷ مئی ۱۹۷۳ء کو

تاکید اعظم کے نام ایک خط لکھا اور مسلم لیگ کو زیادہ منظم اور فعال بنانے کی ضرورت پر زور

دیا۔ اس انگریزی خط کی عکسی شبیہ اور اس کا ترجمہ جناب زاہد منیر عامر کی مرتب کردہ کتاب

”مکاتیب ظفر علی خاں“ میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

۱۹۷۳ء کے ضمنی انتخابات اور کونسل کی رکنیت کے انتخابات میں بھی مولانا ظفر علی خاں

نے مسلم لیگ سے بھرپور تعاون کیا اور اپنی تحریر و تقریر سے مسلم لیگ کی مدد کی۔ تفصیل کے لیے

دیکھیں ہماری کتاب ’مولانا ظفر علی خاں اور پاکستان‘۔

مجلس اتحاد ملت اور مسلم لیگ

مسلم لیگ سے مولانا ظفر علی خاں کے عمل اشتراک و تعاون ہی کا ایک کرشمہ تھا کہ مولانا

نے اپنی جماعت مجلس اتحاد ملت ’کو مسلم لیگ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ مجلس اتحاد ملت، تحریک

مسجد شہید عجمی کے دوران میں ۱۹۳۵ء میں تشکیل پذیر ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ مسلم لیگ کے

احد اس لکھنؤ (اکتوبر ۱۹۳۷ء) میں مولانا نے مجلس اتحاد ملت کو مسلم لیگ میں ضم کر دیا تھا۔ لیکن

بے ایسا کوئی اعلان ہوا ہو لیکن تاریخی ریکارڈ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مجلس اتحاد ملت ۱۹۴۰ء تک

قائم رہی اور اس نے موقع بہ موقع مسلم لیگ کا بھرپور ساتھ دیا حتیٰ کہ قرار داد پاکستان (۱۹۴۷ء)

۱۹۴۰ء) کے سلسلہ میں بھی مجلس اتحاد ملت نے نمایاں خدمات سرانجام دیں جناب ابو سعید انور

کے اس خیال سے انکار مشکل ہے ”ایسی جماعت (اتحاد ملت) سے جناب میں ان کی وجہ سے

بائنسوس اور یوپی، صوبہ سرحد میں بالعموم مسلم لیگ کو ابتدائی کارکن میسر آئے اور پھر قریہ قریہ

گاؤں گاؤں نور مورانا مرحوم (مولانا ظفر علی خاں) نے مسلم لیگ کا پیغام سنایا۔“ (۳۷)

مولانا مرکزی قانون ساز اسمبلی میں

۱۹۴۷ء میں مولانا ظفر علی خاں سمنس یونسلٹیو اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اس کی سبیل یہ ہوئی کہ اپریل ۱۹۴۷ء میں پنجاب کی طرف سے مرکزی قانون ساز اسمبلی کے رکن کے ایل کا مستغنی ہو گئے اس خالی نشست کے لیے مختلف سیاسی پارٹیوں نے اپنے امیدوار کھڑے کیے مسلم لیگ کی طرف سے مولانا ظفر علی خاں نے اس ضمنی انتخاب میں حصہ لیا اور کامیاب ہو کر ۲۳ اگست ۱۹۴۷ء کو سمنس اسمبلی میں رکن کی حیثیت سے پہنچے۔ مسلم لیگ کے رکن اسمبلی کی حیثیت سے مولانا نے مسلمان برعظیم اور مسلم لیگ کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ مثلاً ۱۔ ستمبر ۱۹۴۷ء کو جب مرکزی اسمبلی میں ستمبر ۱۹۴۷ء کے دستور ہو جانے کے حد نیا آئین بنانے کے لیے ایک کمیٹی کی تشکیل پر بحث ہو رہی تھی، مولانا ظفر علی خاں نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

”سندھ تقسیم ہندوستان میں وہ رویہ اختیار کر رہے ہیں جو ایک بڑے بھائی نے چھوٹے کے ساتھ مکان کی تقسیم میں کیا تھا۔“

از صحن خانہ تاب لب بام ازاں من
وز بام خانہ تاب ثریا ازاں تست
انگریز باتوں سے نہیں نکلیں گے۔ اگر لڑنے پر آمادہ ہو تو میں ساتھ دے سکتا ہوں۔
راخلوں پاش منبری کی سی فراست اور فراخ دلی اختیار کرو۔ مسلمانوں کو کچلنے کے بارے میں باز آؤ۔“ (۳۸)

مسلم لیگ کا اجلاس لکھنؤ

مسلم لیگ کا چھپواں سالانہ اجلاس ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو شروع ہوا۔ اور ۸۔ اکتوبر تک جاری رہا۔ اس اجلاس کی صدارت قائد اعظم نے فرمائی۔ مولانا ظفر علی خاں اس اجلاس کی تمام نشستوں میں شریک رہے اس اجلاس کی تیسری نشست اتوار ۱۷ اکتوبر کو صبح ساڑھے دس بجے محمد علی جناح کی صدارت میں ہوئی۔ اس نشست میں مسلم لیگ کے نازہ صورت حال میں اپنے نصب العین اور مطمح نظر کا اعلان ایک قرارداد کی صورت میں یوں کیا قرار پایا کہ اس انڈیا مسلم لیگ کا مطمح نظر ایسی آزاد جمہوری ریاستوں کے دفاق کی صورت میں کامل آزادی حاصل کرنا ہے جن میں ہمیں کے اندر مسلمانوں اور دوسری

اقلیتوں کے حقوق اور مفادات مناسب اور موثر طور پر محفوظ ہوں " یہ قرارداد مولانا حسرت موہانی نے پیش کی اور اس کی وضاحت میں تقریر بھی فرمائی۔ مولانا ظفر علی خاں نے اس قرارداد کی تائید کی اور فرمایا کہ مسلمان ہمیشہ آزادی کے لیے مجاہد رہے ہیں۔ ہندوستان صرف ایک قوم پر مشتمل نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو جمہوریت کے بہترین اصولوں کے مطابق مسلمان ہمیشہ اکثریتی طبقہ کے رکن و اہل قریب ہوتے لیکن انہوں نے اس حیثیت میں رجب سے انکار کیا ہے۔ مسلمانوں کو حصول آزادی کے لیے جدوجہد میں چاہیے اور دوسرے طبقوں کو حصول آزادی میں مدد دین چاہیے۔" (۳۹)

اجلاس لکھنؤ کی اسی نشست میں مولانا ظفر علی خاں نے مسجد شہید ٹیچ کے بلاکس از اسلام کی خدمت مسجد بنی بھالی اور اس کی ارسہ نو تعمیر کے بارے میں بھی ایک قرارداد پیش کی جس کی تائید وفیر ملک عنایت اللہ نے کی۔ (۴۰) اسی نشست میں مولانا نے ایک قرارداد بلوچستان کے بارے میں پیش کی جس میں حکومت برطانیہ پر زور دیا گیا کہ وہ بلوچستان میں موجود مسلمانوں کے حقوق کی طرف توجہ دے اور ان کی طرح جمہوری طریقہ حکومت قائم کرنے کے لیے فوری اقدامات لے۔ صدر خانات پخت بھی جو حد میں مسلم یب کے حق میں سرابستان ثابت ہوا ایک نے اسی اجلاس لکھنؤ میں صورت پذیر ہوا تھا اور اسی اجلاس لکھنؤ میں صدر حیات (ذیف منہ بجا ب) اور فضل الحق (ذیف منہ نکل) نے اپنے مسلم اکثریت کے پارلیمانیوں کو مسلم یب میں مدغم رہنے کا اعلان کیا تھا اور مسلم رابطہ کی مہم بھی جاری کی گئی تھی۔ (۴۱)

مسلم یب اور اتحاد پارٹی (یونینسٹ پارٹی) کے باہمی اشتراک و تعاون کے خیالات، مگر مسلم زعماء کی طرح مولانا ظفر علی خاں بھی بہت خوش تھے اور اپنی اس خوشی کا اظہار انہوں نے متعدد نظموں میں کیا۔ مثلاً ۱۹- اپریل ۱۹۳۸ء کو طہمت کے ایک جلسہ میں صدر جلسہ مولانا شوق علی کی فرمائش پر انہوں نے ایک نظم کہی اور اس میں فرمایا۔

سکندر اور جین قوم کی آنکھوں کے مارے ہیں

اسی سے شوکت اسلام کا اندازہ ہوتا ہے

مسلم لیگ کے اسی اجلاس لکھنؤ میں مولانا ظفر علی خاں کی ایک تقریر کا ذکر حساب مآثر

حسین بٹالوی نے درج ذیل الفاظ میں کیا ہے۔

"۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں لکھنؤ میں آئی انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا تو قائد اعظم نے

پہلی مرتبہ اپنے ہاتھ سے یہ ٹاپریم کیا اور آئندہ اس منٹ کی محترمہ تقریر میں قومی

یہیم کی ایسی بات نہ تھی۔ انگریزی میں تھی۔ دھوکے سے مولانا (ظفر علی خاں) سے
 یہ کہ اس نامہ دار میں زبردستی کیجئے۔ مولانا نے ترجمہ کی آڑ میں اپنی تقریر شروع
 کی۔ پان منٹ جاری رہی۔ دوران تقریر میں ایک موقع پر جوش میں آ کر کہنے
 لگے۔ ہم نہیں سوتیہ دیتے اور ہم نے دنیا کو تین حصہ کر دیا۔ "میرے پاس دو لکھنوی
 اصحاب تھے۔ اس روایت غلطی پر بھڑک اٹھے اور آگے بڑھ کر کہنے لگے
 "انہ ظفر علی خاں یہ تجھے ہی جہد ہے۔" (۲۲)

کچھ اور انتخابی دورے

۱۹۳۳ء میں مولانا مسلم لیگ کے حق میں دورہ اراک مقامات کے انتخابی دورے گئے اور
 اپنی لسانی اور وجدانی صلاحیتوں سے مسلم لیگ کو فائدہ پہنچایا۔ اس ضمن میں حسن پور (ضلع مراد
 آباد) امرتسر، سہارنپور اور ہندو شرو وغیرہ کے انتخابی دورے خصوصاً قابل ذکر ہیں ان میں سے ایک
 دوروں میں مولانا شوکت علی بھی آپ کے ہمراہ رہے۔ مولانا شوکت علی کے بارے میں جنس
 اعتبار انہی دوروں کے دوران میں کہے گئے۔ مثلاً اپنے دو اشعار کی شان نردن دین سنگھ نے
 مولانا ظفر علی لکھتے ہیں

"دھان پور میں ایک در لطف ہوا۔ ابھی چاء پیئے سے فراغت ملی تھی کہ مولانا
 شوکت علی کو جو اس دورہ میں میرے رفیق طریق تھے، پیشاب کی حاجت ہوئی۔ جب
 وہ دب خانہ سے مست ہاتھی کی طرح ہنساتے بھجاتے ٹٹے تہ یاراں سر پل سے گئے۔
 کچھ اس پر بھی۔ میں نے فی ابد یہ یہ قطعہ عرض کیا۔

دھان پور سے جناب حضرت شوکت علی
 ہاتھ رکھے قبضہ شمشیر جوہر دار پر
 اس سے مراد وہ شمشیر ہے جو مولانا شوکت علی کو اپنے برادر مرحوم رئیس دھار محمد
 علی جوہر سے ترکہ میں ملی تھی۔

میں نے پوچھا کانگریس کے حق میں کیا کہتے ہیں آپ
 جنس کے بولے کانگریس کو مارتا ہوں دھار پر
 دھار سے کچھ اور۔ سمجھ لیجئے گا۔ اس سے یہاں گوارن دھار مراد ہے" (۲۳)
 مسلم لیگ سے مولانا ظفر علی خاں کے اشتراک و تعاون کے سلسلہ میں ذیل کی شہادتیں بھی
 قابل ملاحظہ ہیں۔

۴۔ نومبر ۱۹۳۷ء کو پنجاب پراونشل مسلم لیگ کے اعزازی سیکرٹری جناب غلام رسول نے حضرت قائد اعظم کو لکھا :

”جہاں تک تنظیمی کمیٹی کا تعلق ہے پراونشل لیگ پہلے سے موجود ہے اور ہم ضلع تحصیل درگاؤں کی سطح پر شاخیں قائم کر رہے ہیں اس لیے یہاں کسی تنظیمی کمیٹی کی ضرورت نہیں لیکن اگر اس انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ کی قرار داد کی رو سے تنظیمی کمیٹی کا قیام ضروری ہے تو اس سلسلے میں درج ذیل نام تجویز کیے جاتے ہیں۔“

اس کے بعد غلام رسول صاحب نے چھپیس افراد کے نام تجویز کیے ہیں جن میں مولانا ظفر علی خان کا نام بھی شامل ہے۔ (۲۳)

جناب غلام رسول اپنے اسی مکتوب میں مسلم لیگ کے نظریاتی شدہ سنٹس پارلیمانی بورڈ کا ذکر کرتے ہیں اور شکوہ کرتے ہیں کہ اس بورڈ میں سات نشستیں سر سکندر کی پارٹی کو مل گئی ہیں اور ان کے مقابلے میں ہم ہشموں مولانا ظفر علی خاں صرف تین رہ گئے ہیں۔ (۲۵)

۹۔ نومبر ۱۹۳۷ء کو جناب شفاعت احمد خان نے قائد اعظم کے نام اپنے خط میں مسلم لیگ سے احرار کی پیچیدگی اور مولانا ظفر علی خان کی پڑھائی پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا۔

”احرار کانگریس میں شامل ہو گئے ہیں کیونکہ مولانا ظفر علی خان لیگ میں شامل ہو گئے ہیں۔“ (۲۶)

۲۷۔ دسمبر ۱۹۳۷ء کو مسجد شہید منج کے سلسلہ میں مجلس اتحاد ملت اور مسلم لیگ کا مشترکہ اجلاس شاہی مسجد لاہور میں ہوا جس میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے مولانا ظفر علی خان نے مسلمانوں کو اتحاد کا درس دیا۔ (۲۷)

ظفر علی خاں اور مسلم لیگ ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۰ء تک

مسلم لیگ اور پاکستان کے لیے مولانا کی ۱۹۳۸ء سے اوائل ۱۹۴۰ء تک کی خدمت کا مختصر ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

(۳۰-۳۱ جنوری ۱۹۳۸ء میں کونسل آف دی آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں جو قائد اعظم کے زیر صدارت منعقد ہوا شاہ مغربی سرحدی صوبہ میں مسلمانوں کی تنظیم کے لیے جو کمیٹی بنی اس میں مولانا ظفر علی خاں بھی شامل تھے۔ (۳۸)

(۳۱-۳۲ اپریل کو حضرت علامہ اقبال کا وصال ہو گیا۔ مولانا ظفر علی خاں ان دنوں طگت میں تھے یہ وحشت خیز خبر سنا کر مولانا نے وہ ترقیتی اشعار کہے جن کا مطلع درج ذیل ہے۔

گھر گھر کی چرچے ہیں کہ اقبال کا مرنا

اسلام کے سر پر ہے قیامت کا گزرنہ

○ ۲۔ جولائی ۱۹۳۸ء کو مولانا نے بمبئی میں فرمایا۔

بھارت میں بلائیں دو ہی تو ہیں اک سادہ کر اک گاندھی ہے

اک جھوٹ کا چلتا جھکڑ ہے اک مکر کی اٹھتی آندھی ہے

منہ پر ہے صدا آزادی کی اور دل میں شوق غلامی کا

آندھی تھکی ہوا انگریزوں کی ان دونوں نے مل کر باندھی ہے۔ (۴۹)

۱۷ اگست ۱۹۳۸ء میں مولانا "صندل ہال شملہ میں مقامی انجمن اسلامیہ کی طرف سے ایک تقریبی جلسہ میں حاضر ہوئے اور ایمان شمس بدھ کو تھے۔ مسٹر جینا (قائد اعظم محمد علی جناح) بھی ہواے گئے تھے۔ ان کی تقریر بعد میری تقریر ہوئی جس کی تمہید ذیل کے پرستہ اشعار تھے۔

دیا یہ درس صندل ہال میں جینا نے یاروں کو

تمہیں مرنا نہ آئے گا تو جینا بھی نہ آئے گا

مسلمانو مسلمان نام ہی کے ہو تو سن رکھو

تمہارے کام مکہ اور مدینہ بھی نہ آئے گا

مندر کو نہ پیرو گے خدا کا نام ادا کرے

یقین مانو کہ ساحل تک سفینہ بھی نہ آئے گا

۲۲ مارچ ۱۹۳۸ء میں مسلم نیک کاغز میں مولانا نے تقریر کی جس کے زیر صدارت مسعود

والی اپنی صدارتی شب میں مولانا نے دو قومی نظریہ کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے فرمایا

”مذہبی سرگارت کے خاتمہ، نماز و عبادت کرنے والے، اچھے، رستہ والے، محبوب ہیں۔ وہ

نہتہ و عذاب ہونے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ یہ ملت، قومیں، مذہب، مذہب ہیں۔ وہ

نہتہ و عذاب ہونے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ یہ ملت، قومیں، مذہب، مذہب ہیں۔ وہ

نہتہ و عذاب ہونے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ یہ ملت، قومیں، مذہب، مذہب ہیں۔ وہ

نہتہ و عذاب ہونے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ یہ ملت، قومیں، مذہب، مذہب ہیں۔ وہ

نہتہ و عذاب ہونے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ یہ ملت، قومیں، مذہب، مذہب ہیں۔ وہ

نہتہ و عذاب ہونے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ یہ ملت، قومیں، مذہب، مذہب ہیں۔ وہ

نہتہ و عذاب ہونے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ یہ ملت، قومیں، مذہب، مذہب ہیں۔ وہ

نہتہ و عذاب ہونے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ یہ ملت، قومیں، مذہب، مذہب ہیں۔ وہ

ہوں کہ وہ ہندویت میں ابداء غم نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر ہندو مسلمان ہلاک ہوں۔
 آئین اور تہذیب اختیار کر لیں تو پنڈت جو اب ہال شہر کا یہ قول صحیح ہو سکتا ہے کہ
 ہندوستان میں صرف ایک جاتی آباد ہے۔ (۵۱)

۵۰۔ فروری ۱۹۳۹ء کو آپ نے گاندھی صاحب کو یہ خراج پیش کیا :

اے سامری وقت کہ گاندھی ہے ترا نام
 کہتے ہیں نصاریٰ کا تجھے بندہ بے دام
 ہندو کو مسلمان سے لڑانا ہے ترا کام
 ہم کو نظر آتا ہے جو ہو گا ترا انجام
 اے دشمن اسلام !
 سانچے میں انہما کے مسلمان نہ ڈھلے گا
 سرحد کے پٹھانوں پر یہ ہاتھ نہ چلے گا
 چرخہ لیے بیٹھ ہوا تو ہاتھ سے گا
 مدت سے تری تاب میں ہے روش ایم
 اے دشمن اسلام ! (۵۲)

۱۳۱۔ ۱۵ مارچ ۱۹۳۹ء کو مولانا نے بورسہ والے جلسوں میں شرکت کی اور مسلمانوں کی سیاسی
 و اقتصادی طور پر مضبوط ہونے کی تلقین فرمائی (۵۳)

۱۳۲۔ اپریل ۱۹۳۹ء میں مولانا نے صوبہ بہار کے متعدد شہروں کا دورہ کیا اور اسلام کی تبلیغ اور
 مسلم لیگ کی تنظیم و تقویم کے فرائض سرانجام دیے۔ (۵۴)

تخریب آزادی اور قیام پاکستان کے سلسلے میں مولانا پھر علی گڑھ کی مسلم لیگ میں
 توجہات مولانا کی اس ڈائری سے بھی متنی ہیں جس کے تحت ۱۹۵۰ء میں ریسرڈار میں شائع
 ہوئے۔ مولانا ۲۸۔ جولائی ۱۹۳۹ء کی روایتوں لکھتے ہیں

”صبح اس بے کوٹ پانچا قاضی محمد عیسیٰ مسلمان بن گئے اور ان کے ہاتھوں
 کے ہمراہ اسٹیشن پر استقبال ہوا۔ ان کے خاں صاحب بھی یہاں تھے۔ مولانا نے ان کے
 محسوس کیا اور ان کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ میں کھوم پھرے۔ صبح محمد عیسیٰ نے
 رضا کاران لیگ کے مقام پر فریاد کیا کہ ارباب مسلمانوں نے رات کو ان کے
 دھرت دی۔ رات کو جاسے عام ہوا۔ میں بازار سے گھر چلے گیا۔ میری آنکھوں میں
 آزادی کا بے پناہ جذبہ لوگوں کے دلوں میں دوڑ گیا۔ بلوچستان سے بہار و بنگالہ

دوسرے صوبوں کی طرح امدادات حاصل کرنے کا عزم کر لیا گیا۔ (۵۵)
 اثر است اور اول مل تمبہ میں تب نے بھیرہ اور سرگودھا وغیرہ کا دورہ کیا۔ ۲۳۔ اگست کو
 تب نے بھیرہ میں کانگریس اور گاندھی صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

کچھ اس کی بھی خبر ہے تم کو چرخی کاتنے والو
 کہ کھواروں کے سایہ میں مسلمان کا بھیرا ہے
 مسلمان ہی یہ کیا موقوفہ قومیں بھی غائب ہیں
 تب نے میں کون جس سے سوت اٹھا کا انیرا ہے
 رسوں نے کے گمہ میں یہ کیا انقلاب آیا
 کہ گاندھی جی کی کنیا عالمان دیں کا ڈیرا ہے
 خدا ہی جانتا ہے حشر اس ٹولی کا کیا ہو گا
 حرم سے جس کی بدبختی نے رخ ملت کا بھیرا ہے (۵۶)

مارچ ۱۹۴۰ء کو مرکزی اسمبلی میں مسٹر اینے (Mr Anne) کی ایک تخفیف کا جواب دیتے
 ہوئے مولانا ظفر علی خاں نے کہا کہ

”بھلا یہ چاہتے ہیں کہ ملک ایک اور قومیت ایک ہو تو ان کو چاہئے کہ انہما اللہ
 محمد رس اللہ پڑھ کر اس پر ایمان لے آئیں تو ایک قوم ہو جائیں گے۔“ (۵۷)
 ان دنوں ملک میں بھی مولانا ظفر علی خاں نے مرکزی اسمبلی کے اندر اور باہر تقریباً ہر موقع پر
 قائد اعظم اور مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔

قرار داد پاکستان

مسلم لیگ کا اجلاس لاہور ۲۲۔ مارچ ۱۹۴۰ء سے شروع ہوا تھا۔ روزنامہ زمیندار نے ۱۹۔
 مارچ ۴۰ء میں لکھا کہ ۲۰۔ مارچ کو مسلم لیگ نمبر ۵۰، جسے گائیڈن یہ نمبر معلوم ہیں کیوں شائع
 کیا گیا۔ ۲۱۔ مارچ ہی کو قائد اعظم اجلاس میں شریک ہونے کے لیے لاہور تشریف لے رہے
 تھے ان کے استقبال کے لیے مرزا قیاز علی صاحب اعلیٰ جیتے نیلی پوشی (جس مولانا ظفر علی خاں
 نے قلم نامہ محسن احمد مت) شائع کیا، اس کی طرف سے روزنامہ زمیندار کے شمارہ ۲۱۔ مارچ کی
 جانب سے لاہور کے پبلیشنگ خاندانوں کو یہ اطلاع دی گئی :

”بہر حال لاہور کے نیلی پوش رضا کاران اتحاد ملت کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آل انڈیا
 مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح ۲۱۔ مارچ ۱۹۴۰ء کو جمعرات کے اس وقت ٹھیک

نوبے صبح لاہور اسٹیشن پر تشریف لا رہے ہیں۔ آپ کا جلوس شہر کی طرف روانہ ہو گا اس لیے انہیں بذریعہ اخبارات اطلاع دی جاتی ہے کہ صبح سات بجے باغ بیرون دہلی دروازہ میں پہنچ جائیں تاکہ تمام ٹیلی پوسٹ جیش ایک نظام کے ماتحت اسٹیشن پر پہنچیں اور جلوس میں شامل ہوں۔ بھائی دروازہ 'مزٹک' باغ پورہ اور سوہتی دروازہ کے سادروں کو بھی اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ بھی اسی مقام پر صبح سات بجے پہنچ جائیں۔" (۵۸)

۲۱ مارچ ۱۹۴۰ء ہی کے "زمیندار" میں میاں بشیر احمد پیرسٹراٹ، سیکرٹری مجلس استنبیہ نے "آں انڈیا مسلم لیگ کا اہم تاریخی اجلاس" کے عنوان سے ۲۲- مارچ کا مجوزہ پروگرام شائع کرایا اور مسلمانوں سے استدعا کی کہ وہ پورے جوش و خروش کے ساتھ ۲۲- مارچ کے جلسوں اور اجلاس میں شریک ہوں اور اس قومی اجتماع کو بے مثال بنائیں۔ "آں انڈیا مسلم لیگ" سے اجلاس لاہور میں شریک ہونے کے لیے حضرت قائد اعظم ۲۱- مارچ دہلی صبح اسپتال میں ذریعے "دور پہنچے۔ اسی روز انہوں نے ۱۹- مارچ کو زخمی ہونے والے خاندانوں کی میڈیسیٹوں میں جا کر عیادت کی اور اسی روز چار بجے شام انہوں نے منٹو پارک میں پرییم سنائی کی رسم ادا فرمائی۔ "آں انڈیا مسلم لیگ" کا کھلا اجلاس ۲۲- مارچ کی سہ پہر کو شروع ہوا۔ اس اجلاس میں قائد اعظم نے بھی خطاب فرمایا۔ ۲۲- مارچ ہی کو بقول عبدالملک رات کے ۱۰ بجے اور بتوں عاشق حسین بناوکی "ٹنڈہ بجے کے قریب مسلم لیگ کی مجلس مضامین (Subject Committee)"

اجلاس شروع ہوا۔ اس اجلاس کی کارروائی بیان کرتے ہوئے بناوکی صاحب لکھتے ہیں

"اسی شام ٹنڈہ بجے کے قریب مجلس انتخاب مضامین (سیکشن کمیٹی) کا جلسہ ہوا۔ خاندانوں کے حادثے (۱۹- مارچ ۱۹۴۰ء) کے متعلق نم و عصر کا اظہار کرتے ہوئے لیے اکثر ارکان نے مختلف قراردادیں پیش کرنے کا نوٹس دے رکھا تھا۔ خیال تھا کہ اس نشست میں اس قراردادوں پر بحث ہوگی لیکن قائد اعظم نے شروع ہی میں کہہ دیا کہ خاندانوں کے مسئلہ کو سر دست ملتوی کیا جاتا ہے۔ پھر نواب زادہ یاقوت علی خان نے قرارداد پاکستان پیش کی جس کا اہم حزد یہ تھا کہ ہندوستان کے شمال مغرب اور شمال مشرقی حصے میں ان خطوں کو جو جغرافیائی طور پر ایک دوسرے سے متصل و ملحق ہیں اور جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، ملاقاتی رد و بدل کے ساتھ باقی ہندوستان سے الگ کر کے مقتدر و خود مختار مملکت میں تبدیل کر دیا جائے۔ قائد اعظم چاہتے تھے کہ اسی وقت مناسب بحث کے بعد یہ قرارداد منظور کر لی جائے۔ لیکن حاضرین کی رائے

تھی کہ قرارداد چونکہ بے حد اہم ہے اس لیے اس میں اس کے مختلف پہلوؤں پر سوچنے کا مزید موقع دیا جائے اس کے علاوہ قرارداد کا متن انگریزی میں تھا اور بعض لوگ انگریزی نہیں جانتے تھے چنانچہ مولانا ظفر علی خاں نے وہیں قرارداد کا اردو میں ترجمہ کیا اور مفصل بحث دوسرے دن پر ملتوی کر دی گئی۔" (۶۰)

بناوٹی صاحب نے اپنے ایک اور مصمون بعنوان 'مولانا ظفر علی خاں' میں واقعہ مندرجہ بالا کی مزید تفصیلات فراہم کی ہیں۔ لکھتے ہیں:

"۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء (یہ سو کتابت ہے اصل تاریخ ۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء ہے) دفتر) کو جس انداز مسلم لیگ کے اجلاس امور کی پیمائش کی گئی میں جواب راہ یافت علی خاں نے قرارداد پاکستان پیش کی تو قرارداد کا مسودہ انگریزی میں تھا حاضرین میں سے بعض انگریزی نہیں جانتے تھے۔ اسوں نے ارادہ کرتے کے لیے اصرار کیا تو جواب راہ مردم نے یہ کہہ کر کانڈ مولانا ظفر علی خاں کے جواب کر دیا کہ آپ سے بہتر ترجمہ کون کر سکے گا مولانا نے وہیں بیٹھے بیٹھے نہایت خوبصورت اور مستطین اردو میں ترجمہ کیا۔ قرارداد کے متن میں غلط زبانی بار بار آتا ہے۔ مولانا نے اس کا ترجمہ منطوقہ کیا۔ اجلاس ختم ہوا تو میں نے مولانا کو مبارکباد پیش کی کہ ترجمہ تو ہم ایسے اناڑی بھی کر سکتے ہیں لیکن یہ صحیح خرائیاتی اصطلاح 'منطوقہ' آپ ہی کو سوجھ سکتی ہے۔" (۶۱)

قرارداد کے اردو میں ترجمہ ہونے کے واقعہ، حیدر الدین صاحب نے "انجمن" میں اور اس کے نتیجے میں جناب غلام حسین زید نے اپنی کتاب "مولانا ظفر علی خاں احوال و شمار" (ص ۲۵) میں ۲۳ مارچ کی تاریخوں میں شریعت کے صحیح نہیں ہے۔ ڈاؤنڈ-شیرک پاکستان میں آرچہ قرارداد کے ترجمہ کا ذکر نہیں کیا یہاں تک کہ صحیح نہیں ہے۔ ڈاؤنڈ-شیرک پاکستان میں آرچہ کو ۲۲ مارچ (بروز جمعہ) کا واقعہ قرار دیا ہے جو تھوڑے کے باعث (جیسا کہ بناوٹی صاحب کے مندرجہ بالا یاں سے بھی ظاہر ہے) بہت ۲۳ مارچ کے (دبے سے پہر تک جاری رہا) (۶۲) ڈاؤنڈ-شیرک پاکستان جلد سوم کے مطابق مسلم لیگ کا دوسرا اجلاس ۲۳ مارچ کو نہیں بلکہ ۲۴ مارچ کو شروع ہوا۔ بقول جناب عبداللہ ملک:

"پہلے یہ طے پایا تھا کہ مولوی ظفر علی خاں مردم کے اجلاس میں اس خریف کو پیش کریں گے لیکن دوسرے دن بدھرام میں تبدیلی کر دی گئی اور اس خریف کو پیش کرنے کا سراپنکال کے وزیر اعلیٰ مولوی فضل الحق کے سر بندھا۔" (۶۳)

قرارداد پاکستان ۲۳ مارچ کو پیش ہوئی اور دو دن کی پرچوتس تقریروں اور تائیدوں کے بعد ۲۴ مارچ ۲ منظور ہوئی۔ قرارداد کی تائید و حمایت میں تقریر کرنے والوں میں مولانا ظفر علی خاں بھی شامل تھے۔ کتاب عاشق حسین ٹالوی رقمطراز ہیں:

”مردی نسلِ حق (شیر بنگاں) کی تائید میں چوہدری خلیق الزماں نے خلاف معمول مت پرچوتس اور ہدایات سے مرعہ تقریر کی۔ قائد اعظم کا قاعدہ تھا کہ ایک کے ساتھ جاس پر اہم ترین تجویز کی حمایت میں ہندوستان کے ہر صوبے سے ایک ایک نمائندہ کی تقریر لایا کرتے تھے۔ اس قرارداد کی حمایت کرنے والوں میں بمبئی سے ابراہیم اسماعیل چندریشی پی سے محمد ارباب شاہ، مدراس سے عبد الحمید خاں، سرحد سے اورنگ زیب خاں، آسام سے عبد المتین چودھری، سار سے محمد عاشق وارثی اور پنجاب سے مولانا ظفر علی خاں شامل تھے۔“ (۶۳)۔

اس موقع پر مولانا ظفر علی خاں نے فرمایا:

”میں میں یوں محسوس کرتا ہوں گویا میں آزاد ہندوستان سے ہوں رہا ہوں۔ میں کافی عرصہ تک ہندو مسلم اتحاد کا مبلغ اور کئی سالوں تک کانگریس کارکن رہا ہوں۔ اس تمام عرصہ میں میں نے دیکھا کہ کانگریس کا اضطراب حصول آزادی کے لیے نہیں تھا بلکہ وہ دراصل اقلیتوں کو دبانا چاہتی تھی۔ کانگریس نے اپنی موجودہ بند حیثیت سے اتحاد کی بنا پر حاصل کی ہے جو اسے ماضی میں مسلمانوں کی طرف سے ملا اور اب کانگریس مسلمانوں سے برا مہرہ برت رہی ہے۔ ہم اور ہمارے مکتب فکر کے دیگر حضرات مسلم یک کو اس لیے بد نظید بناتے رہے ہیں کہ وہ کسی تعمیر پر وگرام، اختیار پس نہ رہی تھی۔ کانگریس نے آئین سار اسمبلی کی تجویز کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ ہم کسی ایسے آئین و قبول نہیں کریں گے جو مسلمان ہند کی پسندیدگی اور رضامندی کا حامل نہیں ہو گا۔“ (۶۵)

اورینٹ پریس کے نمائندہ کو انٹرویو

کتاب ملی آمد گھمن اپنے مقالہ بعنوان ”مولانا ظفر علی خاں سے حالات زندگی اور خدمات“ میں دو مرتبہ زمیندار بابت ۲۵-۲۶ مارچ ۱۹۴۰ء کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

قرارداد پاکستان سے اجلاس کے بعد اس انڈیا انسٹیٹ مسلم یک کا سامانہ اجلاس لاہور میں دیگر نمائندگان کے علاوہ مولانا ظفر علی خاں بھی شامل تھے۔ اجلاس کے

بعد مولانا نے اور یہٹ پرہیں کے نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ ”یہ کتنا حقیقت سے انہی غرض کرنا ہے کہ قائد اعظم ہندو مسلم مسئلہ کو حل کرنے کے حق میں نہیں اور ”دونوں“ کی تفصیل کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ جوئی قائد اعظم ویت چاہا کہ کاندھی کی یہ خصوصیات پاکستان کو مان لیا ہے تو کاندھی سے ملنے والی یہ۔ اس طاقت سے سانچے مسٹر جناح سے پہلے ہی بتائے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو باہم متحد ہو جانا چاہئے اور یہ اتحاد وقت کی اشد ترین ضرورت ہے۔ مجھے ہل بھروسہ ہے کہ دونوں میڈروں کی ملاقات نتیجہ کے طور پر دونوں قوموں کے رشتہ اتحاد میں مسکنہ گی۔“ (۶۶)

وردھا کی سیاست

۲۔ اپریل ۱۹۴۰ء کو مولانا ظفر علی خاں نے ”وردھا کی سیاست“ کے عنوان سے علی میں تقریر کی وہ کانگریس کی قرارداد سیاست کا رد بخوبی چاک کر رہی تھی۔ آپ نے فرمایا

حکومت مرکزی ہو اور نظام اس کا ہو جمہوری
مدار اس کا ہو دونوں پر قوام اس کا ہو دستوری
نشان برادر ہوں گاندھی و نہرو و جیل اس کے
مسلمان ووٹ جن کے ہیں بہت کم ہوں دھنل اس کے
حفاظت اس حکومت کی کرے کانگریز کا لشکر
اور اس لشکر کے ہوتے پر ہو اونچا ہندوؤں کا سر
یہ وہ حکمت ہے منظر جس میں وردھا کی سیاست ہے
چھٹی ہنس کے ہر سمت سے کاندھی کی راست ہے
مگر ہندوستان کا مقدمہ یوں حل ہو نہیں سکتا
مسلمانوں کا ہاتھ اس داؤں سے شل ہو نہیں سکتا
کوئی جا کر یہ کہہ دے کانگریس کے وہ داؤں سے
کہ مشکل ہے الجھنا رب اکبر کی قضا سے
اگر آزاد ہوتا ہے خدا کا سرا۔ ص ۳۳
تو یہ ہرگز سے تیج آزما کا سرا (مجلد سوم) ۶۷

اکال شہ (ضلع گوجرانوالہ) میں تقریر

یہ بھی نظام الدین صاحب چوہان سیکرٹری مسلم لیگ اٹل ٹرژ (ضلع گوجرانوالہ) نے رات
۱۱ خ ۲۲ مئی ۱۹۳۰ء کے رمیندار میں شائع کرائی "۱۳۔ مئی کو ٹھیک ۱۲ (بارہ) بجے وہ د
کاڑی پر حضرت قیدہ مولانا ظفر علی خاں درود فرما ہو۔۔۔۔۔ اس کے بعد ۸ ۱۲ (ہاڑھے گندھ)
بے رات سے دوسرا جلسہ شروع ہوا جس میں حضرت قیدہ مولانا ظفر علی خاں صاحب نے پاکستانی
سیم پر روشنی ڈالی جس سے حاضرین بے بہت محظوظ ہوئے اور پاکستانی حکیم سے اتفاق خاص
لیا۔" (۶۸)

انگریزوں کو فوجی بھرتی اور مالی امداد

دوسری جنگ عظیم میں کانگریس انگریزوں کو فوجی بھرتی اور مالی مدد دینے سے حق میں نہ تھی جب کہ مسلم لیگ کا موقف اس سے برعکس تھا اور وہ مسلمانوں کے علیحدہ تشخص کو منہ اسے ہر اس سے یہ سیاسی مراعات کے حصول کے لیے حکومت سے مذاں کرنے میں مصمت، پہنچتی تھی اس موقع پر مولانا ظفر علی خاں بھی مسلم لیگ کے ہمنو تھے چنانچہ ۱۔ نومبر ۱۹۴۰ء کو جب مرکزی قانون ساز اسمبلی میں قانس بل پر بحث ہو رہی تھی تو ستیا موہرتی نے صاف کہا کہ سر تہ "ورنمنٹ" کی مخالفت کرنے اور اس کو سبق سکھانے سے میں اس پر مولانا ظفر علی خاں نے کہا کہ ہم تو دوہری قوت کی فوج رکھتی ہے اور تو "ورنمنٹ" کی مدد کو اور دوسری ہم "وائٹ فوج" رکھیں گے جو مسلم ممالک کی "خاص کر ترکی کی مدد سے واسطے ضروری ہوئی کہ جرمی مسلم ممالک کو ہڑپ نہ کر جائے۔

بعد میں جناب محمد یحییٰ خان نے مونٹا کی بات نہ وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ "میں تو بچہ
 فوجی اسپتال میں ہوں یہ سہیل یہ آسانی سے کہہ سکتا ہوں کہ ان ممالک کی کافی امداد کی جائے
 جس نے ہندوستان کے تحفظ کا دعوہ کیا ہے کہ کہیں جرمنی ان کو روک کر ہندوستان کا رخ نہ کرے
 اتفاق سے یہ سب ممالک مسلمانوں کے ہیں اور ہم ان کی امداد کرنی چاہتے ہیں ہم کو ان سے
 اس لیے زیادہ ہمدردی ہے کہ کرشت چچاس ساٹھ سال کے عرصہ میں ان کو ترقی کرنے کا کوئی
 موقع نہیں دیا گیا۔" مسعود اور طاقت ور ٹرکی برٹش قوم کا بڑا مددگار ثابت ہو گا۔ مولانا ظفر علی
 خان کی نظر یہ تھی کہ بھارت نے بغیر سمجھے اسے بھی اس لیے ظفر علی خان کا مطلب یہ
 تھا کہ اس ملک میں وہ برہمن کو ہندوستان کی طرف بڑھنے سے موڑ طریقہ سے روک سکتا ہے وہ
 ٹرکی ہے جس میں ہم کو اعزاز دی جائے کہ ہم بڑی فوج بھرتی کر کے ٹرکی کی امداد کے واسطے

بھیجیں تاکہ ہمارے ملک کی حفاظت ہو سکے۔" (۶۹)

جناح اور گاندھی

قوم پاکستان کے لیے جدوجہد کے زمانے میں گاندھی نے پارلیمان کا قائد عظیم نے حق میں اور
شعبہ گاندھی ہندو رہنماؤں کے خلاف نظم و ضبط میں اپنے دیوتہ کا لہجہ فرمایا۔ چنانچہ ۲ نومبر
۱۹۴۰ء کو آپ نے جرمنی اور روس کے مابین حور کا ذکر کرتے ہوئے گاندھی صاحب کو "گنداب ہند"
قرار دیا۔

ماسکو سے ہو رہا ہے رشتہ برلن کا قریب
طوق ہلر کا ہے اور گردن ہے مودت کی
دب گئی حیرت کی چرخ چوں بہوں کی گونج میں
جس سے بنیادیں رز انہی ہیں کو قاف کی
اس میں جینا ہوں کہ ہوں راما سوامی مدیار
کوئی بھی سنتا نہیں ہے ہند کے نداف کی
راما سوامی مدیار، وزیر تجارت تھے۔

۳۔ دسمبر ۱۹۴۰ء کی مرقومہ ایک نظم میں جناح اور گاندھی کا یوں مقابلہ کرتے ہیں
جینا کی صدا اور ہے گاندھی کی کشتا اور
بھالی فضا اور ہے دردناکی ہوا اور
بنا ہے وہ سکھار کا چرخہ نیا یہ
ہے لطف جہاد اور اہل ہند کا سر اور
ملت کا نشانہ ہے کہ اسے قہر عظیم
اسلامیوں کی شان میں ناپو چاند ہے اور
گاندھی کے بچانے کی جہ سے تیرا رہا
اللہ کی دلیلیں یہ گردن مودت اور

شان با ایں ہمہ کبھی کبھار وہ ہندو مسلم اتحاد کا پرانا ترانہ بھی گاندھی کے لیے چنانچہ ۵ دسمبر
۱۹۴۰ء کو انہوں نے لکھا:

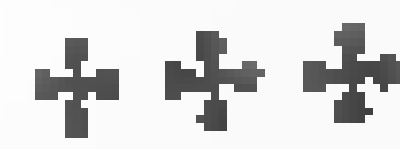
اے گاندھی صاحب گاندھی صاحب گاندھی صاحب
آئیے اس دن ملنے سے ملنے آئیے

ادھر ہو شیخ کا حس ملی ادھر ٹھکتی برہمن کی
یہ دہرا زور مرگ دیو استبداد ہو جائے
عمل کا دقت ہے احباب جو کرنا ہے اب کر لیں
مہدا یہ قبہ زائر المیعاد ہو جائے

بن کے رہے گا پاکستان

نیم مئی ۱۹۴۱ء کو ۲۰ سال کے جواب سے منتخب زمیوں میں خیال و فکر کے
آزمائشیں کھائے۔ یہ اشعار اب "تس سال کی نئی پہچانوں" کے رنگیں عنوان سے "پہستار"
میں شائع ہیں۔ یہ اشعار مذر قارئین ہیں۔

با کے دزیر ہند سے پوچھو گائے ہے پہلے یا انسان
بوجھ سکیں گے وہ یہ بھجارت ہند کی مشکل ہو آسان
گاندھی و سادو کرہوں کہ امیری ہم سے الجھ کر لیں گے کیا
مزمہ ہمارا تل نہیں سکتا بن کے رہے گا پاکستان
ترکی و ایران، شام و فلسطین، مصر و تاجک و نجد و عراق
سب ہیں آج کے شیخ کے داس، اب یہ پیہر ہمارا



ہندو بھی نہایت ہے اور گاندھی بہت
دونوں کی کھتیاں ہیں مسلمان کی تاک میں
ڈر ہے اگر انہیں تو ہے بین کے داؤں کا
ایسا نہ ہو کہ ان کو ملا دے وہ خاک میں

مولانا مدراس، بنگلور اور ناگیور میں

۱۹۴۱ء میں مولانا نے مدراس، بنگلور اور ناگیور وغیرہ جگہوں کا دورہ کیا۔ حسن اتفاق
سے جناب ماہر القادری کو اس سفر میں متعدد مقامات پر مولانا کی رفاقت کا شرف حاصل رہا اور
انہوں نے اس رفاقت کی بعض حسین یادیں اپنے ایک مضمون میں محفوظ کر دی ہیں۔ تیئے ہم
جس اس مضمون و دست بستہ دیکھتے ہیں "اس کے بعد ۱۹۴۱ء میں میرا مدراس جانا ہوا۔ وہاں اراد
کائناتیں در مشعرہ تھا۔۔۔ اسی ٹریں سے مولانا ظفر علی خاں مرموم سفر کر رہے تھے۔ وہ

کانفرنس کی صدارت کے لیے ان کو تہنیت دی گئی تھی۔۔۔۔۔ بنگلور کے بعد اب چور میں مولانا ظفر علی خاں مرحوم سے نیاز حاصل ہوا وہ پہلی پشتوں کے دست کی سلاخی کا مسطر اور پنڈب میں مولانا کی صدارتی تقریر۔ ایک ایک بات حافظہ میں آتی ہے محفوظ ہے مسلمہ یہ کہ اعجاز ختم ہوئے کے بعد گرانڈ ٹرنک ایکسپریس سے مولانا لاہور کے لیے روانہ ہوئے۔ اس کے جانے کے عوکی دو مہینہ کے بعد یہ وحشت اثر خبر ملی کہ گرانڈ ایکسپریس ناچار سے تاہم اور تیج سرگرمی میں ناچار میں جواب محی الدین علی خاں مرحوم کے یہاں مسماں تھا۔ اس نے بہ سختی ہی وہ اپنی موٹر کار میں مجھے لے کر دواڑ۔ راستہ میں جواب صدیق علی خاں اور مسلمہ یک سے دوسرے غار میں بھی ساتھ ہوئے۔ ناچور کی سڑک پر موٹروں، تاکوں اور ساریلوں کا قاتا سندھا تھا۔ ایسپر۔مس گاڑیں تیزی کے ساتھ جاری تھیں۔ ہم آدھ مہینہ میں موقع واراً سے پر تیج گئے۔ عجیب مشق تھی۔ ریل کی چڑی جلد جلد سے مل گیا کر مڑائی تھی۔ پوری نہیں ایک طرف۔ نہسی ہون لڑائی تھی۔ ساتھ انتہالی ہو رہا تھا۔ زمین بو اسٹ جانا چاہئے تھا۔ فکر ساری مار۔ نہیں سے جڑے ہوئے مسماں سے اب پر تکر رہ گئی۔ جالی نقصان دار۔ مسماں نہیں ہوئے۔ اس یاب سفر سے پہنچنے میں مست بن معموں پوت کن۔ اللہ تعالیٰ سے اپنی قدرت بلند کی جس شان و جمالی۔ کمال بلاست تانی سے بالکل کنار پر پہنچا براہ پی بھی سکنا ہے۔ اسلحہ علی کسی شے سے قبضہ۔ مولانا ظفر علی خاں اپنی نیلی قمیس پہنے، ہاتھ میں چھتری سے ہیٹ میں اٹا۔ تھے ہم، ہمیں سے رشہ۔

مجھے۔ دوسرے یا تیسرے دن کی گاڑی سے وہ لاہور روانہ ہوئے۔

زکوٰۃ کمیٹی کی ممبری

۲۶۔ درجہ ۴ انجیر حنفیہ نوٹس اذیہ مسلم یب و نسل ہا ایک امام کا نظم سے رہے
صدر رب اینگو عربک مانج ہیں ملی میں معقد موانس میں متعدد قرانیوں میں وہیں یہاں
قرآن میں ملے ہوئے کہ چند اصحاب مشتمل ایک کمیٹی بنائی جائے ، منظم طریقے سے روایات
مطالعہ اور قبالیوں کے لیے سخی ۔ نے یہ وران کو شریعت کے مطابق مسلمانوں کے وسیع
تعمیم میں خرچ کرنے کے لیے ایک مفصل حکیم تیار کرکے اور اس مزید غور و خوض کے لیے
بعد از جلد ونسل میں پیش کیا ۔ اس بارہ رخی کمیٹی میں مولانا خلف علی خان ڈاکٹر حامی بھی شامل

ہندوستان کی آزادی (Quit India) کی تحریک چلائی تو مسلم لیگ نے اس کا ساتھ نہ دینے کا فیصلہ کیا۔ مولانا ظفر علی خان نے بھی اس فیصلے کا اعلان کیا۔ ان کا موقف تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔

۱۸ اگست ۱۹۴۷ء کو بھوپال میں کانفرنس ہوئی جس میں ہندوستان کی آزادی کا فیصلہ کیا گیا۔

کانفرنس کے بعد ہندوستان میں دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک حصہ ہندوستان اور دوسرا حصہ پاکستان۔ ہندوستان میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل تھی۔

پاکستان میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل تھی۔ پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔ پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔

پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔ پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔ پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔

پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔ پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔ پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔

پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔ پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔ پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔

پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔ پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔ پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔

پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔ پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔ پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔

پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔ پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔ پاکستان کی بنیاد پر مسلمانوں کو اپنا حق لینا چاہیے۔

کامیابی سے مقابلہ کیا جاسکے۔" (۷۶)

ہمارا موقف پاکستان ہے

نئی دہلی ہفتا میں شدید نقطہ پڑا مگر حکومت نے امداد کے سلسلہ میں سرکاری کارروائی اختیار کیا۔ سرکاری اسمبلی میں ۱۵ ستمبر (۱۹۴۷ء) سے ۱۸ ستمبر تک اس واقعات پر مفصل بحث ہوئی۔ دہلی کے مسلمانوں پر الزام لگایا کہ وہ حصوں ترقی و ارتقاء کے تصور میں ہندو قوم میں رنج و ملال کا عنصر ملی جانے سے الزامات کی تائید کرتے ہوئے اور مسلم لیگ کے موقف کو صحیح ثابت کرتے ہوئے فرمایا۔

اس وقت میں نے کہ مسلم لیگ ترقی و ہندو ملی رو میں داخل اور ایک بڑے مسئلہ کے حل میں رہاؤں۔ یہ ایسی کوئی بات نہیں مسلم لیگ آزادی ہند کی اتنی ہی حامی ہے جتنی ہندو لیگ مسلمان لیگ نے کسی پارٹی کے ساتھ بد آہنت کا دروازہ بند کرنے یا بند کرنے کا بار بار یہ اعلان کیا ہے وہ برابری کی سطح پر تمام جماعتوں کے ساتھ ہے۔ اس کے لیے تیار ہے کہ ناری ہند اور ہندو مت کو متبدل کرنے کے لیے ایک ہندو ملی و قومی و اجتماعی جاسکے اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مسلم لیگ دوسری جماعتوں کے ساتھ اتحاد کی کسی تہ پر ہی محف ہے۔ میں سمجھوں کہ وہ وقت آئے گا کہ جب مسلم لیگ اس لیے حقوق کی ملک ملنا ہوگی اور وہ جسے جیتا ہندو قوم کی۔ اور آزاد ہندوستان کا انتخاب اشریت کی حکومت ہو تو مسلمانوں کے متعلق نہیں ہوں گے۔ مسلمانوں کا موقف پاکستان ہے۔ میں اس وقت سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان یہ بات بدھت رہتی ہے۔ پاکستان ہمارا حسب اصرار ہے۔ اس مسئلے میں میں نے کیا کیا ہے۔ اس نقطہ کے لیے ہمیں بھروسہ کرنا چاہیے کہ ہندو مسلمانوں کے درمیان یہ بات بدھت رہتی ہے۔ ہندو قوم کو آزاد ہندوستان (نی نئی) مسلم لیگ کے ہندو قوم کے ساتھ بدھت ہے۔

(۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰)

خاکساروں کے حق میں

ہندو قوم کے ہندو قوم کے مطالبہ میں بھی مولانا ظفر علی خان نے مسلم لیگ کو قیادت کے بھرپور کردار ادا کیا۔ انہوں نے خاکساروں کی خدمت میں موقع پر موقع

اپنے احبار 'زمیندار' میں بھی لکھا اور ۲۳ ستمبر ۱۹۴۲ء کو سنٹرل قانون ساز اسمبلی میں اس کے حق میں تقرر بھی فرمائی۔ (۷۴)

کمیٹی برائے معاملات جج

۹۔ نومبر ۱۹۴۲ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا ایک اجلاس قائد اعظم کی صدارت میں اینگلو عربک کالج ہال دہلی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی ایک قرارداد میں مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خاں، جناب عبدالحمید صاحب قادری، حاجی نواب جمشید علی خاں اور جناب عبدالحمید صاحب (کنوینر) پر مشتمل ایک کمیٹی بنانے کا فیصلہ کیا گیا جس کو گورنر جنرل کی مجلسِ عاملہ کے سمندر پار کے معاملات کے رکن سے ملاقات کر کے جج کے سلسلے میں ہونے والے ضروری انتظامات کا بارہ مینہ تھا تاکہ مسلمانوں میں احساسِ حرمانیت پیدا ہو اور اس مسئلہ کے تدارک سے صاحبِ صدر کو مطلع کرا تھا۔ (۷۵)

سردار شوکت حیات اور مسلم لیگ کے حق میں

۲۶ دسمبر ۱۹۴۲ء کی رات نو سو سکندر حیات دس کا دورہ پڑنے سے اچانک انتقال کر گئے اس کی جگہ ملک خضر حیات (دوسرا عمر حیات) جناب کے وزیرِ اعظم سے۔ سر سکندر حیات نے بیٹے سردار شوکت حیات کو ان کے والد کی وفات سے بعد وزارت میں بیا کیا لیکن یہاں تک سردار شوکت حیات مسلم لیگ کے فروغ و استحکام کے لیے سرگرمی سے کام کر رہے تھے اس لیے یونیسٹ پارٹی کے ہندو ارکان، ملک خضر حیات نوانہ اور گورنر پنجاب سر ہربرٹ گلیمسی نے کٹھ جوڑ کر سردار شوکت حیات خاں کو ایک سکریٹریٹس کے معاملہ کی سڑ سے سردارت سے الگ کر دیا جناب اشرف عطا اس سلسلے میں لکھتے ہیں :

گورنر پنجاب سر ہربرٹ گلیمسی نے پنجاب کے غیور 'مڈر' جری اور جوان سار قائد سردار شوکت حیات خاں کا باریمانی مستقل خراب کرنے کے لیے ایک اعلان شائع کیا جس میں سردار شوکت حیات خاں کو اپنے عہدہ سے ناجائز و مکہ اٹھانے والے قرار دیا گیا۔ گورنر پنجاب کے اس اعلان سے مسلمان پنجاب میں بیچن و اضطراب پیدا ہو گیا مولانا ظفر علی خاں نے سر ہربرٹ گلیمسی سے عنوان سے ایک زبردست مقالہ لکھا جس میں مسلم لیگ پر سر ہربرٹ گلیمسی کے حملہ کی شدید مذمت کی گئی اور نوانہ چھوٹو رام گٹھ جوڑ کے نیچے اچھڑتے ہوئے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اس ناپاک گٹھ جوڑ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ 'زمیندار' نے ایک مقالہ میں لکھا

اور ہر شخص جانتا ہے کہ مسلمانوں کو اس سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ اب ہندوؤں کے حقوق محفوظ ہیں لیکن مسلمان ستم ظریفی کا شکار ہیں جبکہ ہندو مسابھی میں مائی کارروائی کر رہی ہے۔ ہندو انگریز کے جانے کے بعد اقتدار کا خواہش مند ہے ہندوؤں کو یہ خیال چھوڑ دینا چاہئے اور پاکستان کی مخالفت میں سنی چاہئے۔ ہر پ مفاد کے متعلق خود بہتر جانتے ہیں۔“ (۷۷)

اس موقع پر بقول سر یامین خان 'مولانا ظفر علی خاں نے نہایت عطف و ہمت سے یہ اکثریت کی رائے سے حکومت کرنے کا خیال چھوڑ دو کیونکہ وہ سوئڈش ایک رائے نہیں ہو سکتے۔“ (۷۸)

ظاہر ہے مولانا کا مندرجہ بالا فقرہ حضرت علامہ اقبال کے درج ذیل شعر سے مستعار ہے

گرچہ از طرز جمہوری غلام بہتے کارے شو
کہ از مغز دو صد فکر انسانے نمی آید

سر یامین خاں اعلان دیتے ہیں کہ متذکرہ بالا قرارداد بغیر رائے شماری سے خارج ہوتی ہے۔

دہلی یونیورسٹی بل

دہلی یونیورسٹی بل مارچ ۱۹۴۳ء میں مرکزی قانون ساز اسمبلی میں پیش ہوا جس کا مقصد یہ تھا کہ یونیورسٹی میں مسلمان طلبہ کے حقوق تعلیم کی حفاظت کی جائے اس بل پر بتوں سر یامین خان مارچ ہی سے مسلم لیگ اور گورنمنٹ میں مسلسل مقابلہ ہوتا تھا۔ آخر ۲۵ اگست ۱۹۴۳ء کو مسٹ جان ٹائی من سیکرٹری محکمہ تعلیم نے تحریک پیش کی کہ

"دہلی یونیورسٹی بل جس طرح ترمیم ہو گیا ہے پاس کیا جائے۔ اپنی تقریر میں سائیکہم نے مسلم لیگ کی اکثر ترمیمات منظور کر دیں اور ہم کو یہ معلوم ہوا تھا کہ دہلی یونیورسٹی کے اکثر شعبہ صحت میں مسلمانوں کی کمی ہے اس کو پورا کیا جائے اور مسلمان تعلیم دینے والوں میں اضافہ کیا جائے اور نوجوان خواتین کو خود معلوم ہو جائے ان کو رفع کیا جائے گا۔"

لیکن مسلم لیگ اس ترمیم شدہ بل سے مطمئن نہیں تھی اور اردن مسلم لیگ اس سے زیادہ کے لیے مطالبہ کر رہے تھے۔ مسلم لیگ کا نقطہ نظر سر محمد امین خاں سے عائد ہے۔ سر امین احمد میر خدام بھیل بیرنگ 'مسٹر میونسپلٹی' مولانا ظفر علی خاں کو اب زائد طاقت ملی حال نے پیش کیا۔ مولانا ظفر علی خاں نے فرمایا۔

’تک ہم (مسلمان اور ہندو) ایک دوسرے کے حقوق کا تحفظ کچھ اس طرح
 میں کریں گے۔ جس طرح اپنے اپنے حقوق کا تحفظ چاہتے ہیں‘ اس وقت تک دونوں
 قوموں میں اتحاد قائم نہیں ہو سکتا لہذا ہمیں بھی دوسروں کی طرح اپنی قوم اور حقوق
 کا تحفظ چاہئے۔“ (۷۹)

یہ مل پاس کر لیا گیا تھا۔

بنگلہ کے مصیبت زدگان کی امداد

مراہٹن لکھتے ہیں

’۱۔ نومبر ۱۹۴۳ء۔ میرٹھ میں نمبر ۱۸ انڈسٹریل میس پر مسلم لیگ پارٹی کی چاء ہوئی اور پھر
 پارٹی کی میٹنگ ہوئی۔ یہ قرار دیا کہ پارٹی ایک ہزار روپے اپنے ممبروں میں تقسیم کر کے قائد اعظم
 محمد علی جناح کو دے کہ وہ پارٹی کی طرف سے بنگلہ کے مصیبت زدگان کی امداد کے واسطے بھیجیں۔
 پارٹی نے یہ بھی طے کیا کہ فورسٹ سے کسے کہ خوراک کی جو طلب میں خراب حالت ہے‘ اس
 کے واسطے کافی دن اسبلی میں بحث کے واسطے مقرر کرے چونکہ بنگلہ اور دیگر
 مقامات خوراک کی حالت بہت نازک ہے اور حکومت ایک واٹ پیج جاری کرے جو ممبر
 میرٹھ کو موجود تھے وہ یہ تھے نواب زادہ یاقوت علی خاں‘ ڈاکٹر سر ضیاء الدین‘ سر سید رضا علی‘
 مولوی عبد الغنی‘ مسٹر انصاری‘ عبدالستار سینہ‘ نواب صدیق علی خاں‘ مسٹر یوسف ہارون‘ سید
 خدام حبیب نیٹک‘ مولوی ظفر علی خاں‘ چودھری حاجی اسماعیل خاں‘ چودھری محمد حسین‘ حافظ محمد
 عہد۔ اس آف انٹیمٹ ابھی شروع نہیں ہوئی اس لیے وہ ممبر شریک نہیں ہو سکے قائد اعظم
 بھی ابھی دہلی نہیں آئے۔“ (۸۰)

اجلاس قصور کی صدارت

’۲۔ صبح مسلم لیگ کا ایک خصوصی اجلاس قصور منڈی میں ہوا جس کی دوسری نشست
 کی چوبیس نماز عشاء منعقد ہوئی‘ صدارت مولانا ظفر علی خاں نے فرمائی۔ اس نشست میں نواب
 افتخار حسین، انٹی صدارت اور سردار محمد حسین ایم ایل اے نے حاضرین سے اپیل کی کہ وہ مسلم
 لیگ کو مضبوط کریں۔ آخر میں مولانا ظفر علی خاں صدر جلسہ نے فرمایا کہ ہم نے محمد علی جناح کو
 اس لیے بنا قائد اعظم بنایا تھا کہ اس کو دنیا کا بڑے سے بڑا لالچ دے کر بھی خرید نہیں
 سکتا (۸۱)

مشذراہ پارلیمنٹ کے اجلاس کے دوران مولانا ظفر علی خاں نے ہر اس موقع پر مسلم لیگ کو متاثر دیا جس میں اس نے جس طرح کے لیے آواز دیا۔ ۱۹۳۶ء کے انتخابات میں مولانا ظفر علی خاں نے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر لاہور سے ایک حلقہ سے مرگن اسمبلی کی نشست پر اور پٹنہ سے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر دو اراکین کی بھاری کثرت سے منتخب ہوئے۔ مسلم لیگ نے اس انتخابات میں ہاتھ نہ ڈالا اور فیصلہ کن کامیابی حاصل ہوئی۔ ان انتخابی معرکوں میں مولانا ظفر علی خاں نے ایک بار سے دو تین مدتوں قابل رشک کردار ادا کیا۔ جناب اشرف عثمانی کہتے ہیں

”اس انتخابات میں مولانا ظفر علی خاں نے رستہ ان ٹائم سیوں کے ٹکٹ پر لاہور میں مسلم لیگ کے لیے کام کیا۔ آپ نے ایک ایک دن میں دو تین نشستوں پر انتخابی تقریریں کیں اور کانگریسوں کے کارڈ پور بکھیر کر رہ گئے۔ مسلم لیگ نے اس انتخابی کامیابی میں مولانا ظفر علی خاں کی تحریروں اور تقریروں کی مدد سے کام لیا۔“ (۸۲)

اس سلسلے میں ڈاکٹر خدام حسین ذوالفقار اپنے ایک ذاتی مشاہدہ لکھتے ہیں کہ

”۱۹۳۶ء کے عام انتخابات کے سلسلے میں جب انتخابی مہم زوروں پر تھی میرے دوست لاہور سے کسی مسلم لیگی رہنما کو بلائے گئے تاکہ وہ لاہور میں تقریریں کر سکیں۔ کوئی ایذا دینا نہ ہوتا تھا پیش در خطیب پارلیمنٹ کے ان کے زرخ ان دنوں بہت چڑھے ہوئے تھے۔ میرے دوست ان کے ساتھ لاہور لوٹنے لگے تو کسی نے مشورہ دیا۔ ذرا زمیندار میں بھی چل کر آجائیں۔ وہاں کے زمیندار مولانا ابھی دہلی سے واپس آئے تھے بہتر اچھی منہ پر تھے سفر کی تھکن تھکاتی تھی۔ تاہم دوستوں نے مولانا سے درخواست کی کہ وہ اپنی اس طرح کی دوسری جگہوں پر لاہور میں علاقے میں مسلم لیگ کی پکلی حالت کو چھو اس طرح یہاں کے مولانا نے وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور بڑے چپے آئے۔ پھر دو روز بعد سلسلے میں لاہور سے دوسرے گاؤں دوسرے سے تیسرے اور پھر ہر جگہ تقریر۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ مولانا نے صرف صبح کو ناشتہ میں دو نیم پرشت انڈیا روتوں اور دو پیازوں چائے کی پی تھیں۔ سارا دن کچھ نہ کھایا۔ حتیٰ کہ رات کو اس بارہ بیک پیازوں میں چائے حقہ پیا اور تازہ دم ہو کر انصار کی فرمائش بھی پوری کر کے لاہور

اسکے دور علی الصانع یا نچ سات میل کی "تیز گام" سیر بھی کی۔" (۸۳)

بیماری

بڑھاپے میں اس ہاں توڑ محنت نے مولانا کی صحت کو بہت نقصان پہنچایا۔ "۱۹۴۶ء کے وسط میں تب تب عرقہ میں مبتلا ہو گئے اور تیس ۱۱ تک ہسٹریکس پر درار رہے۔ تب عرقہ کے اس تپ سے ارا فاقہ ہوا اور تب ابھی چوری طرح سنبھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ تب پر دوبارہ دانت کا حملہ ہو گیا یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ اس کے بعد تب کی صحت پھر سنبھل نہ سکی اور ۱۱ شربٹ حیرت جس کی بات سٹاموں کو ہضم دیتی تھی، جو سر سے پاؤں تک شعلہ تھا، خاموشی راہ ۱۱ ایک ڈیمین کر رہا تھا راکھ کے اس ابار میں چنگاریاں تو ضرور تھیں لیکن ان میں حرارت در تپش نہیں رہی تھی ان میں شعلہ بن کر بھڑکنے کی صلاحیت ناپید ہو چکی تھی۔" (۸۴)

ظفر علی خاں اور استحکام پاکستان

قیام پاکستان کے بعد بھی مولانا کے شمار قلم کا سراغ ملتا ہے اور ہم متعدد نظمیں اس کے نام سے شائع شدہ دیکھتے ہیں مثلاً معلوم ہوتا ہے کہ درج ذیل اشعار مولانا نے قیام پاکستان کے جلسے میں کہے۔

کسی کو امن و امان کی فضا میں رہنا ہے
تو کس لیے نہیں لیتا وہ راہ پاکستان
ہزار بار بجاا خدائے پاک کا شکر
کہ اس نے بخشی ہے تجھ کو پناہ پاکستان
ملیٰ کی قوت بازو عطا ہوئی ہے اسے
شکست کھانا سکے گی سپاہ پاکستان
عجب نہیں جو ہو تسخیر ایشیا سارا
کہ اٹھ رہی ہے ادھر بھی نگاہ پاکستان (۸۵)

اے کے اشعار شیخ رامت اللہ (گجرات) نے تحریکات ظفر علی خاں کے طور پر بعنوان

خلوع پاکستان ۶- مارچ ۱۹۵۸ء کے زمیندار میں شائع کرائے۔

مگر ہٹم جہاں ہیں ہے تو نیرنگ جہاں دیکھ
آفاق میں اللہ کی قدرت کے نشان دیکھ

کس قطع سے دامان شب مار ہوا چاک
 کس وضع سے خورشید ہوا جلوہ فشاں دیکھ
 کس طرح ہری ہو گئیں سوکھی ہوئی شاخیں
 رخصت ہوئی کیونکر ہنستاں سے خزاں دیکھ
 پھر پاٹ میں پھیلاؤ دی ہے جو کبھی تھا
 توحید کے دریا کو کراں تابہ کراں دیکھ
 پھر کرم ہے بازار رسوا عربی کا
 اور جل کے ہوئی راکھ حریفوں کی دکان دیکھ
 جاروب کشان حرم مصحفی کا
 اللہ نے کس طرح کیا پلہ گراں دیکھ (۸۶)

بدھیا۔ اور جہراؤں کے مسلمانوں کے مصائب ہجرت میں رہا ہے۔ ۵۔ تمبر ہے ۷۰۰۔
 چند اشعار فی البدیہہ ارشاد فرمائے۔ دو شعر درج ذیل ہیں۔

کل اس طرح مجھے اسلام نے تسلی دی
 نہیں سمجھتے تم اللہ کے ارادوں کو
 مانگہ نے شاید پیام پاشان
 جتنے دان ہے ملت ملی سراں (۸۷)

پاکستان کے پہلے جشن استقلال کے موقع پر زمیندار نے ۵ اگست ۱۹۴۷ء کو اب لاہور

میں لکھا

”جشن استقلال منایا جا رہا ہے۔ یہ مظاہرہ ہماری صد اہتمام سے بدھیا کا حال
 ہے۔ سب شہر قریبوں کا نتیجہ ہے۔۔۔۔۔ پاکستان کیا ہے؟ ست لاکھ مسلمانوں کی خاک پر پاؤں ڈالیں۔
 ب۔ انہوں فرزندوں توحید کی شہادت کا ثمرہ ہے اور جو مالی نقصان ہوا اس کا تہہ نہ مہرہ
 میں سمجھتے کیونکہ جان اور عزت کے مقابلے میں ماں کی ہوئی حقیقت نہیں۔ تو ہم
 انسانوں کی جانیں پیش کر سکتی ہے اس کے نزدیک مالی قربانی کیا چیز ہے؟“ اس میں
 قریبوں سے مدد ہے تو اس کے ایک ایک ذرے کی حفاظت کے لیے لٹ مارتا ہوا ہے۔
 (۸۸) معلوم ہوتا ہے یہ ادارہ مولانا ظفر علی خاں کے قسم سے نہیں ہے بلکہ سب سے پہلے
 خاں یا ادارہ کسی دور رکن نے لکھا ہو۔ تاہم چونکہ یہ ادارہ حضرت مولانا کی زندگی میں
 بنا اور خبر دی پلیسی ان کے خداف ایسا نہیں ہو سکتی تھی اس لیے مسرت ہونا ہے اس

اور یہی روح معنی کا اقتساب ہے محل نہ ہو گا نعل اوار یہ صبر میں عا دظہ فرما میں۔
 کتابیں بنانے کے بعد حضرت مولانا پاکستان سے انتظام کی فکر میں تھے کتاب اہم سعید
 نور نے لکھا

ایک دفعہ حاضر ہوا خاموش بیٹھے تھے کسی صاحب نے کہا یہ اہم سعید اندر ہیں
 پھر تھڑی اور خاموش رہتے رہے بعد فرمایا تھا: ہم اللہ پاکستان سے یا جیسی اس
 دیکھا ہوا ہے تو ہم نادم ہیں۔ کہ اس کی ٹٹل جیسی بات ہے ہر مری بھی نہیں د
 حاصل رہا باقی ہے۔ (۱۹۱)

یہی ایک سی (پاکستان یورپی ایڈیٹر ڈائریس) کی صاحب شمع سے گفتگو سے واقع ہے
 وہ مدت بتاتے ہوئے حضرت مولانا نے ۱۵۔ ڈیوری انڈیا کو اس بات پر مسرت کا اظہار کیا کہ
 پاکستان میں ترقی کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

پاکستان کی اسلامی مملکت میں ہماری قومی زبان اردو کے علاوہ انگریزی 'چرتی' بھی
 مدد میں جتنا اور جنس دوسری زبانوں میں روزناموں، ہفتہ وار تحریروں، ماہناموں اور دوسرے
 مختلف اشعار رسالوں کا بھاری تعداد میں شائع ہونا اس حقیقت کی علامت ہے کہ
 تمارا حب اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسے حیات اجتماعی ہے ہر ملک میں ترقی دینے کی طرف کامزن
 ہے اور اس سے عوام بیدار ہو رہے ہیں وائے اور انیا سے بدستہ ہوئے حالت کا جاریہ لینے
 کے قائل بنتے چلے جا رہے ہیں۔ (۱۹۱)

۱۵۔ اگست ۱۹۵۲ء کے زمیendar میں "تین اشتعال پاکستان" کے عنوان سے نصرت مولانا
 نے درج ذیل اشعار شائع ہوئے۔

مہم خیر خیر خیر خیر خیر خیر خیر خیر خیر خیر
 ہوتی صبا یہ وہی ہے مل ہوئے ہمارے ہمارے ہمارے
 نامیہ سے دیکھا یہ ہمارے ہمارے ہمارے ہمارے
 بننے میں ہوتی ہوتی ہوتی ہوتی ہوتی ہوتی
 رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ
 رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ رہ
 شتی امت تویر اس سے نئی میں ناخدا
 سینہ ہموار کا پیو آملہ ہمارے ہمارے

ہم ہیں وہ رند لم یزل جن کے لیے مئے الست
کل جو ملی تھی دے کے دام آج ادھار آگئی

کشمیریات

باوڈری پیش کے اعلان سے قبل ہی ہندوؤں نے دراندیش بنیں اور مہاراجہ شہیہ کے ساتھ ساز باز کر کے کشمیر کو ہتھیات کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ستمبر ۱۹۴۷ء میں مجاہدین کشمیر نے ریاست کے درپے دور دورے فوجی و شہریوں پر تشدد کیا۔ رتبہ تھے مہاراجہ اور حکومت سے دور۔ جنوں میں بہادر کرین ہو چکا تھا۔ آزاد شدہ علاقے میں آزاد کشمیر حکومت قائم ہو چکی تھی اسے میں پذیرت دواہر میں سرحد سے سارن کر کے ۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ایک اعلان کے ذریعے بھارت کے ساتھ کشمیر کے الحاق کا سرکاری اعلان کر دیا۔ لیکن مقبوضہ کشمیر میں جنگ آزادی برابر جاری تھی اور کشمیر کی آزادی کے امکانات روشن تر ہو رہے تھے۔ سید ہر احمد کے الفاظ میں "۱۹۴۸ء کے شروع میں پذیرت نے حکومت مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے سامنے لے دیا۔ وہاں اس نے اس اعلان کی پابندی کا اقرار کر کے سلامتی کونسل اور پاکستان کے ساتھ استصواب رائے سے ایک قرارداد اتفاق کر لیا جس کے مطابق یک جنوری ۱۹۴۹ء کو کشمیر میں جنگ بندی کا اعلان کر دیا گیا" (۹۱) مولانا ظفر علی خاں اگرچہ ان دنوں صاحب فرائض تھے اور بیماری سے ان میں مضحکہ نہ رہا تھا تاہم پاکستان اور اس کے مسائل کی طرف سے ادھار نہ تھے۔ بنناچہ کشمیر کے بارے میں بھی انہوں نے اپنی بار اپنے حریتم اور خیالات کا اظہار کیا۔ ایک دو حوالے سے گزر چکے ہیں۔ اسی طرح ایک موقع پر آپ نے فرمایا۔

کفر کے سر پر عیاں ہو کر جس پہلی حق کی شمشیر
جان حزیں کے پڑ گئے لالے النی ہو گئی ہر تدبیر
کہ وہ سرود سے کہ الہنا ہم سے تمہارا ہے بے سود
فل نہیں سکا عزم ہمارا لے کے رہیں گے ہم کشمیر (۹۲)

۲۵ دہائی ۱۹۵۱ء کو آپ نے قیام سری کے دوران میں ارتداد کر دیا (اس دور میں آپ تبدیل

تب ۱ ہوا لی غرض سے سری میں مقیم تھے)

برہمنوں سے جا کے یہ کہہ دے گئے کہ ہم کشمیر
فل نہ گئے کا عزم ہمارا ہے یہ مسلمان کی بچوں

ہی ہے خدا نے ہم کو وہ دولت شرع نبیؐ ہے جس کی اساس
زندہ رہیں ہے تپا بہ ہم اور تمہارا پاکستان
پاکستانیوں سے ٹکرانا موت کے منہ میں جانا ہے
دیکھ کے جن کو ہو جاتے ہیں بھارتیوں کے خطا اوسان (۹۳)

مری ہی میں ۲۔ اگست ۱۹۵۱ء کو آپ نے جو اشعار ملتے ہوئے ستانی سپاہی کے گھر سے

عنوان سے 'بھارستان' میں شامل ہیں۔ چند اشعار یہاں درج کیے جاتے ہیں

آپ کی وہ ساعت جسے مانگا تھا خدا سے
ہوتا ہے اثر آتی ہم آغوشِ دعا سے
تھی ایک زمانے سے تون یہ ہماری
سب سے ہو میرے ہمیں قویٰ خدا سے
عاشق کو ہوا کرتا ہے معشوق سے جو عشق
وہ عشق سپاہی کو ہے میدانِ دُعا سے (۹۴)

۳۔ اگست ۱۹۵۱ء کو آپ نے مری میں یہ اشعار ملتے ہوئے عنوان 'اطمیں' کے تحت

بھارستان میں شامل ہیں (۹۵)

اگر کسی نے مانگا مارا ہی ہے چھاپا
رہتے ہیں اس سبق کو بریل میں کیا
روٹی ہے تجھے ہو بھارتِ شیریں کی تیشی
اور تجھے کو پہناتا ہے محبوب کا رنڈا
انصاف اور ایمان ہم کو نظم نے آئے
شرق کو ہم نے چھانا مغرب کو ہم نے بابا
کاتے ہیں اس کو نورو ٹنڈن کے ساتھ مل کر
چیم کی لے میں جو راگ اطمیں نے لایا

کیری 'پا' جیسا کہ بھارستان کے نسخہ کارواں کے مرتب جناب نظیر، حیدرآبادی نے وضاحت

کی ہے 'بھارت کے سابق کمانڈر ان چیف تھے۔ ۱۳۔ اگست ۱۹۵۲ء کے رہیندار میں حضرت ۱۹۵۰ء

میں اہل اشعار اس وقت کے ساتھ شائع ہوئے کہ یہ اشعار مختلف نمبر (شیر) میں آئے

اگر منظور ہے کشمیر کی تیشی کا سلجھانا

نہ ہونے دو جدا کشمیر سے چونکہ ہمیں کا

مولانا صلاح الدین احمد بر ادبی دنیا

"امید ہے کہ مرور اہم کے ساتھ ساتھ حق و انصاف کا احساس ہوتا رہے گا۔ یہ
 سچے گانے اور تحریریں ہیں جن سے دل بہا کرے اور عظیمیہ کی تہذیبیں اپنی کردگی کی سبلی
 پرستہ پن میں اور اس کے اوراق میں ہمیں ظفر علی خاں کا نام سے ہمیں سے رنڈہ دیندہ
 اور تہذیب و ورخشندہ نظر آئے گا۔" (۹۹)

ابو سعید انور (سیکرٹری مجلس اتحاد ملت)

یہ بات بات بہت ہی یاد آتی ہے۔ جدوجہد آزادی اور سیاسی بیداری میں مولانا
 مرحوم کا نام ہمارے قلوب میں رفعت بہت ہے۔ سیاست میں ان کا نام گاندھی آں سبلی سے
 بٹ رہا ہے۔ پچھلے دور میں ان کا نام گاندھی کی تحریک کے نام سے تھا۔ ان کا نام سبلی سے
 گاندھی کی تحریک کے نام سے تھا۔ درحقیقت مسلم یٹ میں مولانا نے اس دنیا اور پھر مسلم یٹ
 سے ایسا اور اتے عوامی جماعت بنانے میں جو کراں قدر خدمات مولانا نے انجام دیں وہ تاریخ
 پاکستان کا ایک زریں ورق ہے۔" (۱۰۰)

ایک گزارش

معارف ادیب و شاعر اور مکتبہ کارواں، پور کے مالک جناب حمید ہمدانی صاحب نے
 مولانا ظفر علی خاں کے دور تحریر کی تحریکات و رسائل کا نام سے جس ائمہ امتدادی کی سبلی
 سے ہیں اور یہ بات خود جناب انھوں نے حمید صاحب کو بتائی تھی۔ ہمیں نے جناب حمید صاحب سے
 اس بارے میں کچھ سچو صداقت معلوم کی ہے اور یہ ہمیں اطلاع دی ہے۔
 فقار سے بھی ملتی ہے۔ وہ مولانا ظفر علی خاں کے ایک مضمون جنوں "حمید خاں اور مولانا"
 سے ہیں جو ۲۹- مارچ ۱۹۳۸ء کو رات کے آٹھ بجے کو پور میں مولانا خاں سے پور
 صاحب فرماتے ہیں "راقم کے پاس اس مضمون کا اصل مسودہ محفوظ ہے یہ مضمون
 مولانا سے پہلے ہی ہوا ہے۔ مولانا ظفر علی خاں نے یہ مضمون لکھوایا ہے" (معلوم ہوا کہ انھوں
 نے اس سے استقامت بند یا ہے) دو تین جگہ اصلاح بھی کی تھی ہے جو شاید مولانا ظفر علی خاں
 کے تحریر سے تھی، مولانا صاحب نے اس بیان میں "خدا" اور "شاید" کے الفاظ اس امر میں
 نہایت متوجہ رہے ہیں۔ مولانا صاحب نے اس مضمون کا اصل اور سبلی طور پر مولانا ظفر علی خاں
 سے فرستے کیا جائے۔ بائیں ہمدانی صاحب نے اسے میں یہ مضمون مولانا کا ہے اور اسکا انتساب کسی

اُس سے کہیں ہو سکتا۔ مضمون کی تصدیق جو بھی صورت ہو، یہ مضمون سر حال مودنا ہی سے زیرِ فرمان و ہدایت لکھا گیا اور انہوں نے اسے اپنے ہی مضمون کے طور پر جناب یونیورسٹی کی اردو دائرہ میں پڑھا۔ چرہاں کہہ سکتا ہے کہ یہ مضمون اس دائرہ میں بلکہ کسی اور جگہ ہے؟

تقریر، انشائیہ کے حوالے میں یہ مسئلہ اصول ہے۔ تجربہ اسی کی شمار ہوتی ہے جس سے تالیف سے وہ جاری کی جاتی ہے۔ بڑے بڑے سربراہان مصلحت کی تقریریں اور بیانات مودنا سے بیگانہ ہیں۔ ان تقریروں اور بیانات انتساب متعلقہ سربراہان مصلحت ہی سے ہوتا ہے اس سے بیگانہ نہیں سے ہیں۔ دنیا کے ادب میں بھی ایسی بہت سی مثالیں مودنا میں ہیں۔ لیکن مودنا سے ہے شہرہ آفاق عزیزوں یا علمی محاذوں سے ابتدائی نوعیت کا کام کرایا اور پھر اس پر نظر ڈالنی۔ اسے اسٹیمپل یا اور اپنے نام سے شائع کرنا۔ جناب سید جنت جنتی کی رائے، اس تناظر میں دیکھا جائے تو کہ جاسکتا ہے کہ مولانا ظفر علی خاں کی تحریکی اور طویل حالت کے زمانے میں شاید جنس نظمیں انظر صاحب نے حضرت مولانا کے زیرِ ہدایت و سرِ اقتدار علی صاحب دنیہ کی فرمائش سے ہی ہوں یہ مولانا کی جنس نامہ نظمیں کو مصلح راہ مودنا کی جنس نظمیں پر بولی مشورہ دیا ہو، لیکن ظاہر ہے کہ ایسا کلام بھی حضرت مولانا کی تائید، اجازت ہی سے اخبار میں حضرت مولانا کے نام سے شائع ہوتا ہو گا، اس لیے کم از کم فکری سطح۔ ایسے کلام کے خط و صوبہ انتساب بھی حضرت مولانا ہی سے ہونا چاہیے۔

حوالے اور حواشی

- ۱۔ طیف احمد شروانی ایم۔ اے حرف اقبال۔ نومبر ۱۹۳۵ء ص ۳۰
- ۲۔ محمد حنیف عالم (مترجم) تالیف اقبال بیٹم قائد اعظم۔ چاپ قائد اعظم نے بیانیہ حاصل مرید قند صاحب شیر محمد زاری مرتب رود تاج بیگز آف اقبال میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔
- ۳۔ تقی فرقی ڈاکٹر مضمون۔ مشورہ۔ مای سیارہ ص ۳۴۔ بہت فروری ۱۹۹۳ء ص ۴۰۸
- ۴۔ ربیع الدین دشمنی ڈاکٹر۔ مضمون مشمول اقبال ریویو باہت: جنوری ۱۹۸۳ء
- ۵۔ اشرف عطا۔ مولانا ظفر علی خاں ص ۳۶-۱۳۷
- ۶۔ شریف الدین چیر زادہ سید (مترجم) فاؤنڈیشن آف پاکستان۔ حصہ اول نیشنل پبلشنگ ہاؤس لینڈ۔ کراچی ص ۱۰
- ۷۔ فاؤنڈیشن آف پاکستان۔ حصہ اول ص ۳۵۵
- ۸۔ یف ص ۳۴۳-۳۴۴

۹۔ ایضاً ص ۳۵۳ تا ۳۵۵

۱۰۔ ایضاً ص ۳۸۳ تا ۳۸۴

۱۱۔ ایضاً شریعت پاکستان، حصہ ۱۱ ص ۲۸۰ تا ۲۸۱

۱۲۔ ایضاً ص ۲۸

۱۳۔ ایضاً ص ۲۵۶ تا ۲۵۷

۱۴۔ ایضاً ص ۱۴۵ تا ۱۴۶

۱۵۔ زمیندار۔ جلد ۱۳۔ نومبر ۱۹۶۸ء

۱۶۔ ایضاً شریعت پاکستان، حصہ دوم ص ۳۵

۱۷۔ ایضاً ص ۱۳

۱۸۔ شریعت نے سید روئی۔ نظریاتی غار، در ان کا مقدمہ ص ۳۷۳۔ افسوس ہے سید روئی صاحب نے قلم نگار کی تاریخ تحریر درست درج نہیں کی تاہم اعظمی نے شاہی مسجد میں ۱۹۳۶ء کو کتاب تحریر کی۔

۱۹۔ ایضاً ص ۲۳۹ تا ۲۴۰۔ جہاں اٹکوی ۱۱ نومبر ۱۹۷۸ء ص ۲۳۹ تا ۲۴۰

۲۰۔ ایضاً شریعت پاکستان، حصہ ۱۱ ص ۲۸۰ تا ۲۸۱۔ سید روئی صاحب نے قلم نگار کے قلم سے کتاب تحریر کی۔ تاہم شریعت نے قلم نگار کی تاریخ تحریر درست درج نہیں کی تاہم اعظمی نے شاہی مسجد میں ۱۹۳۶ء کو کتاب تحریر کی۔

۲۱۔ ایضاً شریعت پاکستان، حصہ ۱۱ ص ۲۸۰ تا ۲۸۱۔ سید روئی صاحب نے قلم نگار کے قلم سے کتاب تحریر کی۔ تاہم شریعت نے قلم نگار کی تاریخ تحریر درست درج نہیں کی تاہم اعظمی نے شاہی مسجد میں ۱۹۳۶ء کو کتاب تحریر کی۔

۲۲۔ ایضاً شریعت پاکستان، حصہ ۱۱ ص ۲۸۰ تا ۲۸۱۔ سید روئی صاحب نے قلم نگار کے قلم سے کتاب تحریر کی۔ تاہم شریعت نے قلم نگار کی تاریخ تحریر درست درج نہیں کی تاہم اعظمی نے شاہی مسجد میں ۱۹۳۶ء کو کتاب تحریر کی۔

۲۳۔ ایضاً شریعت پاکستان، حصہ ۱۱ ص ۲۸۰ تا ۲۸۱۔ سید روئی صاحب نے قلم نگار کے قلم سے کتاب تحریر کی۔ تاہم شریعت نے قلم نگار کی تاریخ تحریر درست درج نہیں کی تاہم اعظمی نے شاہی مسجد میں ۱۹۳۶ء کو کتاب تحریر کی۔

۲۴۔ ایضاً شریعت پاکستان، حصہ ۱۱ ص ۲۸۰ تا ۲۸۱۔ سید روئی صاحب نے قلم نگار کے قلم سے کتاب تحریر کی۔ تاہم شریعت نے قلم نگار کی تاریخ تحریر درست درج نہیں کی تاہم اعظمی نے شاہی مسجد میں ۱۹۳۶ء کو کتاب تحریر کی۔

۲۵۔ ایضاً شریعت پاکستان، حصہ ۱۱ ص ۲۸۰ تا ۲۸۱۔ سید روئی صاحب نے قلم نگار کے قلم سے کتاب تحریر کی۔ تاہم شریعت نے قلم نگار کی تاریخ تحریر درست درج نہیں کی تاہم اعظمی نے شاہی مسجد میں ۱۹۳۶ء کو کتاب تحریر کی۔

۲۶۔ ایضاً شریعت پاکستان، حصہ ۱۱ ص ۲۸۰ تا ۲۸۱۔ سید روئی صاحب نے قلم نگار کے قلم سے کتاب تحریر کی۔ تاہم شریعت نے قلم نگار کی تاریخ تحریر درست درج نہیں کی تاہم اعظمی نے شاہی مسجد میں ۱۹۳۶ء کو کتاب تحریر کی۔

۲۷۔ ایضاً شریعت پاکستان، حصہ ۱۱ ص ۲۸۰ تا ۲۸۱۔ سید روئی صاحب نے قلم نگار کے قلم سے کتاب تحریر کی۔ تاہم شریعت نے قلم نگار کی تاریخ تحریر درست درج نہیں کی تاہم اعظمی نے شاہی مسجد میں ۱۹۳۶ء کو کتاب تحریر کی۔

۲۸۔ ایضاً شریعت پاکستان، حصہ ۱۱ ص ۲۸۰ تا ۲۸۱۔ سید روئی صاحب نے قلم نگار کے قلم سے کتاب تحریر کی۔ تاہم شریعت نے قلم نگار کی تاریخ تحریر درست درج نہیں کی تاہم اعظمی نے شاہی مسجد میں ۱۹۳۶ء کو کتاب تحریر کی۔

۲۹۔ ایضاً شریعت پاکستان، حصہ ۱۱ ص ۲۸۰ تا ۲۸۱۔ سید روئی صاحب نے قلم نگار کے قلم سے کتاب تحریر کی۔ تاہم شریعت نے قلم نگار کی تاریخ تحریر درست درج نہیں کی تاہم اعظمی نے شاہی مسجد میں ۱۹۳۶ء کو کتاب تحریر کی۔

۳۰۔ ایضاً شریعت پاکستان، حصہ ۱۱ ص ۲۸۰ تا ۲۸۱۔ سید روئی صاحب نے قلم نگار کے قلم سے کتاب تحریر کی۔ تاہم شریعت نے قلم نگار کی تاریخ تحریر درست درج نہیں کی تاہم اعظمی نے شاہی مسجد میں ۱۹۳۶ء کو کتاب تحریر کی۔

۲۲۔ جناب ڈاکٹر سید ظہور علی نے اس پر بلا حوالہ یہ حاشیہ دیا ہے

”سر افضل حسین نے ظفر علی خاں کو یہ پیغام بھیجا تھا

“If you want Shahid Gani Convent”

۲۳۔ ”میر شیخ محمد علی خاں نے دہلی کے دور میں لکھا ہے

۲۴۔ ”پاکستان کے سر افضل حسین صاحب نے دہلی کے دور میں جناب ظہور علی خاں

۲۵۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۲۵۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۲۶۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۲۷۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۲۷۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۲۸۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۲۹۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۳۰۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۳۱۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۳۲۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۳۳۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۳۴۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۳۵۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۳۶۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۳۷۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۳۸۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۳۹۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۴۰۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۴۱۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۴۲۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۴۳۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۴۴۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۴۵۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۴۶۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۴۷۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۴۸۔ ”دہلی کے دور میں ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے

۳۷۔ محمد چناب۔ ظفر علی خاں نمبر۔ ص ۸۳

۳۸۔ محمد یامین خان 'سر' نامہ اقبال ص ۶۸۳

۳۹۔ ذیشان۔ تقریر۔ ص ۱۹۶ تا ۱۹۷، ڈیٹیز آف پاکستان ص ۲۷۳-۲۷۵

۴۰۔ ڈیٹیز آف پاکستان۔ ص ۲۷۸

۴۱۔ ص ۱۰۵۔ مکتبہ۔ ڈیٹیز آف پاکستان کے حالات زندگی اور کارنامے مقالہ ایم اے ص ۱۰۵

۴۲۔ مکتبہ نسیم بنامہ کی جلد یادیں چند تاثرات۔ جلد دوم واجد علیزاد لاہور ۱۹۵۸۔ ص ۲۸

۴۳۔ پاکستان ص ۱۰۱-۱۰۲

۴۴۔ مکتبہ نسیم بنامہ کی جلد یادیں چند تاثرات۔ جلد دوم واجد علیزاد لاہور ۱۹۵۸۔ ص ۲۸

۴۵۔ پاکستان ص ۱۰۱

۴۶۔ پاکستان ص ۱۰۱

۴۷۔ پاکستان ص ۱۰۱۔ مکتبہ نسیم بنامہ کی جلد یادیں چند تاثرات۔ جلد دوم واجد علیزاد لاہور ۱۹۵۸۔ ص ۲۸

۴۸۔ ڈیٹیز آف پاکستان جلد سوم ص ۲۶۲

۴۹۔ پاکستان ص ۱۰۱

۵۰۔ پاکستان ص ۱۰۱

۵۱۔ پاکستان ص ۱۰۱۔ مکتبہ نسیم بنامہ کی جلد یادیں چند تاثرات۔ جلد دوم واجد علیزاد لاہور ۱۹۵۸۔ ص ۲۸

۵۲۔ پاکستان ص ۱۰۱۔ مکتبہ نسیم بنامہ کی جلد یادیں چند تاثرات۔ جلد دوم واجد علیزاد لاہور ۱۹۵۸۔ ص ۲۸

۵۳۔ پاکستان ص ۱۰۱۔ مکتبہ نسیم بنامہ کی جلد یادیں چند تاثرات۔ جلد دوم واجد علیزاد لاہور ۱۹۵۸۔ ص ۲۸

۵۴۔ پاکستان ص ۱۰۱

۵۵۔ پاکستان ص ۱۰۱۔ مکتبہ نسیم بنامہ کی جلد یادیں چند تاثرات۔ جلد دوم واجد علیزاد لاہور ۱۹۵۸۔ ص ۲۸

۵۶۔ پاکستان ص ۱۰۱

۵۷۔ پاکستان ص ۱۰۱

۵۸۔ پاکستان ص ۱۰۱۔ مکتبہ نسیم بنامہ کی جلد یادیں چند تاثرات۔ جلد دوم واجد علیزاد لاہور ۱۹۵۸۔ ص ۲۸

۵۹۔ پاکستان ص ۱۰۱۔ مکتبہ نسیم بنامہ کی جلد یادیں چند تاثرات۔ جلد دوم واجد علیزاد لاہور ۱۹۵۸۔ ص ۲۸

۶۰۔ پاکستان ص ۱۰۱

۶۱۔ پاکستان ص ۱۰۱۔ مکتبہ نسیم بنامہ کی جلد یادیں چند تاثرات۔ جلد دوم واجد علیزاد لاہور ۱۹۵۸۔ ص ۲۸

۶۲۔ پاکستان ص ۱۰۱۔ مکتبہ نسیم بنامہ کی جلد یادیں چند تاثرات۔ جلد دوم واجد علیزاد لاہور ۱۹۵۸۔ ص ۲۸

۶۳۔ پاکستان ص ۱۰۱۔ مکتبہ نسیم بنامہ کی جلد یادیں چند تاثرات۔ جلد دوم واجد علیزاد لاہور ۱۹۵۸۔ ص ۲۸

۶۴۔ پاکستان ص ۱۰۱۔ مکتبہ نسیم بنامہ کی جلد یادیں چند تاثرات۔ جلد دوم واجد علیزاد لاہور ۱۹۵۸۔ ص ۲۸

۶۵۔ پاکستان ص ۱۰۱۔ مکتبہ نسیم بنامہ کی جلد یادیں چند تاثرات۔ جلد دوم واجد علیزاد لاہور ۱۹۵۸۔ ص ۲۸

۶۶۔ پاکستان ص ۱۰۱۔ مکتبہ نسیم بنامہ کی جلد یادیں چند تاثرات۔ جلد دوم واجد علیزاد لاہور ۱۹۵۸۔ ص ۲۸

۶۶۔ علی اکبر گھمن۔ مولانا ظفر علی خاں کے حالات زندگی اور کارنامے۔ مقالہ ایچ اے میں ۱۱۲۔

۶۷۔ ہشتان۔ ص ۱۶۵

۶۸۔ زمیندار۔ ۲۲ مئی ۱۹۳۰ء۔ ص ۱۵

۶۹۔ نامہ اعمال ص ۷۵ تا ۷۸

۷۰۔ نامہ التقاری مولانا زید رفعتاں۔ مرتبہ شاپ سائمی جلد اول ابیدر پہلی کیشہ ۱۰۰۔
۱۹۸۳ء۔ ص ۳۵۹ تا ۳۶۰

۷۱۔ فاؤنڈیشنز آف پاکستان۔ جلد سوم ص ۳۵۶ تا ۳۵۸

۷۲۔ اشرف عطا۔ مولانا ظفر علی خاں ص ۱۷۱-۱۷۲

۷۳۔ ریڈیو پاکستان سٹیشن سسٹیم ڈی بی بیت ۶۔ قہر ۱۹۳۲ء جلد سوم ص ۲

۷۴۔ شاپ سائمی۔ کس سے آپ مقالہ ایم سے جنوں "مولانا ظفر علی خاں کے حالات زندگی اور کارنامے" اور اس کے تحت "سب زیدی" سے پین کتاب "مولانا ظفر علی خاں احوال، شمار" (ص ۲۶) میں
میں عبارت ہے۔ "حضور نے بارہ سال ریڈیو پاکستان میں خدمت کی۔" یہ عبارت اصل یہ
تھی کہ "۱۹۳۲ء۔ خود سر یا مین خاں نے نامہ اعمال (ص ۸۶۵) میں الخراج دی ہے" ۲۲۔ ستمبر ۱۹۳۲ء کو
سرید رسائی نے پیش کی تھی اور ۲۳۔ ستمبر کو یہ منفقہ طور پر پس کی گئی۔

۷۵۔ فاؤنڈیشنز آف پاکستان جلد سوم۔ ص ۳۸۳

۷۶۔ اشرف عطا۔ مولانا ظفر علی خاں۔ ص ۱۷۳ تا ۱۷۵

۷۷۔ ریڈیو پاکستان سٹیشن سسٹیم ڈی بی بیت ۶۔ قہر ۱۹۳۲ء جلد سوم ص ۲۔ "مولانا ظفر علی خاں
کے حالات زندگی اور کارنامے۔ مقالہ ایچ اے

۷۸۔ نامہ اعمال۔ ص ۸۷۸

۷۹۔ فاؤنڈیشنز آف پاکستان جلد دوم۔ ص ۳۷۶

۸۰۔ نامہ اعمال۔ ص ۹۰۷

۸۱۔ نئے وقت۔ ۱۰ مئی ۱۹۳۵ء۔ بحوالہ ابرام علی حب۔ "شب و روز" ریڈیو پاکستان سٹیشن

دی پنجاب۔ ریڈیو سوسائٹی آف پاکستان لاہور۔ اپریل ۱۹۸۵ء

۸۲۔ اشرف عطا۔ مولانا ظفر علی خاں۔ ص ۱۷۶-۱۷۹

۸۳۔ غلام حسین ذوالفقار، ظفر علی خاں۔ ص ۱۰۳-۱۰۵

۸۴۔ اشرف عطا۔ مولانا ظفر علی خاں۔ ص ۱۷۹

۸۵۔ مساجد اہل صدیقی نسیم نوٹری کیڈی (مرتبہ) قائد اعظم کے حضور میں

۸۶۔ زمیندار۔ ۶ مارچ ۱۹۵۸ء

۸۷۔ ہمارا ہشتان۔ سچے کارواں ص ۵۸۶

۸۸۔ زمیندار۔ ۵ اگست ۱۹۳۸ء

۸۹۔ ظفر علی خاں اور ان کا عہد ص ۳۵۷-۳۵۸

۹۰۔ میٹراہ - ۲۶ - ۲۷ دہری ۱۹۵۰ء

۹۱۔ مارشل لاء سے مارشل لاء تک - ص ۳۵۱

۹۲۔ بہارستان ص ۵۸۷

۹۳۔ یہ ص ۵۱۸

۹۴۔ ایضاً ص ۵۸۹-۵۹۰

۹۵۔ تربیت تہذیب و تمدن - ظفر علی خاں اور ان کا عہد ص ۳۷۳ حضرت قائد اعظم کی تاریخ
تقریریں صدر دلی صاحب کا تالیف ہو - یہ تقریر ۲۱ - مارچ ۱۹۳۷ء کو نہیں بلکہ یکم مئی ۱۹۳۶ء کو ہوئی
تھی۔

۹۶۔ تہذیب و تمدن (مربع) انتشار قائد اعظم

۹۷۔ یہ مکتبہ - بنام اختر علی خاں روزنامہ اتفاق ۳۰ - نومبر ۱۹۵۶ء

۹۸۔ تربیت تہذیب و تمدن انتشار علی خاں ص ۲ (دبلاچہ)

۹۹۔ یہ کتاب (مولانا ظفر علی خاں گورنمنٹ ڈگری کالج وزیر آباد کا علمی و ادبی مجلہ) ۱۹۸۳ء ظفر علی خاں
میر ص ۸۱

۱۰۰۔ ملامتیں ذرا انتشار و میرا سزا - ظفر علی خاں ادیب و شاعر - ص ۱۰۸

اقبال و ظفر — معاملات من و تو

سات اقصیٰ حضرت اکبرؒ نے آبادی کے مولانا ظفر علی خاں کو ”موم کی ناک“ قرار دیا ہے۔ یہ شخصیت نہ تو کسی خاص طبقہ سے تھی نہ کسی خاص مذہب سے چمکتی ہوئی اسلامی شخصیت کو استغناء آمیز سے دیکھ کر ہٹاتی تھی، نہ ہی ہمارا خیال ہے کہ اس سلسلہ میں مولانا ظفر علی خاں کے ساتھ کوئی عداوت ہو رہی ہو۔ اور ہمیں کرام مولانا کی پر جوش اور دلہانہ شخصیت کا تجزیہ کچھ زیادہ ہی مددگار نہیں رہا ہے۔ یہ واقعہ یہ ہے کہ مولانا ظفر علی خاں کی شخصیت میں سرور و تاب نہ تھا، نہ ہی وہ راست نظر اور راست الطہر بزرگ تھے اور معاملات اندیشی سے ہمیں ملتی سروسامان نہ تھے۔ وہ خود بھی فرماتے ہیں

نکل جاتی ہے جی ہات جس سے منہ سے مستی میں
تیرے مصیبت ہیں سے وہ رد باہہ خوار اچھا

اس میں نہایت عاقلانہ حدقت ہے۔ دستِ مبارک حق مولا سے اس بلند مقام پر فائز تھا۔ اس حدقت کے ساتھ رہنا ایمانی تہذیب بھی پسند نہیں کرتی۔ بعض اہل نقد نے اس وصف کو مولا سے تعبیر فرمایا ہے میں اسے ”صراحت نگاری“ کہتا ہوں۔ اپنے اہل اصولوں کی تہذیب سے اس نے نہایت دلچسپی اور جذباتی تھے۔ اور ان کے اہل اصول کیا تھے؟ احمدی تھے۔ یہ وہی وہی اسلام سے غیر مشروط اور غیر معتزل عقیدت و ارادت اور حریت کشی۔ ان کے مذہب نے کسی سطح پر بھی شرک کو گوارا نہ کیا۔ اس نے اسلام اور اس کے آخری نبیؐ کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے والے دریدہ دہنوں کے ٹاٹھے بند کر دیے۔ اس موم کی ناک نے ہر مرتد کو تائب کر دیا اور اس سلسلے میں کسی مصیبت اور چپ و ردا نہ رہی۔ آزادی کے بعد یہ سب سے زیادہ نفع مند ذہن محسوری اور تھالی اس کا مقدر بن گئی۔ لیکن یہ موم کی ناک نے سب مولا سے کسی طرح کا حسد یا حسرت نہ ہو۔ عرض مولانا ظفر علی خاں کی پوری

زندگی گواہی دے رہی ہے کہ وہ آپ صوفی و معتقدات کے تحفظ میں ان تہمت مبارکہ اور اس شعر کا صحیح مصداق تھے۔

گر یزد از صف ما ہر کہ مرد غوغا نیست
کے کہ کشتہ نہ شد از قبیلہ ، نیست

جہاں تک مولانا ظفر علی خاں اور ان کے معاصرین سے بعض سیاسی اختلاف کا تعلق ہے یقیناً مولانا سے سیاسی مخالفین اپنے نقطہ نظر، غلو، اور دیانت داری سے ساتھ صحیح نہ کہتے ہوں گے اور محسوس ہے کہ کئی معاملات میں آج ہم بھی انہی کی تائید کریں لیکن جوں انصاف کا تقاضا ہے کہ ہمیں مولانا کے بارے میں بھی یہی حسن ظن رہنا چاہئے کہ وہ بھی کامل دیانت دار اور انتہائی غلو، نیست کے ساتھ اپنے نقطہ نظر کی صحت پر اصرار رہے تھے۔ ہاں یہ درست ہے کہ اپنے اصول و معتقدات کی پاسبانی کے معاملہ میں مولانا بہت پر جوش تھے۔ اتنے پر جوش اور اتنے پروردگار کہ اس سلسلے میں بڑی سے بڑی شخصیت کی مخالفت میں بیٹے سے بھی نہیں ہست تھے اور یہی ان کا ایسا تھا کہ یہ ہے کہ ان کی یہ جرات اختلاف اور یہ ہاں اظہار بصیرت عامہ اقبال جیسے محترم دوست کے معاملہ میں بھی مجھوب نہ رہ سکی۔

تخلف و تنازع سے ان ہنگاموں اور جوش و جذبہ سے ان کی جہانی نجات میں ان اشرار سے اسلوب فکر و عمل کے معاملہ سے ظاہر ہو گا کہ فروغ احساس در طبعی جذبات کی شعلیں آئیں کیفیت میں بھی ان کے ہاں حسن اختلاف اور تسکین و انصاف کی یہ شعلیں ہوتی تھیں۔ بعض سیاسی معاملات مثلاً نہرو رپورٹ، سائنس کمیشن، مخلوط انتخابات وغیرہ کے ضمن میں اقبال و ظفر کے اختلافات کا ذکر تحریک آزادی اور قیام پاکستان سے متعلقہ باب میں ہو چکا ہے۔ چند دیگر صریح و ضمنی اور سیاسی و عمرانی اختلافات لیکن دوستانہ اختلافات کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

وطن مازنی کے میدان

حضرت علامہ اقبال سے مولانا ظفر علی خاں نے اختلاف کی ایک چھوٹی سی مثال "گارتوں" کی ایک نظم کے توضیحی نوٹ سے ہمارے سامنے آتی ہے حضرت علامہ نے ۱۹۰۸ء میں انہی کے محب وطن قومی رہنما جوزف میزنی (۱۸۰۵-۱۸۷۲ء) کو خراج پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

ہرے رہو وطن مازنی کے میدانو

جہاز پر سے تمہیں ہم سام کرتے ہیں

۱۹۱۱ء میں انہی نے طرابلس پر حملہ کر دیا۔ مولانا ظفر علی خاں کو دسمبر ۱۹۱۲ء کے اواخر میں

محیب و غریب واقعہ ان کا بیان کیا یعنی یہ کہ وہ حضور نظام کے ارہار میں "یا امیر
 اومنین" کا نغمہ مار رہے ہوتے تھے راوی نے طرز بیان سے معلوم ہوتا تھا
 کہ وہ وہی صاحب کی سب ہوشی مصوبی تھی، نہ اہم میں نے ان کو جانی، اند کہ
 بھی، یہ تھا کہ وہ حیدر آباد میں سوائے اپنے کام کے اور کسی سے سروکار نہ رکھیں۔
 مگر افسوس کہ وہ میری نصیحت پر عمل نہ کرے، در قیہ، انی، اس کا بچنے اندیشہ
 تھا۔"

"مونا ظفر علی خاں اور حیدر آباد، کن" کے عنوان سے جناب شفقت رحمانی کا یہ قابل
 قدر مضمون ۳۰ مئی مجلہ اقبال ہاٹ اپریل تا جولائی ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا ہے جس سے
 ان کا تعلق ہوتا ہے کہ ۱۹۱۹ء میں مونا کو حیدر آباد سے لایا گیا تھا، رضوی صاحب نے مونا
 سے ثابت کیا ہے کہ مولانا کو ان کی اپنی مرضی کے مطابق ماہور میں رہا، تاہم ان کے بارے
 میں ان کی اجازت دی گئی تھی اور نہ صرف ان کی تمام اقدار بھی ان کی تھی بلکہ وہ صاحب
 ماہانہ بھی یہاں رکھے گئے تھے جو برطانیہ حکم صدر ۲۰۳۶ (۱۹۱۸ء) مولانا کو لے گئے
 تھے۔ تاہم تقریباً پانچ سال بعد حکومت ہند نے پینٹنل پارکمنٹ کے بارے میں مونا
 کی ملازمت اور تمام دیگر مراعات میر عثمان علی خاں کے حکم سے بند کر دی گئیں

ایک منظوم مکالمہ

جناب اصغر حسین نظیر اودھیانوی فرماتے ہیں:

"۱۹۱۹ء میں جب پہلی جنگ عظیم کے بعد یورپی اقواموں نے تقاریر سے تمام مقبوعات
 اور عرب ممالک پر قبضہ کر کے پورے عالم اسلام پر اپنی سیادت قائم کر لی تو دنیا بھر
 کے مسلمانوں میں سب سے پہلی پیدا ہوئی برصغیر ہند و ہند میں تحریک خلافت شروع ہو
 گئی، اور ان حالات میں جناب محمد حسین عثمانی سرکاری ایک ادارے میں
 ملازمہ اقبال سے التجا کی کہ وہ مولانا قیامت خیز حالات میں خواتین کے رہیں، تو ان
 رہنمائی کے لیے کچھ فرمائیں۔ عثمانی کی نظم طویل ہے، مگر یہ اشعار یہ تھے

نیز و ہلوانک دل اور غنبد نصرا نفس
 از شور تیند ختنے شور صور تر نفس
 نیز و صوت خواہد تہک رختہ تہل من
 قطرہ داری یادور ر شر تہیل من

نیر ازیں کج سالت، جلوہ برا چلن

ہاں یا ابھو سنائی گوئے در میداں بزن" (۱)

یہ صحرانوردانہ زمیندار کے شمارہ بہت ۱۳- مئی ۱۹۲۰ء میں شاخ ہونی اور مولانا ظفر علی خاں مرحوم اشعار زمیندار کا یہ پرچہ کے راجہ علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علامہ کے لکھی مرتبہ کے پیغام کے جواب میں نو اشعار مولانا ظفر علی خاں مرحوم کے جواب میں لکھے۔

علامہ کے علم کے کسی مجموعے میں شامل نہیں ہیں۔ میں یہ اشعار ان میں درج کرتا ہوں

دانی کہ چیت شیوہ مردان پختہ کار

عرشی گماں دار کہ چنانہ ام شکست

دارم ہوز از کرم سائی خوار

تو دروہ تاب کہ خیزد رسد مست

ار شاخسار اظہت من می ہد ہزار

میں دہ کہ ہون نیسے دہش بہ دست

لیکن شہید کہ دم شہش شب

یہ عجم چہ است بہ زندان سنہ بہ دست

"انما کہ دید شہدہ چرخ حق ہار

بکام در پیدہ در کاشکے بہ دست" (۲)

علامہ کے جواب میں لکھے گئے ہوتے ہوئے اوسے روز مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے کہا

بندہ نواز ہم سے نہیں کچھ چھپی سائی

پیر فلک کی شہدہ بازی کی بود و بہت

مانا کہ آسمان سے شمس و قمر ن ہون

وہم از ری بہ کہ باطل کہ بہ شکست

مانا کہ بہ بہ بہ نظر آتے ہیں بہ مند

چرخ تیرہ ہار بہ بہ زبون و بہت

لیکن نہ توں سعدی تیرہ بہ بہت

پہوٹا میں بہ بہ ہاتھ کے بہ رشتہ بہت

"رشتن بہ بہ بہ مراد بہ بہ بہت

حق کہ بہ بہ مقبول اورش بہ بہ بہت"

علیم طغرائی امرتسری نے بھی علامہ کے جواب پر محاکمہ کرتے ہوئے ایک نظم کہ: لی جس کے آخری دو شعر یہ تھے:

کیرم کہ حج فلسفہ و حکمت است کس
اما پے سود مهر سکوت از ہش بہ بست
پندیر امتداز ز . طغرائی حزیں
دانی کہ او ز بند الم بیچ کہ نہ دست

آخر علامہ نے عثمانی امرتسری، مولانا ظفر علی خاں مرحوم اور علیم طغرائی امرتسری کے ہمارے سامنے سر تسلیم خم کیا اور مولانا ظفر علی خاں مرحوم کو بتایا کہ انہوں نے ایک نظم شرح اردی ہے جس کا مطلع یہ ہے:

شعلہ در آغوش داور عشق ہے پردائے من
بر نہ خیزد یک شرار از قسمت نازائے من

یہ نظم بھی جس کے چند اشعار میرے پاس محفوظ ہیں، علامہ مرحوم کے کسی مجموعہ کلام میں شامل نہیں ہے۔ (۳)

فوجی بھرتی

پہلی بینک عظیم کے سلسلے میں فوجی بھرتی کی تخریب بڑے زور شور سے جاری رہی تھی۔ مولانا ظفر علی خاں اس بھرتی کے خلاف تھے چنانچہ مولانا نے خلاف و استغاثہ ۱۹۲۰ء میں بمبئی میں پور کی عدالت میں پیش کیا تھا، اس میں کہا گیا تھا کہ۔

۱۳ یا ۱۴ اگست کے قریب ملزم ظفر علی خاں نے حضور ضلع انک میں ایک تقریر کی جس کے دوران میں حسب ذیل الفاظ استعمال کیے:

”ہم وہ مسلمان ہیں جن کو ملکہ کہ کتاب کالی ہے اور ہم سب وہ لوگوں نے مسلمانوں کو دس کیرہ روپے کی خاطر گویوں سے مار دیا اور مقامات مقدسہ کو سر کرنے کے بعد مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔۔۔ اب ہاں یہ ہے کہ حالات حاضرہ میں لیا گیا جائے؟ ہر مسلمان پر ہجرت کرنا فرض ہے اپنے بچوں کو مدرسہ بھیجنے سے روک دیں۔ کوئی شخص فوج میں بھرتی نہ ہو۔ یلدار اور بہادر اپنے عہدوں سے استعفیٰ دے دیں۔۔۔۔۔ اب لگاؤ نعرہ کہ ہم فوج میں بھرتی نہ ہوں گے۔“ (۴)

اس وقت انگریز نام اسلام کو اپنی نوآبادیاتی ہوس کے شکنجے میں کستے چلے جا رہے تھے

انگریزوں کی اس روش کے خلاف ۱۹۲۰ء کے زمینداروں میں آپ کے یہ اشعار شائع ہوئے۔

اس تب سرخ کا ساقی "ہر بھی ایک نڈلا
لٹکھا کر جس کے خم کے خم ہوئے سرشار بوتلا
سرنہ کی مئے ٹھنک اگر تیزی میں کچھ کم ہو
حرم میں جا کے یورپ کے لیے فون بوتلا
مے آستان مغرب کو اگر ساغر کی حاجت ہو
کسی مسلم کا منی میں ملا اک کاسہ سر لا
انٹی ہوں آپ سے یہ بھی فرمایا

وہ حد تب غریب دہشت = خندہ رن
پھونکوں سے یہ چراغ بھٹایا نہ جائے گا
مشیت کو یہ طاسے سنا دو کہ آج سے
تنگی کا تاج ہم کو نپایا نہ جائے گا
اے ہر ہاتھ پاؤں سے تیری راہ میں
سر رہ گیا ہے سو وہ کٹایا نہ جائے گا (۶)

حضرت علامہ سے یہاں فوجی بھرتی کے خلاف کہی ایسا مدح بیان نہیں ملتا بلکہ انہیں تو
۱۹۲۰ء میں بھرتی سے ملتے میں ہونے والے مشاعرہ میں شریف ہونے اور پنجاب کا جواب کے
عنوان سے نو بند کا ایک مسدس پڑھنے پر مجبور کر دیا گیا تھا جس کا ایک شعر درج ذیل ہے۔

ہنگامہ دغا میں مرا سر قبول ہو
اہل وفا کی نذر محقر قبول ہو

سر (ٹائٹ) کا خطاب

حضرت علامہ اقبال کو ۱۹۲۳ء کو ٹائٹ یعنی سر کا خطاب ملا۔ اس سے قبل
حضرت ہندو متوں و شیعہ، جیوگا کا دور اس سلسلہ میں مختلف اطراف سے حضرت علامہ اقبال
ملاقات ہوئے۔ مولانا عبدالحمید سہلکی کی سات شعری بے قیام نظم اس زمانہ میں خاصی
مشہور ہوئی تھی جس نظم کی ردیف "سر ہو گئے اقبال" تھی اور یہ ماسا ۴۔ جنوری ۱۹۲۳ء کو کسی
مئی اور ۸۔ جنوری کے زمینداروں میں شائع ہوئی تھی۔ اس نظم سے چند اشعار درج ذیل ہیں

ہر دردمند علم ہوا قلم حکومت
 لہوؤں کا عالم سے سر ہو گئے اقبال
 پہلے تو مسلمانوں کے سر ہوتے تھے انگریز
 تک پہلے ہی انگریزوں کے سر ہو گئے اقبال
 مگر یہ کہ انگریزوں کے سر ہو گئے اقبال
 سرکار کی دلیلیں پہ سر ہو گئے اقبال
 سر ہو گیا ترکوں کی شجاعت سے سر
 سرکار کی تدبیر سے سر ہو گئے اقبال
 سودائے غم عشق سے سالک تو ہوا قید
 اور خوبی قسمت ہے کہ سر ہو گئے اقبال

مولانا عبد مجید صاحب ۴ نومبر ۱۹۲۱ء کو اپنے ایک سامراجی، نیشنل اور ہندوستانی
 کے تھے اور انہیں ایک سال قید کی سزا ملی تھی۔ ۲۲۔ اواخر میں وہ رہا ہو چکے تھے۔ مولانا نے
 ملی خاں اس زمانے میں شکری (سازیدار) میں تھے۔ انہیں بھی اس بات کا علم تھا۔
 حضرت علامہ کے سر کا خطاب یوں ہوا۔ ”سر“ کے عنوان سے ان کی ایک نظم بھی شائع
 میں موجود ہے۔ اس نظم کی تاریخ تحریر ۲۹۔ دسمبر ۱۹۲۱ء ہے۔ بقا ہے یہ نظم مولانا کے قید خانہ
 سے رہائی (۱۹۲۳ء) کے بعد ہی اس محققہ نظم میں مولانا نے حضرت علامہ کا عاقبت وراثی کا شعر
 بھی دیا اور انہی کا ایک مصرع اس نظم میں تصنیف کر کے انہیں ”میں مردانگی اپنے کی تکتیں“
 ہے۔ اصل اس نظم کو بھی سامراجی پیش دغیرہ نے سلسلہ میں دونوں حضرات کے سیاسی
 اختلافات کی ایک موج غبار سمجھنا چاہیے۔ نظم درج ذیل ہے۔

سر فردشوں کے ہیں ہم سر آئیں سر سرکار
 آپ کا منصب ہے سرکاری ہمارا خالی
 دیملہ رہے ہیں ہم میں افضل ہون ہے
 تپے چل کر دیکھا دیں اپنی اپنی باقی
 پاؤں میں زنجیر ہے زنداں سے گہرائے سین
 ہم محبان وطن کا شیوہ ہے دیوانگی
 عافیت کوٹھی ہے پہلے دن سے سلسلہ تپ ہے
 اور ہی میں مستقر ہے پناہ فرزانگی

تجربہ کرنا چاہوں ، فیروں کا ایسا ساتھ آپ نے
 بات سے یہ عقل کی عقل سے عقلی
 "مسلمہ" کا یہ اندازہ کرنا چاہوں
 پیوڑ دے اس ہزدلی کو اور دیکھ مرادنگی (۷)

حضرت علامہ کے بعض دیگر دوستوں اور بہت سے عام مسلمانوں کو یہ اندیشہ تھا کہ شاید یہ
 علامہ قتل کرنے کے بعد حضرت علامہ آپ سیوا حق ولی کو قائل نہ رہ سکیں۔ جب میر سید
 علامہ سید یہ تک نے ایک خط لکھا اس خط کے ذریعہ حضرت علامہ سے یہ بات حضرت
 علامہ سے ۲۰ مئی ۱۹۲۳ء کو انہیں لکھی۔

"مائی رہا وہ خط و جس کا آپ نے قلب و دماغ ہوا ہے سو قسم ہے خدا سے ، مجھوں کی
 اس سے قسم میں میری جان و پردہ ہے اور قسم ہے اس سرور و برتری کی جس کی وجہ سے
 مجھے خدا سے ایمان نہیں ہوا اور مسلمان ہوتا ہوں ، اپنی ولی قوت مجھے حق سے باز نہیں
 رہ سکتی انشاء اللہ" (۸)

دوستانہ شکوہ

سیات (مطبوعہ ۱۹۲۶ء) میں حضرت علامہ اقدس سے "دوستانہ شکوہ" کے عنوان سے
 ایک خط آیا۔ اس خط میں پہلی نظم "شکوہ" کے عنوان سے ہے جس میں مودعا فرماتے ہیں

میں نے حضرت اقدس سے دعا کی ہے کہ
 آپ کے دنیاوی دشمنوں میں سے کسی دشمن
 کا جیسا کہ آپ کے چھ روز کے خوابوں سے ہے
 وہ پروردگار کا فکر بہت باں نہیں
 ہر مہتی کے کہ تو بہت سے نہیں رہزموں
 کی جنگ میں وہ سر نہیں وہ نہیں
 باندھنے کے لیے ہر قسم کے ہتھیار
 و روانہ پہنچی شمع ہی فی لعل نہیں
 وہ اس ہے کہ سر پہ ہلی ہلی نہ رہی
 وہی شب آپ کے کیا ولی صحابہ نہیں

دوش گوشہ ہے ماتم نہیں جس میں بڑا
 کون سا خط ہے جو مضبوط الجا نہیں
 شہزاد سے عقیدت میں مس ہستی کو
 شور ہند کے کس شہر میں ہڑتال نہیں
 یہ مباحث ترے نزدیک ہیں فرمودہ اگر
 تو خدافت کے مضامین تو یہاں نہیں
 ن مصروف ہی سے لڑتے جہاں اکبر
 شرع و تقویٰ سے قلمبے زد وہاں نہیں
 س وہاں مصیبت اندیش ہوا کرتا ہے
 تنہا یوں یاد تھے پہنچے ہی تو ان نہیں
 منت کے وقت میں اپوں سے نہ منہ پیچہ کہ تو
 دولت اسلام کی ہے کمر کا اقبال نہیں
 دوسری نظم بعنوان "زندگی" میں حضرت مولانا حضرت علامہ سے یوں چلی جیتے ہیں۔
 ہے ایسی مجھ ستم شمس ہے عطف حیات
 حضرت اقبال و عطف غنی سے زندگی

اقبال اور انقلاب

۱۹۲۷ء میں روزنامہ انقلاب جاری ہو چکا تھا اور اس کے مدیران شہیر مولانا غلام رسوں مر
 ور مولانا عبد مجید سالک کی مولانا ظفر علی خاں سے سیاسی و روحانی چھین چھار بھی شروع ہو چلی
 تھی۔ اہم سائنس کمیشن کے سلسلہ میں حضرت علامہ اقبال سے بھی مولانا ظفر علی خاں کے سیاسی
 اختلافات درپاں پڑ گئے مولانا نوشہرہ تھا کہ حضرت علامہ اقبال اور عطف فیروز خاں ہون انقلاب
 کی پشت پناہی کر رہے ہیں چنانچہ ۴۔ فروری ۱۹۲۷ء کو انہوں نے لکھا۔

یہ کیا نیا غصب ہے کہ ہڑتالیوں کے ساتھ
 شامل ہیں انقلاب سے اوس مدبر بھی
 پیش سے سر شیع اب ان دنوں کا دھوکا
 در ساتھ ان پرانی دفا کی لیر بھی

مجموعہ "انقلاب" کا اقبال و نون تھے
 دونوں کی تاک میں تھا مگر چرخ چر بھی
 کی سیاسی پس منظر میں مولانا نے ۱۲- اکتوبر ۱۹۲۸ء کو دہلی سے اشعار بھی کہے جو روزنامہ
 زمیندار میں شائع ہوئے۔

کہہ دو یہ اس سے تم کو 'خودی' کا جو درس دے
 رکھا ہی کیا ہے تیری فہم فہم میں
 کانوں میں گونجتے ہیں بخاری سے زمزمے
 'بلبل چمک رہا ہے ریاض رسول' میں

نادر شاہ

افغانستان میں حبیب اللہ خاں امیر افغانستان کے قتل (فروری ۱۹۲۹ء) سے بعد خاڑی امن اللہ
 خاں، بادشاہ بنے۔ اس نے ملک میں اصلاحات کرنے کی کوششیں کیں جس سے نادر خاں کی
 نفس منقلب سے ناپسند یہاں شہزادوں نے اس سے مخالف جدت روی پھر حبیب
 اللہ خاں ایک بڑا جو ایک ہشتی کا بڑا تھا اور عوام میں بچہ ستہ کے نام سے مشہور ہوا ملک کا
 بادشاہ بن گیا۔ برطانیہ بچہ ستہ کی پشت پناہی رہا تھا امن اللہ خاں جو وطن ہو کر ملی پہنچ گیا۔
 ملک و بچہ ستہ کے تسلط سے نادر خاں نے آزاد لڑایا لیکن بعد میں ۷- اکتوبر ۱۹۲۹ء کو اس
 سے جبر سے نوازا، نادر بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ نادر خاں نے اس اللہ خاں
 شہنشاہی کا یہ کہہ نادر خاں امن اللہ خاں نے حاکم کے طور پر ہی شہزادوں اور بچہ ستہ کی
 شورشوں و فساد کے لیے کیا تھا۔ چنانچہ مولانا حسرت موہانی نے فرمایا تھا۔

"جس (جرنل نادر خاں کو) جرنل کی رہنا چاہئے تھا نادر شاہ خانی نے کی کوشش نہیں
 کی چاہئے تھی۔" (زمیندار- ۲۷- اکتوبر ۱۹۲۹ء) حضرت علامہ اقبال نادر خاں کے حق میں تھے۔
 اس نے نادر خاں کی بھرپور مالی اور اخلاقی مدد کی اور اس نے بادشاہ افغانستان بننے پر بھی اس
 کی صریح تائید کی۔ انہوں نے دیگر ائمہ و ہمنوا بڑا لڑ بڑا نوی حکومت پر زور دیا کہ وہ نادر خاں
 کی خدمت و تسلیم سے چنانچہ ایک طویل مشترکہ بیان میں لکھا گیا

"ہر ملت انگریزی کا فرس ہے کہ ہندوستان اور افغانستان سے باشندوں کی متعدد خواہشات
 کے مطابق سپہ سالار خاڑی جنس محمد نادر خاں کو افغانستان کا جازہ بادشاہ تسلیم کرنے میں کسی قسم کا
 (۱) تاخیر، تاوان، تاوان نہ دے۔" (۲) اور جب نادر خاں کی حکومت کو تسلیم کیا گیا تو حضرت

علامہ کے وزیر خارجہ افغانستان کے نام برقی پیغام بھیجا جس میں لکھا گیا "بیرونی حکومتوں اور علی
 انصالحی برطانیہ کی طرف سے شہید حکومت پر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں نکلنے کے مبارک، جس
 آجے " (۱) ۱۹۳۳ء میں شاہ نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حضور کے لیے حضرت علامہ کے
 سید رس مسعود سید سلیمان ندوی کو افغانستان کے کی دعوت دی چنانچہ یہ حضرات ستمبر ۱۹۳۳ء
 میں انیسویں اور سرکاری ادارہ ہائل چپے اس سہ میں ایک موقع پر حضرت علامہ کے شاہ کی
 آمدت میں مدد عصر بھی لائی اور جب نومبر ۱۹۳۳ء میں نادر شاہ و شہید نادر شاہ کی خدمت
 علامہ کے وزیر اعظم افغانستان کے نام اپنے تقریری پیغام میں لکھا "میں نے اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ
 کے مدارائے قتل کی خبر سے نہایت شدید رنج و اندوہ محسوس کیا۔ اللہ تعالیٰ علی حضرت شہید کی
 روح و جنت مغفرت علی فرماے آپ نجات دہندہ افغانستان اور زمانہ حاضر کے محض تین
 حصوں میں سے تھے اور آپ کے جتنے نقصان تمام ایسے اسلام میں محسوس کیا جائے گا
 اعلیٰ حضرت شہید کی الٹی شجاعت، الٹی تقویٰ اور اسلام اور افغانستان سے محبت اس قدر سببوں
 سے ہے بہت بڑی بہت اولیٰ اور تحریک عمل کا باعث ہے۔" (۱) حضرت علامہ کے ان مشنوں
 مسافر (طبع اس ۱۹۳۶ء) میں بھی نادر شاہ شہید و رہبر امت خراج محبت و اراستہ پیش کیا ہے
 چند اشعار یہاں پیش کیے جاتے ہیں

نادر	نفس	شہ	رویش	خو
دست	حق	بر	روت	پاک
بار	ملت	حکام	از	تدبیر
حافظ	دین	مہیں	شمشیر	اد
چوں	بزار	خود	گدار	اندر
ضرر	بیش	ہکام	کیں	خارا
عمد	صدیق	ار	بناش	تازہ
عمد	فادری	از	جلاش	تازہ

دوسری طرف بعض اہل بر عظیم غازی امان اللہ خاں کے حق میں تھے اس سلسلہ میں
 حضرت مسرت موہانی کا بیان ہے عقل سے جا چکا ہے۔ مولانا ظفر علی خاں بھی ان اللہ خاں کے
 ہوا خواہوں میں تھے چنانچہ انہوں نے محمد نادر شاہ کی تخت نشینی پر کسی خوش گوارہ عمل کا اظہار
 نہ کیا۔ وہ نادر شاہ کے اقتدار اور ان اللہ خاں کی معزولی کو برطانوی استعمار کا شکار سمجھتے
 تھے۔ نادر شاہ اور نور المصباح مدظلہ شہر بازار کے نائب کی نظموں میں یہ نقطہ نظر ظاہر ہے

ہٹا پھانسیوں سے اپنی ایک نظم بعنوان "شور بازاری شریعت کے پرستاروں کا اسلام" میں فرمایا۔

ایک ڈاکو کو دیا مرد مجاہد کا خطاب
شور بازاری رزالو کیا یہی اسلام ہے!
جھوٹی قسمیں کھانے والے کو بنایا بادشاہ
شرع پر مرنے والو کیا یہی اسلام ہے
اپنے محسن کو دسا جس افنی خوش رنگ نے
ستیں میں اس کو پالو کیا یہی اسلام ہے
جس نے روندنا پاؤں میں ارشاد اوفوا بالعتور
اس ، آنکھوں پر بٹھا لو کیا یہی اسلام ہے
جس نے افغانوں کی عزت میں لگائے چار چاند
اس کو یوں گھر سے نکالو کیا یہی اسلام ہے
پھیر لیں آنکھیں امان اللہ خاں غازی سے کیوں
گوری رنگت والے کالو کیا یہی اسلام ہے (۱۲)

۱۰۰ ظفر علی خاں نے اس پاپسی کے سلسلہ میں مولانا کے ایک ہم عصر اور ہم حیاں شاعر
نائب رجب محمد عبداللہ نیاز (حضرت مسور) کی ایک نظم بعنوان "جرنیل نادر خاں کی تصویر"
مصوبہ قابل ذکر ہے۔ حضرت مسور کی طنز و احتجاج سے ہریزیہ نظم روزنامہ "زمیندار" نے دوبار
چھاپی۔ اس نظم کے تین اشعار نذر قارئین ہیں۔

لیکن یہ بات سن لو مری گوش ہوش سے
کتا ہوں رملا جو ہر اک مرد و زن سے آج
سقا ہزار بیکر دشت سی مگر
نادر بھی کم نہیں ہے کسی راہزن سے آج
ڈاکو برا ہے کور نمک اس سے بھی برا
ہر چند کامگار ہو ترور و من سے آج (۱۳)

روزنامہ "زمیندار" کی سی نادر، شمس کی بنا پر دس جولائی ۱۹۳۱ء کو زمیندار کے دوسرے مدیر
مسٹر پروا حمزی عبدالحق کو نادر شمس کی شادی کے تحت گرفتار کر لیا گیا تھا اور زمیندار کے ۲
۱۳۵ اور ۲۸ جون کے پرچے میں ضبط کر لیے گئے تھے۔ اس گرفتاری اور ضبطی کی وجوہات میں
سے ایک وجہ نیار صاحب کی تذکرہ ۱۰ نظم بھی تھی جو ۲- جون ۱۹۳۱ء ۲ دوبارہ شائع ہوئی تھی۔

حسین احمد مدنی

مولانا حسین احمد مدنی نے مسلم لیگ کی مخالفت کی تو مولانا نے ۱۶ مئی ۱۹۳۹ء کو اسے
خلاف بھی نغمہ داغ دی۔ اس نغمہ کا پہلا شعر یہ تھا۔

دھن جس کی رو سے ہے بنیاد ملت

میں اس شرع کی کر رہا پیروی ہوں

اس شعر کی بنیاد حضرت علامہ اقبال اور مولانا حسین احمد مدنی صاحب کے درمیان ہونے
والے ایک معرکہ آرا بحث ہے۔ مولانا حسین احمد صاحب نے ۸ جنوری ۱۹۳۸ء کی رات کو دہلی
میں ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "موجودہ زمانہ میں قومیتیں اوطان سے بنتی ہیں۔"
حضرت علامہ اقبال نے مولانا کی تقریر کی رپورٹ سے جو اخبار "انصاری" میں شائع ہوئی تھی، یہ
نتیجہ اخذ کیا۔

مرد بر سر منبر کہ ملت از دھن است

چہ سب خبر ز مقام محمد علی است

ظاہر ہے حضرت علامہ کا نظریہ یہ تھا کہ ملت کی اساس دھن میں این ہے لیکن جب اس
جملے میں طرفین سے علامہ طاہوت کی مراست ہوئی تو مولانا حسین احمد نے وضاحت کی۔

"میں نے اپنی تقریر میں غلط قومیت کا کہا ہے۔ ملت انہیں کہا ہے۔ دونوں لفظوں
میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ملت کے معنی شریعت یا دین کے ہیں اور قوم کے معنی
عورتوں اور مردوں کی جماعت کے ہیں۔۔۔۔۔ میں نے کہا کہ ملت یا دین کی اساس
دھن پر ہے" (۱۳)

حضرت طاہوت کے نام اپنے دوسرے خط میں مولانا حسین احمد صاحب نے لکھا "میں عرض
کر رہا تھا کہ موجودہ زمانہ میں قومیتیں اوطان سے بنتی ہیں یہ اس زمانہ کی جاری ہونے والی
نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ تم کو ایسا کرنا چاہئے۔ جو بات میں
ہے۔" (۱۵) مولانا حسین احمد مدنی کی وضاحت کے بعد حضرت علامہ اقبال نے رد نامہ اس میں
اپنا ایک بیان شائع کرایا جس میں فرمایا:

"مولانا (حسین احمد مدنی) اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانان
ہند کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ لہذا میں اس بات کا اعلان
ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان

پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔" (۱۱)

اربابِ برہان و بصیرت میری اس "شفقتی کو معاف فرمائیں کہ حضرت علامہ اقبال کے اس فقرے میں لفظ "اعتزاز" مجھے کچھ ستم ظریفانہ معلوم ہوتا ہے۔ مولانا حسین احمد مدنی صاحب یوں "اعتزاز" قرار نہیں دیا جاسکتا یوں لگتا ہے کہ حضرت علامہ یہ لفظ ارتجالاً بجائے "رضامت" لکھتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سو کتابت کا شاخسانہ ہو۔ خود حضرت علامہ نے اپنے ماقبل فقرے میں مولانا حسین احمد مدنی کے یوں کے لیے لفظ "اقرار" استعمال کیا ہے جو مولانا کے سیاق بیان کے لحاظ سے زیادہ موزوں لفظ ہے۔

جہاں تک مولانا حسین احمد مدنی کے خلاف حضرت علامہ کے تین اشعار مشمول "ارمغانِ خوار" کا تعلق ہے، حضرت علامہ کے دیگر بہ شمار یارِ مندوں کی طرف مجھے بھی جنابِ پروفیسر یوسف سلیم پاشا کے اس موقف سے اتفاق ہے۔

قومی خدمت سے ۲۱ اپریل کو ڈائری صاحب کا انتقال ہو گیا جب کہ ان کا آخری مجموعہ کلام "ارمغانِ خوار" نومبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا اگر یہ مجموعہ ان کی زندگی میں شائع ہوتا تو مجھے نہیں ہے کہ وہ ان تین اشعار کو حذف کر دیتے یا حاشیے میں اس حقیقت کا واضح کر دیتے کہ میں نے یہ اشعار خطِ اخباری اطلاع کی بنا پر لکھے تھے۔ بعد ازاں حضرت مولانا نے اخباری رپورٹ کی تردید کر دی اس لیے ان اشعار کو مضمود مسترد سمجھنا چاہئے نہیں انہوں نے کہ یہ مجموعہ ان کی ذات کے بعد شائع ہوا اس لیے ان اشعار کو حذف کیا گیا اور نہ حاشیے میں حقیقت کا واضح کیا گیا نتیجہ اس غفلت اور کوتاہی کا یہ نکلا کہ گزشتہ تین سال سے (اور اب کہ ۱۹۹۳ء ہے) گزشتہ چوں سال سے۔ (عزف) مسلمانانِ عام باہموم اور مسلمانانِ باستان باخصوص ان اشعار کی بنا پر حضرت اقدس (حضرت مولانا حسین احمد مدنی) سے بدگمان ہوتے چلے آ رہے ہیں۔" (۱۲)

اس ساری بحث میں حضرت علامہ کا نقطہ نظر وہی ہے کہ ان کے درج ذیل شعر میں پیش کیا گیا ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

انہی تین اور قونیت کے بارے میں مولانا ظفر علی خاں کا بھی یہی نظریہ تھا اور وہ اس نظم و

شعر میں مسلسل بیان کرتے چلے آ رہے تھے چنانچہ اپنی ایک نظم بعنوان "نظم" مشہور "بہت" (مطبوعہ ۱۹۳۶ء) میں وہ فرماتے ہیں۔

یمن میں پرستار میں خاک وطن :
 دیتا میں اس بت کو کسی شکل میں تقسیم
 قلم میں میں ہند سے ن ہستیوں کا
 ہم ، دلاتے ہیں یقیں اذرہ حصیم
 جب تک کہ نہ ہو تابع خاک وطن ایمان
 میں ملک میں ممکن نہیں اک قوم کی تقسیم
 ایمان تو اک نور ہے دل جس سے ہے روشن
 اس نور پہ کب خاک کو ہو سکتی ہے تقسیم
 میں پہلے مسلمان ہوں بعد اس کے ہوں کچھ اور
 وہ تھی مری تخصیص تو یہ ہے مری تقسیم
 ازبک رعیت ہوں میں شاہ دوسرا کی
 ہستی ہے مری شرق و مغرب کی ہر اقسام
 بخشی گئی دنیا بھی میں دین بھی مجھ کو
 جس وقت کہ اسلام کی دولت ہوئی تقسیم

اور مولانا حسین احمد مدنی سے بارے میں مولانا کی اسی رائے و رائج سمجھ جاتا چاہئے ۔
 مولانا نے انکارستان میں دی ہے انکارستان کا پہلا ایڈیشن خود مولانا کے زیرِ حراستی خاں ۱۹۳۳ء
 میں شائع ہوا تھا۔ انکارستان کے نسخہ یونائیٹڈ پبلشرز کے ص ۵۵ سے وٹ سے یکی ساں اشاعت
 مستند ہوتا ہے ۔ کہ مولانا کو ۱۹۳۳ء کی اس ایرانی رائے سے اتفاق نہ ہوتا تو وہ اسے ۱۹۳۱ء میں
 اپنی کتاب میں یوں شامل کرتے ، سرحد اس ظلم میں مولانا دیوبند کو خراجِ تحسین پیش کرتے
 ہوئے فرماتے ہیں۔

شادباش و شاد زی اے سرزمین دیوبند
 ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بوند
 اسم تیرا باسلی ضرب تیری ہے بناہ
 دیو استبداد کی گردن ہے اور تیری کند
 اس میں قاسم ہوں کہ انورشہ کہ محمود الحسن
 سب کے دل خچے درد مند اور سب کی فطرت ارجمند

گر می ہنگامہ سمیری ہے حسین احمد سے آج

جن سے پرچم ہے روایات سلف کا سر بلند

عرض حضرت علامہ اور مولانا ظفر علی خاں میں مختلف مواقع پر متعدد قومی و ملی مسائل سے
مسئلہ میں فردی اختلافات ہوتے رہتے تھے اور اس میں دوستانہ نوک مہمک چلتی تھی۔ حضرت
علامہ کے بارے میں مولانا کے متعدد اشعار اس باب میں پیش کیے گئے ہیں ۱۹۳۶ء-۱۹۳۷ء میں
حضرت علامہ نے بھی مولانا کے خلاف اپنے "ایکس شاعر" کے خفیہ نام سے کئی شعر کہے جو ایک
اور اب میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ بہرحال یہ سب ایک دوستانہ جھگڑا تھی۔ اس سلسلے میں
ایک بار راقم نے مولانا ظفر علی خاں کے بھائی مولانا حامد علی خاں سے استفسار کیا تو انہوں نے
فرمایا۔

"بھی بھی مولانا ظفر علی خاں اور علامہ اقبال کے درمیان کسی سیاسی مسئلے پر اختلاف بھی ہو
سکتا تھا اور مولانا ظفر علی خاں حضرت علامہ کے خلاف بھی کبھی کبھار ایک توجہ شعر کہہ جایا
تے تھے لیکن علامہ اقبال اپنے شعروں یا مصرعوں کا برا نہیں دیتے تھے بلکہ جب ایسے مصرعے
اس تک پہنچتے اور اس کے بعد ان کی مداخلت مولانا ظفر علی خاں سے ہوتی تو وہ ہنس کر کہتے کہ
مولانا آپ نے میرے بارے میں وہ شعر خوب کہہ اور بات اسی نہیں اور اس غلطی میں رفع ہو جاتی
اور اصل مولانا ظفر علی خاں بہت پر جوش انسان تھے اور جب نہیں کوئی قافیہ سوجھ جاتا تو جوش
جذبات میں سے باندھے بغیر نہ رہتے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں کے بارے میں اپنے ایک اور بھائی
علامہ حیدر خاں کا یہ قول مجھے ایسے موقعوں پر اثر یاد آتا ہے کہ بھائی صاحب (مولانا ظفر علی
خاں) کا قافیہ مٹا جائے چاہے اس سے اگلے کا بیڑا ہی یوں نہ فرق ہو جائے "

یہیں اس سلسلے میں خواہ مولانا کا بیان بھی دلچسپ اور دلچسپ تھا ہے۔ جب کسی نے ان سے
سوال کیا کہ "آپ سے تو کئی ایسی نقائص بھی نکلی ہیں جن میں اقبال کی چوٹ کی گنتی ہے۔" تو مولانا
ظفر علی خاں نے فرمایا۔ "یہ چوٹ کا لفظ بے محل ہے۔ میں نے جو کچھ بھی اقبال کے متعلق لکھا
یا کہنا یہ خاص رشتہ ہے اور تمام تر حسن گستاخانہ ہے۔ ہم دونوں ہم عصر تھے۔ ہمارے تعلقات
کا رشتہ آپ کی طرح نہ تھا۔ بلکہ ہمارے رواج اور دوستوں کے سے تھے۔ ایسے دوست جس میں
روایتی مختلف نام تو بھی نہیں ہوتا۔ میں نے جب بھی علامہ مرحوم سے شاعرانہ نوک مہمک کی تو
اس کا پس منظر دوستانہ ہی ہوتا تھا یہ ٹھیک ہے کہ کبھی کبھار عمل کے بعض گوشوں میں ان کی
میتھن سے۔ نظر ظاہر تو خاصا محسوس ہوتا تھا اس سے میرے قلم کی رو بہ رو ان کے متعلق
تین تین بلکہ چار چار اس کا طعن و عرض واقعی تحریکوں کی شاعرانہ پھیلاؤ سے زیادہ نہ ہوا

تھا۔“ (۱۸)

انہی خیارات کا اظہار مولانا نے ہفت روزہ قدیل لاہور کے ایک نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے بھی کیا۔ آپ نے فرمایا:

”اقبال کا ظرف بہت بلند تھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہرگز رنجیدہ نہ ہوتے تھے اور نہ ان کا کچھ حیل کرتے تھے۔ اس کے برعکس وہ اپنے مخالفوں تک کی بات کو بڑی توجہ اور سکون سے سنتے تھے اور بڑی ہی مدلل اور جچے تھے انداز میں اس کا جواب دیتے تھے۔ اس کے علاوہ میں نے اقبال کے متعلق جو کچھ بھی لکھا اس کا مقصد ہرگز ان کی مذمت نہ تھا۔ اسے آپ ایک دوست کا شکوہ و شکایت کہہ سکتے ہیں اور وہ جی ایک مخلص دوست کا۔“ (۱۹)

حوالے اور حواشی

۱۔ اقبال کے ہم نشین مرتبہ پروفیسر صدر کلورڈی ص ۴۰

میں نظم کے لیے دیکھیں باقیات اقبال مرتبہ حید عبدالواحد معینی۔ مجلس اقبال کراچی سن ۱۳۳۵۔ ۱۳۵ تخری مصراع نظم کے اس متن کے مطابق ہے جو حساب رحیم بخش شاہین نے اپنی تالیف ”ادبیات مہم کشہ“ کے صفحات ۲۰۰ تا ۲۰۳ میں پیش کیا ہے۔

۲۔ یہ اشعار باقیات اقبال مرتبہ حید عبدالواحد معینی و محمد عبداللہ قریشی ”مجموعہ ادب“ میں شامل ہیں۔ تخری شعر حواجہ حافظ کا ہے۔ خواجہ حافظ کے شعر کا پس منظر ”دیوان حافظ“ میں یوں ہے:

دنا چو دید بازی این چرخ حقہ باز

۳۔ اقبال کے ہم نشین ص ۴۰ تا ۴۲۔ حضرت علامہ کی یہ غزل (پردائے سخن نادرائے سخن) مجلہ ۹۳۰ء کے زمیںدار میں شائع ہوئی تھی۔ ظہیر لودھیانوی مرحوم کا یہ نمنا درست سبب کہ یہ غزل حضرت علامہ کے کسی مجموعہ کلام میں شامل ہیں۔ یہ غزل نظر ثانی اور ترمیم کے بعد ”پیام مشرق“ میں شامل کی گئی ہے۔

۴۔ پیر اخبار۔ ۲۱۔ ستمبر ۱۹۲۰ء۔ مقدمہ کی نعل کارروائی پیر اخبار کے ۲۱۔ ۲۸۔ ۲۹ اور ۳۰ نمبر ۱۹۲۰ء کے شماروں میں شائع ہوئی تھی۔

۵۔ بہارستان۔ ص ۸۵

۶۔ ایضاً۔ ص ۸۸-۸۹

۷۔ ایضاً۔ ص ۵۳۹

۸۔ اقبالنامہ۔ حصہ اول ص ۲۰۶-۲۰۷

- ۹۔ قبال ڈی سی سر۔ ار محمد حمزہ فاروقی۔ بزم اقبال لاہور جون ۱۹۹۲ء، ص ۱۸۸
- ۱۰۔ ایضاً ص ۹۱
- ۱۱۔ گفتار اقبال ص ۱۸۱
- ۱۲۔ روزانہ زمیندار ۱۰۔ نومبر ۱۹۲۹ء۔ بہارستان ص ۲۵۹
- ۱۳۔ روزنامہ زمیندار ۱۵۔ نومبر ۱۹۲۹ء
- ۱۴۔ شریہ قومیت اور مولانا فیس احمد صاحب مدنی و عدمہ اقبال مرتب طاہوت ص ۲۲-۲۳
- ۱۵۔ ایضاً ص ۴۱
- ۱۶۔ ایضاً ص ۳۸ نیز اقبال کے مجموعہ مرتب قاضی افضل حق قریشی۔ ۱۹۷۷ء، ص ۸۷
- ۱۷۔ اقبال کے مجموعہ علیہ۔ ص ۷۶
- ۱۸۔ ہفت روزہ چٹان۔ لاہور۔ بابت ۲۵۔ اپریل ۱۹۳۹ء
- ۱۹۔ ہفت روزہ قدیل۔ لاہور بابت ۲۱۔ اپریل ۱۹۵۰ء

ضمیمہ -۱

مکاتیب خادمہ اقبال بنام مولانا ظفر علی خاں

مکتوب نمبر ۱۰

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب 'زمیندار'

مدن کے عنوان سے کتاب قبلہ از جلیل مولوی حسن شاہ دین صاحب بیچ عدالت عالیہ
دہلی کا یہ نظم جو نہایت 'مٹی جی' ہے، 'تاتی' سے میرے ہاتھ آئی ہے یہ نظم اس
شہرت سے ہے کہ آپ کی خدمت میں اس کا نام لے کر آئی ہوں، مولوی صاحب موصوف نے ۱۹۲۰ء
۱۹۲۱ء سے رور نامی تھی باب کہ وہ دیت تشریف لے جا رہے تھے مدن دلیجہ اس کے قلم
میں ان تمام روایات کی یاد تازہ ہو گئی جو اس سرزمین کے ساتھ وابستہ ہیں اور ان اشعار میں
ایک نہایت دلغریب طریق میں انہوں نے ان تاثرات کا اظہار کیا ہے جو مسلمانوں کے دل میں
وہ یہ یاد رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ نظم نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھی جائے گی۔

محمد اقبال

مدن

نہیں تُو لائق توصیف منظر اسے مدن تیرا
نظر تو ہے عرب میں اور یہی ہے بانک پن تیرا
سلمان کی نظر میں پھول ہے خار چمن تیرا
زبان شیریں تری مرغوب انداز سخن تیرا

پہاڑوں میں ترے خار چراغ رور پہاڑ ہے

کہاں وہ باب عالی ہے کہ تو اک جس کا درہا ہے

وہ دن ہیں یاد تجھ کو جب عجب دنیا کی حالت تھی
ہر اک قوم اور ملت غرق دریائے جہالت تھی
مشائخ میں حسد تھا اور قبیلوں میں عداوت تھی
عرب کی سرزمین سب تشنہ آب انوث تھی

پایلی جانب طحی سے خا ابر رمت :

مرا شہر جہاں کا یہاں رہتا رہتا :

مراقت و ن مریاں ۔ دیا اس مہینے

۔ بت خٹے بہ ہتی ۔ بت خوں ۔ اسے

مدب میں سے علم و عمل سے نئے نہ پاتے

۔ مہینہ پر مہینہ ولی تسبیح کے نام

نہ تہم ۔ اس جہاں میں انقلاب کیا

ہاں دلیں کا مہر اس عظم سے چوب کیا

۔ مہینوں میں مل گیا انہی مہینوں

۔ مہینوں میں مل گیا انہی مہینوں

۔ مہینوں میں مل گیا انہی مہینوں

۔ مہینوں میں مل گیا انہی مہینوں

چند ۔ چھپ گئی بجلی جہاں کی آنکھ جہاں ۔

جہ تھا باغ ارم وہ آج اک اجڑا بیابان سے

جہاں پھر تھا میں مادی ۔ تھار اب نمایاں ہیں

جہاں میں ہے مہی سلام کے جو خانہ دیراں ہیں

جہاں میں ہے مہی سلام کے جو خانہ دیراں ہیں

جہاں میں ہے مہی سلام کے جو خانہ دیراں ہیں

جہاں میں ہے مہی سلام کے جو خانہ دیراں ہیں

تہیوں اس چمن میں پھر بہار مئے عجب کیا تے

نہل کر کرد سے اک شہسوار مئے عجب کیا تے

(زمیندار - ۲۹ - نومبر ۱۹۱۲ء)

جہاں میں ہے مہی سلام کے جو خانہ دیراں ہیں

مخدائی جانب ایڈیٹر صاحب زمیندار مہم مہم

آج سے "زمیندار" میں مہم مہم مہم مہم مہم مہم مہم مہم

۲۰۲ء کی بارش کی تہاں ۔ مہم مہم مہم مہم مہم مہم مہم مہم

ارال مہم مہم مہم مہم مہم مہم مہم مہم مہم مہم مہم

ہو سکے۔ نو فتوے فقہانہ میں موجود ہوں ہیں ان و حضرات علماء سے فرما کر حاصل کیا گیا ہے اور نیز بعض نہایت ضروری سوالات ان سے پتہ چلتے ہیں جن سے حضرت مولانا محمود انیس کے فتویٰ میں اہل حق کے متعلق ولی سواں نہیں آیا۔ اسی طرح مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی خانقاہ کا فتویٰ یا مضمون کہ سوالات کے مسئلے ایک عام بحث ہے جس میں استفادہ بھی درج نہیں۔ علیٰ ہذا اقیاس عدائے سندھ کے فتوے میں زر امداد یا اہل حق کے متعلق کوئی حد نہ ہے یا یہاں سے آتے سوالات مسلمانوں کے لیے کوئی نیا حکم نہیں اور اس کے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا ہاں ہی سے مدارج اور نزائیت مختلف ہیں۔ عداوت محارب ہوں تو ان کے لیے اور احکام ہیں، غیر محارب ہوں تو ان کے لیے اور احکام ہیں اس وقت کی فتوے میں مادیات نہیں لیا یا جس سے میرے خیال میں سخت غلط فہمی پیدا ہو رہی ہے

مثلاً آج شام ہی میں نے ایک دوست سے سنا کہ مولانا علی صاحب اسلامیہ دانش نے اپنے فتوے کی تصدیق میں مولوی احمد رضا صاحب دیوبند سے ایک فتویٰ حاصل کیا ہے۔ مولانا صاحب رحمہ اللہ بریلی تشریف لے گئے تھے، مولانا صاحب نے انہوں نے مولوی اصغر علی صاحب دیوبند سے استدعا کی کہ وہ بھی مولوی احمد رضا صاحب کے فتویٰ پر دستخط کریں لیکن مولانا صاحب دیوبند و مولوی اشرف علی تھانوی پر اس فتوے میں سب دستخط کیا تھا اس لیے مولانا صاحب دیوبند نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ مولانا علی صاحب رحمہ اللہ میں بفضل نہیں سے ایک سنی خط لکھا کہ مولوی احمد رضا صاحب کی خدمت میں پہنچے اور ان سے استدعا کی کہ میں صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا دیوبند وغیرہ پر حملے سے آپ نے اپنے فتوے میں کی ہے اس فتوے سے نکال ڈالیے لیکن مولانا صاحب کے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور میں صاحب کے خط کے جواب میں لکھا کہ وہ سب وقت مرتد ہیں۔ میرے دوست نے یہ فتویٰ نوا پڑھا ہے اور مولوی احمد رضا صاحب کا وہ خط بھی دیکھا ہے کہ مولوی موصوف کے میں صاحب کے جواب میں لکھا ہے۔ خیر یہ تو جرئی امور تھے میں نے اپنے دوست سے پوچھا کہ یہ اس فتوے میں محارب و غیر محارب کا فرق کیا ہے یا تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب ضروری سوالات ہی کے لیے ناکم تو مفتی کا یہ قصور ہے اس اختیار کے علاوہ بعض نہایت اہم اقتصادی سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا پوچھنا سستی سے ضروری ہے کہ مسلمانوں کے لیے ایک پورا نظام عمل مرتب ہو اور ہر چیز کے مسائل کا جواب بہت جلد ہو سکے۔ غرض یہ کہ اس طرح مفتی کے لیے علم و تقویٰ کے ضروری شرائط میں کی طرح سستی کے علم سے مستفیض ہونے سے ضروری ہے کہ ناکمل مفتی اس معاملہ فہم اور رابر

۱۔ ہندوؤں میں ایک ایسا معاملہ ہے جس کا اثر مسلمانوں کی اجتماعی زندگی پر بہت بڑا ہے۔
 ۲۔ یورپیوں میں دو تحقیق و تدقیق ضروری ہے اور اس تحقیق و تدقیق سے یہ بھی ان پر
 اختیار کی جاتی ہے۔ شریعت فقہ کے تالی ہے۔ فرد فرد ان کو اپنے اپنے حق و کام نہ ملے گا۔ اس
 وقت مسلمانوں کی مدد دینی کے اس ملک میں یا اور اسلامی ممالک میں کوئی واجب الطاعہ امام
 نہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے فرمایا تھا کہ واجب الطاعہ امام نہ ہونے کی صورت
 میں نہایت کھینچی کا فتویٰ واجب الطاعہ ہے میں نے ان کے دلائل نہیں سنے۔ اس وقت تک مجھے
 ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں۔ ممکن ہے ان کے دلائل سے بعد میری رائے بدل
 جائے۔ فی الحال تو میرے نزدیک یہی راہ نکلی ہے اور یہی راہ شریعت کی راہ ہے۔ جب اس
 سے یہ حضرات علماء ایک جہد میں ہیں۔ ہر قسم کا احترام سے اور پرستش و مہمانی سے وہ
 مسلمانوں سے یہ سب سب سے زیادہ اہم مرتبہ ہیں۔ اس رعیت میں حضرات مشائخ
 سے بہت نفی جہاد اور اور ضروری ہے تو شیعہ اور اہل حدیث جہاد بھی جن کے علم و تقویٰ پر
 قوم و ملت کا انتخاب ہے عامی۔ میرے خیال میں ایک حضرات کا انتخاب وہی مشکل مرہم
 نہیں۔ تاہم بھی اس بحث میں شریک نہ ہو۔ نیز از کم عامل کی حیثیت سے یہ حضرات
 جہاد سے بھی یہ ایک اور موقع ہے کہ وہ آپس کے اختلافات و نفی سے امت مرہم
 نہ ہو۔ ہر وقت پھر حاصل کریں۔ خدا تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کر دیے ہیں کہ یہ بھٹکا ہوا
 پھر نہ ہو۔ ہر طرف سے رہا ہے۔

قوم تہذیبوں میں آپ جہاد سے فارغ

یہ سب قوموں کی زندگی میں شہادتیں پیدا کرتے ہیں اور اگر ان حالات سے حضرات
 مشائخ و علماء نہ ہوں۔ اتحاد اور مسلمانوں کی زندگی سے اس کا اپنے اپنے حصہ ہے۔ محبوب
 ذاتی شریعت فقہ اسلامیہ سے نہ ملے گا تو اس ملک میں مسلمانوں کی حیثیت ایک مدہنی ہدایت سے
 نہ تر تصور کرنا چاہئے اور وہ مسلمانان ہند کی اس ہلاکت کے لئے قیامت کے دن بھی (مصلی
 سے ملے گا۔ ہر) کے ساتھ جواب دہ ہوں گے اگر اس دھرم میں علماء کے انتخاب اور
 اس سے جمہوری عمل میں دیات و امانت سے کام لیا گیا تو مسلمانان ہند کی زندگی میں وہ تعلیم دہی
 اور دینی تھکاپ پیدا ہو گا جس کے لئے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی دس فریادیں تھیں۔

میں جانتا ہوں کہ اس توہم و عمل میں لائے کے یہ وقت اور روپوں کی ضرورت سے نشان
 ایک نو مسلم کے تحفہ کے لئے وقت اور روپے کا سواں حصہ رہے گا۔ اس لئے اس وقت
 اس سے قیام ملامتی کی راہ اختیار نہیں کی اور حمایت اسلام نہ کرے اور اس سے اسلام کو

[illegible][illegible][illegible]

سے اراکین، نسل نے جو انجمن کے یہ ایک زندگی و موت کی سوال پیدا کر دیا ہے۔
میں نے آپ کے اخبار کی بہت سی جگہ لے لی ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ فراخ دلی سے
مجھے معاف فرمائیں گے۔ اب میں اس طویل خط کو اس جگہ پر ختم کرتا ہوں کہ یہ قلمی
مسئلوں کی دکان ہو اور آپ حبیب باب سے مدد لیں۔ یہ تمام مشاغل دکان

۱۵۔ نومبر ۱۹۲۰ء

سے ہاتھ

نکد قلم

روزنامہ رسد ر ۸۔ نومبر ۱۹۲۰ء صفحہ ۲۱ پر اخبار انجمن حمایت اسلام مرتبہ محمد
عریف شاہد شاہد صاحب کی مرتبہ کتاب میں اس خط کا متن متعدد الفاظ کی وجہ سے
خاصا مخرج ہو گیا ہے۔

مکتوب نمبر ۳

۲۳ جون ۱۹۲۳ء کے روزنامہ "زمیندار" میں "انقلاب" کے سابق مدیر شمس
الدین حسن کا ایک مضمون شائع ہوا (موصوف سرور امتداد تھے۔ "انقلاب" سے
بقول "تتارستان" کی تالیف کے لیے ۱۵۰ یا ۱۶۰ روپے کی رقم دی گئی تھی۔
اس وقت مقبوضت کی وجہ سے ہندوستان میں انہوں نے کامریڈ غلام حسین کا نام
لے کر رکھا تھا (کامریڈ غلام حسین ایڈورڈز کالج پشاور میں تھے۔ نومبر ۱۹۲۲ء میں
مازمت چھوڑ کر لاہور آ گئے اور "انقلاب" کی پالیسیوں میں شریک ہو کر رت ۱۹۲۳ء
میں بالشویک سازش کے مقدمے میں گرفتار ہوئے) یہ "واقف اختیار" یا تھا۔
اثریت کی حمایت کوئی جرم نہیں یوں کہ اسے اقبال ہی بالشویک خیالات رکھتے
ہیں۔ اسوں نے لکھا: "بالشویک نظام حکومت اس دہائی کے فلسفہ سیاست کا باب
نہیں ہے اور اس دہائی کے فلسفہ عام اہم رہاں میں شامل ہے اور مائیکل
بہ ان خیالات میں۔ رولی تھوڑی سی عقل کا ایک محی سر محمد اقبال کی "میرا
اور "پیام مشرق" کو بغور دیکھتے تو وہ فوراً اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اسے قلمی قیما ایک
تتارستانی نہیں بلکہ اثریت کے مبلغ اعلیٰ بھی ہیں۔ "پیام مشرق" میں "قسمت نامہ
مردیہ دار و مزدور" اور "تو اے وقت" کے عنوانوں کی غرض سے بھی ہیں

ان سے قطع نظر کر کے ص ۱۵۶ کی غزل کا مطلع ملاحظہ ہو

تیر و ستان و خنجر و شمشیرم آرزو مست
بامن میا کہ مسلک شبیرم آرزو مست

نیا ایسے اشعار کی موجودگی میں کسی کو شک ہو سکتا ہے کہ علامہ قباں ایک انتہائی خیالات رکھنے والے اشتراکی ہیں۔ (زمیندار ۲۳ جون ۱۹۲۳ء، ص ۳)
"زمیندار" میں مذکورہ بالا مضمون چھپا تو علامہ قباں کو کسی نے اطلاع دی کہ آپ سے "باشوئیک خیالات" منسوب کیے گئے ہیں۔ علامہ مصوف کی نظر سے مذکورہ بالا مضمون یا اخبار نہ گزرا تھا اور انہیں اس وقت تک معلوم نہ تھا کہ اس سے باشوئیک خیالات منسوب کرنے والے صاحب کون ہیں۔

بہر حال "باشوئیک خیالات" سے اعلان برائت کے لیے انہوں نے تاخیر اسی روز ایل ڈیفنس مضمون مدیر "زمیندار" کے نام ارسال کیا جو اگلے روز اخبار میں شائع ہوا

ڈیفنس مضمون

محرم بندہ جناب ایڈیٹر صاحب زمیندار

محرم بندہ، میں نے بھی ایک دست سے سنا ہے کہ آپ کی صاحب نے آپ کے اخبار میں ایک اور اخبار میں (میں نے اخبار بھی تک نہیں دیکھا) میری طرف باشوئیک خیالات منسوب کیے۔ یہ علامہ باشوئیک خیالات رکھنا میرے روایت اسلام سے خارج ہونے کے مترادف ہے۔ اس واسطے اس تحریر کی تردید میرا فرض ہے

میں مسلمان ہوں۔ میرا عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ دلائل و براہین پر مبنی ہے کہ انسانی جماعتوں کے اقتصادی امراض کا بہترین علاج قرآن نے تجویز کیا ہے جس میں شک نہیں کہ سرمایہ داری کی قوت جب حد اعتدال سے تجاوز کر جائے تو دنیا کے لیے ایک قسم کی منت ہے بلکہ دنیا و اس کے منفرد اثرات سے نجات لانے کا طریق یہ نہیں کہ معاشی نظام سے اس قوت و خارج کر دیا جائے جیسا کہ باشوئیک تجویز کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس قوت و منسوب حدود کے اندر رکھنے کے لیے قانون میراث، حرمت ربا اور زکوٰۃ وغیرہ کا نظام تجویز کیا ہے اور فطرت انسانی و مقررہ رکھتے ہوئے یہی طریق قابل عمل بھی ہے۔ روپیہ، شادی و ربا کی ممانعت اندیش اور خود غرض سرمایہ داری کے خلاف ایک زبردست رد عمل ہے۔ میں حقیقت یہ ہے کہ معاشی سرمایہ

اری اور ردی یوشوزم، نوں افراط و تفریط کا نتیجہ ہیں۔ اعتدال کی راہ دی ہے جو قرآن نے ہم
 • بتائی ہے اور جس کا میں نے اوپر تھوڑا سا ذکر کیا ہے۔ شریعت حقہ سرمایہ کا مقصود یہ ہے کہ
 سرمایہ ااری کی بناء پر ایک تمامت اور ساری تمامت کو مطلوب نہ کر سکے اور اس بدعا کے حصول
 کے لیے میرے عقیدے کی رو سے دی راہ سب اور قابل عمل ہے جس کا انکشاف شارح میں
 عام ہے لیا ہے۔ سلام سرمایہ کے قوت و معاشی نظام سے خارج نہیں کرتا بلکہ نظریات انسان
 یک نیستی نظر ڈالتے ہوئے اسے قائم رکھتا ہے اور ہمارے لیے ایسا معاشی نظام تجویز کرتا
 ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے یہ قوت بھی اپنے مناسب حدود سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ مجھے
 افسوس ہے کہ مسلمانوں کے اسلام کے اقتصادی پہلو کا مطالعہ نہیں کیا اور ان کو معلوم نہ کہ
 اس خاص اعتبار سے اسلام واقعی بڑی نعمت ہے۔ میرا عقیدہ ہے "ماصلحتم بصلحتہ خوب" میں
 اسی نعمت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ نیک کسی قوم کے افراد صحیح معنوں میں ایک دوسرے کے خوب
 نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ وہ ہر پہلو سے ایک دوسرے کے ساتھ مساوات نہ رکھتے ہوں۔
 اس مساوات کا حصول بغیر ایک ایسے سوشل نظام کے ممکن نہیں جس کا مقصود سرمایہ ااری کی
 قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھنا ہے۔ یورپ میں متروکہ و نذر اندر رکھے گئے تمام ممالک
 کا شکار ہے۔ میری دلی آرزو ہے کہ بنی نوع انسان کی تمام قومیں سب اپنے ممالک میں اپنے
 قوانین وضع کریں جن کا مقصود سرمایہ کی قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھ کر ضروری مساوات
 کی تخلیق و ترویج ہو اور مجھے یقین ہے کہ خود ردی قوم بھی اپنے موجود نظام کے خاص خوب
 سے معلوم کر کے کسی ایسے نظام کی طرف رجوع کرے پر مجبور ہو جائے گی جس کے اصول اس کی
 ذات خاص اسلامی ہوں گے یا ان سے ملتے جلتے ہوں گے۔ موجودہ صورت میں روسیوں کا اقتصاد
 نسب اعلیٰ خواہ کیسے ہی محسوس ہو نہ ہو اس کے طریق عمل سے کسی مسلمان کو بہرہ واد نہیں
 ہو سکتی۔ ہندوستان اور دیگر ممالک کے مسلمان تو یورپ کی یہ سیکل ایکامی پڑھ کر مغربی دنیا سے
 سے فور متاثر ہوتے ہیں ان کے لیے لازم ہے کہ اس زمانے میں قرآن و حدیث کی اقتصاد
 تعلیم پر نظر غور کریں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی تمام مشکلات کا حل اس کتاب میں پا جائیں گے۔
 لاہور کی لیبر یونین کے مسلمان ممبران خصوص اس طرف توجہ کریں۔ مجھے ان کے اغراض و مقاصد
 کے ساتھ اہل تدبیر کی ہے مگر مجھے امید ہے کہ وہ ولی ایسا طریق عمل کا نصب العین اختیار کر
 کریں گے جو قرآنی تعلیم کے مطابق ہو۔

محمد اقبال

بیرمنگھم لاء ۱۹۱۰ء

نومبر ۱۹۲۶ء میں جناب ریجسٹرو و سول (مجلس قانون ساز پنجاب) کا انتخاب دینے والا تھا۔ صدر اقبال نے بعد سیاسی سرگرمیوں اور ہنگاموں سے چند دنوں تک رکھتے تھے تاہم دوستوں اور راجوں کے اصرار پر انہیں انتخاب میں حصہ لینا پڑا۔ ان کے مرنے دوست چاہتے تھے کہ وہ بلا مقصد کمرہ منتخب ہو جائیں مگر تین حضرات (میاں عبدالحزیز ملک محمد حسین اور خان بہادر ملک محمد دین) ان کے مقابلے میں کھڑے ہوئے۔ دوستوں کے سمجھنے پر مجھ نے یہ میاں عبدالحزیز سے یہ نام واپس لے لیا۔ بعد ازاں بلدیہ کے صدر ملک محمد حسین جی صدر نے حق میں مستعدار ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ ریجسٹری سے ان کے لئے "زمیندار" میں شائع ہوا تو علامہ موصوف نے ذیل کا منتخب ایڈیٹ "زمیندار" نو برس اشاعت ارسال کیا۔

خان بہادر ملک محمد دین جی سٹریٹ، آخر وقت تک مقابلے پر تیار رہے۔ ان کا تعلق ار میں برادری سے تھا۔ بعض نمایاں صحابہ مثلاً ڈاکٹر سیف الدین چیمہ اور مولوی محمد علی چشتی نے جی حق سے خلاف کام یہ طریقہ موصوف نے سب قائل خان بہادر دین کے بارے میں لی اعلیٰ سے غلطی کرتے ہوئے ۲۳ نومبر ۱۹۲۶ء کو مجلس قانون ساز کے ممبر منتخب ہو گئے۔ (ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)

جناب ایڈیٹر صاحب "زمیندار"

اسلام آباد

میں آپ سے اپنے میں یہ خبر پانچ کر کہ ملک محمد حسین صاحب صدر بلدیہ اسلام آباد جناب و سول دی مہم داری سے میرے حق میں مستعدار ہو گئے ہیں، مجھے بس مسرت ملی۔ میں ملک صاحب کی اس عنایت فرمائی ہوتی ان سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کے اس جذبہ و سبب سے قائل قریب سمجھتا ہوں کہ وہ مسلمانوں میں باہمیوں کے اتفاق و یکجہ گوار میں رہتے اور تھے، مسلمانوں کے مقصد عزیز سے یہ نیک نیتی ایثار سے کام لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اسی قسم کی درد مندی اور ایسے ہی ایثار کی توفیق بخشے۔

۳۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء

محمد اقبال

(خطوط اقبال مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)

مکتوب نمبر ۵

ادارہ زمیندار کے رسیدی نوٹ سے ساتھ حضرت امام کا مکتوب دہل ۱۵- مئی ۱۹۳۷ء کے زمیندار میں شائع ہوا۔ یہ مکتوب مسادات لاہور (مئی ۱۹۳۷ء) کے سلسلہ میں تحریر کیا گیا۔ لاہور ۱۳- مئی ہمیں جناب ایڈیٹر سر محمد اقبال کی طرف سے ذیل کا مکتوب موصول ہوا ہے۔ (ادارہ زمیندار)

"مسلمان مزٹ نے مسلم ریٹف کمیٹی کو اس سے پچھ پانسو روپیہ کی رقم بھیجی ہے۔ آج دوسری قسط سات سو روپے کی بذریعہ چک ان کی طرف سے موصول ہوئی ہے۔ یہ بارہ سو روپے کی رقم خان بہادر میاں چراغ الدین صاحب اور ان کے اصحاب کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ میں تمام مسلمان شہر لاہور کی طرف سے میاں صاحب موصوف اور ان کے اصحاب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ خداوند تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ محمد اقبال۔"

مکتوب نمبر ۶

تحریک خدشت اور ترک عادات کی ناکامی کے ساتھ ملک بھر میں فرقہ وارانہ تعصب اور فسادات کا ایک لاقمائی سلسلہ شروع ہو گیا۔ لاہور میں بھی وسیع پیمانے پر ہنگامے ہوئے اور لاتعداد مرنے اور بے گناہ مسلمانوں کو شائد بٹایا گیا۔ مظلومین کی امداد کے لیے "مسلم ریٹف فنڈ کمیٹی" قائم کی گئی۔ محفیر اور اسلامی حیت رکھنے والے مسلمانوں نے دس کھوں کر چمد دیے۔ ملک محمد حسین کو سرکار کی طرف سے "خان بہادر" کا خطاب ملنے پر گئے زنی برادری نے ہمیں برائی دینے کے لیے ایک ہزار روپے کی خطیر رقم جمع کی تھی۔ ملک صاحب کے ایمان پر یہ رقم "مسلم ریٹف فنڈ کمیٹی" کو بھیج دی گئی۔ ملک صاحب کے اس قابل تقیہ ایثار سے متاثر ہو کر علامہ اقبال نے حسب ذیل مکتوب ایڈیٹر کے نام تحریر فرمایا:

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب زمیندار

اسلام علیکم۔ مسلمان لاہور کی امداد کے لیے عرض ہے کہ آج گئے زنی برادری کی طرف سے مبلغ ایک ہزار روپیہ "مسلم ریٹف فنڈ کمیٹی" کو عطا کیا گیا ہے۔ یہ روپیہ برادری مذکور نے خان بہادر ملک محمد حسین صاحب پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی لاہور کو حکومت کی طرف سے خطاب ملنے کے موقع پر ان کی دعوت کے لیے جمع کیا تھا۔ میں اہل لاہور کی طرف سے ملک صاحب موصوف اور ان کی برادری کو اس بند بھتی پر مبارکباد دیتا ہوں اور ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ

میں نے مسلمانانِ اہلِ نوریٰ ضروریات و مقدمہ سمجھا اور سب نے بالاحاق یہ فیصلہ کیا کہ یہ رقم طلبہ حائرہ کمرہ میں داخلہ کے لیے دی جائے۔ اس روپیہ کو چلی قسط تصور کرنا بدستور ہے۔ اس میں الگ چندہ ہو رہا ہے تاہم ترتیب وصول ہو گا۔

والله اعلم بالصواب

(زمیندار - ۳۱ مئی ۱۹۴۷ء)

۴: بحث اقبال نمبر ۱۹۷۷ء ص ۳۸۸-۳۸۹)

1000

مسلمانان اندور کی اعانت

۱۔ ان تمام امدادوں کے لئے مسٹر ریڈیف کی کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔
۲۔ مسٹر ریڈیف نے اپنے مفکرانہ بیانیوں کی امداد کی۔ یہی نہیں جہاں ملک سے بھی
مسلمانوں نے اندور کے مسلمانوں کے لئے رقوم جمعیں۔ ایسی ہی دو رقوم آبادان (ایران) کے
مدن مسلمانوں نے حامد اقبال کی معرفت ارسال کیں۔ انہوں نے حبیب دار خاں اجاٹ
پٹن مسٹر ریڈیف کو اندور و جموں میں۔ مندرجہ ذیل خط حامد اقبال سے اسی ضمن میں ایڈیٹر
زمیندار سے نام ارسال فرمایا جس میں تحریر فرمایا،

146

مجلس شورای اسلامی

۱۔ یہ تمام کتابیں عربی و فارسی میں مسلمانوں نے جو رقوم میری معرفت "مذہب" کے
ناموں کی حالت سے یہ رہاں کی تھیں وہاں پہنچی گئی ہیں اور باقاعدہ رسیدیں مسلم
نامہ لکھی ہوئی ہیں۔ یہ وہاں پہنچی گئی ہیں اور ساتھ ہی ایک خط بھی حبیب وار خاں
سے ملے گا جس کی ریپٹ لکھی کی طرف سے ہوئے ہیں جس میں مندرجہ ذیل اقتباس
ہے "سارے سندھ ایڈیشن میں چھاپ گئے ہیں۔"

۱۔ ۲۰۰ قمری و مبلغ تین سو دو اہالی سو روپیہ کی ۱۰ رتنیوں کے بعد
۲۔ ۱۰۰۰ قمری ۱۰۰ روپیہ کے ۱۰۰ رتنیوں کے بعد
۳۔ ۱۰۰۰ قمری ۱۰۰ روپیہ کے ۱۰۰ رتنیوں کے بعد
۴۔ ۱۰۰۰ قمری ۱۰۰ روپیہ کے ۱۰۰ رتنیوں کے بعد
۵۔ ۱۰۰۰ قمری ۱۰۰ روپیہ کے ۱۰۰ رتنیوں کے بعد
۶۔ ۱۰۰۰ قمری ۱۰۰ روپیہ کے ۱۰۰ رتنیوں کے بعد
۷۔ ۱۰۰۰ قمری ۱۰۰ روپیہ کے ۱۰۰ رتنیوں کے بعد
۸۔ ۱۰۰۰ قمری ۱۰۰ روپیہ کے ۱۰۰ رتنیوں کے بعد
۹۔ ۱۰۰۰ قمری ۱۰۰ روپیہ کے ۱۰۰ رتنیوں کے بعد
۱۰۔ ۱۰۰۰ قمری ۱۰۰ روپیہ کے ۱۰۰ رتنیوں کے بعد

تمام مسرتوں سے زائد جس نے اس کو قوی یا وہ یہ تھی کہ اب بھی مسلمانوں میں سدا
حیثیت پائی ہے کہ کوسوں دور بیٹھے ہوئے اپنے مشغوم بھائیوں کی حالت زار کو فراموش نہیں
کرتے۔ خداوند ربیم ہمارے بھائیوں کے بھائیوں کو بہادر بنائے اور ہمیں عزت بخشنے کی
فرمائے۔

رسیدات منسلک ہذا ہیں۔ ہم جناب سے ملتی ہیں۔ جناب نداری جانب سے ایک شکریہ کا
خط ان بھائیوں کے نام ضرور تحریر فرمائیں۔

مخلص (سر) محمد اقبال

(دورنامہ زمیندار ۶ نومبر ۱۹۲۷ء ص ۵ نیز نئے نئے اقبال نمبر ۱۰، ص ۱۳۸۹)

محبوب نمبر ۸

خدمت مولانا غلام مرشد، مولانا احمد علی، مولانا ظفر علی خاں، سید حبیب، مولوی نور الحق، یہ
مداختار، مولانا محمد عاصم
جناب مکرم

سلام علیکم۔ ایک نصایت نداری امر میں مشورہ کرنا ہے۔ آج سے تادم مرتبہ
تشریف لے کر مجھے ممنون فرمائیے۔ مشورہ طلب امر نصایت ضروری ہے۔ امید ہے کہ آپ ثابت
مداف فرمائیں گے۔

مخلص محمد اقبال۔ پیرسٹرل دور

۵۔ ستمبر ۲۹ء

(انوار اقبال مرتبہ بشیر احمد، دار ص ۹۳-۹۴)

محبوب نمبر ۹

۲۶-۲۷ جون ۱۹۳۲ء

ڈیر مولانا ظفر علی خاں۔ السلام علیکم "سید رہا" سے تین برس پہلے جب وہاں میرات
ارسال فرمائے تھے، مجھے مل گئے ہیں اس حدیث سے کہ "تو رہا رہا میں مجھے نہیں ہے۔"
زمیندار کے اجراء کے تکرار سے طلب ہے اب "مصلحت" اور "سیاحت" میں میرے اصناف، وہاں
ڈیر آپ نے اس کے بنیاد کو زیادہ مضبوط کرانے کے لیے اختیار کیا ہے میں اس کی تمجید سے
لے دست بدعا ہوں۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص محمد اقبال

(زمیندار ۲۹ - جون ۱۹۳۲ء)

محبوب نمبر ۱۰

۱۹۳۳ء میں روزنامہ زمیندار تحفظ قسم نہوت کی پواش میں عارضی طور پر بند رہنے کے بعد پھر جاری ہوا تو حضرت علامہ نے ۸ - جولائی ۱۹۳۳ء کو مولانا ظفر علی خاں کو یہ خط لکھا

ڈیر مولانا ظفر علی خاں

اسلام ٹیکم - زمیندار کی حیات ثانیہ مبارک ہو۔ امید ہے کہ گزشتہ تجربہ سے آپ کو مزید بہتر نصرت و مدد اس کے مقتضیات کا صحیح اندازہ کرنے میں مدد دی ہو گی میں آپ کے لیے دست بردار ہوں۔

محمد اقبال

(زمیندار - ۱۰ - جولائی ۱۹۳۳ء)

ضمیمہ — ۲

نگارشات مولانا ظفر علی خاں

بہ سلسلہ علامہ اقبال

علامہ اقبال کی شاعری

مولانا ظفر علی خاں

یہ تقریر آل انڈیا ریڈیو سٹیشن لاہور سے ۱۳ جنوری ۱۹۳۸ء کو نشر کی گئی تھی! (مدیر پیغام حق)

عمر کے بارے میں بتائی جا رہی تھی۔ اس کے انساب میں ناموں کی حالت مرثیہ میں
نہیں تھی۔ یہ نام شاعر نے شاعری کی قرین محنت سے ان میں مختلف قوموں کے علماء
سے اپنے حقائق کے مطابق لے لیے۔

یونٹس کا زاویہ نگاہ

[illegible]

عرب کا نقطہ نظر

میر اسلام علیہ السلام کے دربار کے شاعر حسن بن ثابت سے کہیں بچے کو ایک دن
بڑے بڑے بھائی اور بھائیوں کے باپ سے اس بچے کا حسن نے کائے دالے چنور کا نام پوچھا۔ بچہ
نام سے جانتا تھا کہ اس کا نام کائے دالے کا ہے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ بچہ دربار احمدی اور
چادری میں پیدا ہوا تھا۔ بڑے سے اس پر رتھیں اباریں ہوتی ہیں۔ لہذا اس سے بہت تشبیہ
نہیں تھی۔ حسن فرط مسرت سے ہمارا بھائی کہہ دالی قسم میرا بیٹا شاعر ہو گا۔ یہ بچہ کا کلام موزوں
نہ تھا۔ میں اس کے تشبیہ نام تھی اور بہت تھی۔ حسن نے نہیں کیا کہ اس سے بیٹے میں شعر ت
کی تہایت ہو، ہے شاعر کی متعلق یہ عرب کا راویہ تھا تھا

شعر کی حقیقت ایران کی نظر میں

”دو ہی بھی چار سال کا بچہ تھا۔ حد میں عمری نے ادا ایہ نام مراد۔ میں میں چار سال
”ستوں سے ساتھ بیٹا ہو تھا۔ دو ہی دوڑتا ہوا تھا اور سب ساتھ چار لہ

بابا بابا مکیاں درخانہ مارینہ او

”دو ہی سے باب سے ایک نخل شناس دوست نے جو شریک محفل تھا اس پر دست فقرہ
ن مروت ابا حباب ”ب تھی“ باپ کو یہ کہہ کر کہ مبارک باد دی کہ تمہارا بیٹا بڑا
”یہ سے نسل کا تہار ہو گا۔ اس واقعہ سے اندرہ یہاں سکتا ہے کہ ایران میں قدما کے ایک
شاعر کی یہ حقیقت تھی۔

علامہ شبلی نعمانی کا نظریہ

علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے اپنی مشہور کتاب شعر نامہ میں شاعر کی تعریف یوں کی ہے
”ایا میں جس قدر قدرت سے مظاہر ہیں“ خواہ مادی ہوں مثلاً پہاڑ“ یا ہاں“ ان در
”عید“ خواہ غیر مادی“ مثل“ بھر تھیں“ نفرین“ اس سب سے اس پر اثر پاتا ہے اور
”ہر شخص سے اس پر پڑتا ہے“ نہیں اثر سے مراتب شہادت ہیں جس شخص سے
”بعض پر زیادہ اور بعض پر بہت زیادہ ہوتا ہے“ جو شخص اس قدر قدرت سے
”اوس کی بہ بہت زیادہ متاثر ہو اور بیٹھ اس اثر کو لحاظ سے“ کر سکتا ہو وہ
شاعر ہے۔“

اس تعریف میں علامہ مرحوم نے اپنے نکتہ کی بھالی مودانا عید ابدی مرحوم نے اس میں

اسی لیے کہ شعر ان کا 'وزن' خود ہر رقص کے مجموعہ کا نام ہے

شعر کی حقیقت

شعر کی حقیقت میں سمجھا ہوں وہ بھی ملاحظہ ہو۔

شعر یا سب سے زیادہ تصویر کی تصویر ہے اور اس کی نگاہ کی تصویر
- ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی
میں انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی
سورس کی اور سورس کی اور سورس کی اور سورس کی اور سورس کی
میں انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی
پسند اس میں شاعر کی تصویر

اس کے شعر طلال کی تصویر

انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی
میں انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی
سورس کی اور سورس کی اور سورس کی اور سورس کی اور سورس کی
میں انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی
پسند اس میں شاعر کی تصویر

انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی
میں انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی
سورس کی اور سورس کی اور سورس کی اور سورس کی اور سورس کی
میں انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی
پسند اس میں شاعر کی تصویر

غالب کے بعد اقبال

غالب کے بعد میر کی ۔۔۔ میں انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی
میں انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی
سورس کی اور سورس کی اور سورس کی اور سورس کی اور سورس کی
میں انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی ہر تصویر انسانی
پسند اس میں شاعر کی تصویر

جو کچھ دیکھا اس کی تفصیل اسی کے قسوں ساز موقلم کا حصہ ہے۔

اقبال فن شاعری کا نام ہے اور اس فن میں ماں حاصل کرنے کے لیے اس کی طبع موزوں
وہ ہو سکتی ہے۔ یہ وہ دوسروں کا قلم ہے۔ اس کو مشرق اور مغرب کی کئی قسمی زبانوں
پر عبور حاصل ہے اور ان طرح ناری میں بھی وہ اپنے خیالات اس بے تکلفی اور روانی
سے مانتا رہتا ہے کہ غالب کی سطح اس سے سزا ہوتے ہوئے رہ گئی۔ اس نے اپنی ہارن
ربان و نگاہ حقارت دیدی۔ اور زور طبع کا بیشتر حصہ ناری کے لیے وقف کر دیا۔

ناری میں تپا بجی نقشائے رنگ رنگ

گزار از محمود اردو کہ ہے رنگ مس است

ہفت زبان اقبال اور اردو

اقبال نکتہ سخن احباب کے اصرار سے ہندو، صرف ناری کی زبان بولتا اور اس سے
نکلیا۔ خیالات کا دریہ ظہار "اسرارِ حقایق" "رموزِ بھائی" اور "پیامِ مشرق" ہی نہیں دریچ
امنیت تصانیف ہوا کرتی تو "اس اندیا ریڈیو" سے ناریاں جو نکلتے تھے وہ فحاشی کے لیے
دست نہ آتی تھیں۔ "ضربِ ظہیم" اور "ہاں جیل" بہ تنقید کے لیے قلم نحران جو "مطلبِ ناری" سے
بعد اقبال کی قادرِ ایمانی کی جیتی جاگتی تسویروں ہیں۔ اور ناری سے ہندوہ طیری ناری میں
ربانوں میں اقبال نے مدتوں حرمینی اور انگلستان میں رہ رہا۔ ستاکا، انی ہم پہنچائی تھیں۔ ان کی
دست سے بھی اس کا بیج شائگان خالی نہیں۔ اس طور پر مشرق اور مغرب کی تصویروں سے تیار
سرار کی کلیہ اقبال کے ہاتھ میں آگئی۔

اور نہ ان سے تڑپیں مشتت یہ حکیم مشرق کا بہ دور شب بیتی ہے تو وہ اس سے تڑپ
طرح سے سزاوار ہے۔

اقبال کی ساری شاعرانہ زندگی پر تبصرہ کرنے کے لیے غنیمتِ دفعہ پاستا بنیں۔ ان کے صدمہ کی
اس محنت کی عجبت میں مطلق کئی کئی نہیں۔ اس لیے اس انہوں موتیوں میں سے ان کی زبان
میں بکھرتا پاتا ہے۔ صرف چند دروانوں کے دولے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

اقبال اور وطنیت

اقبال اس وطن میں رہتا ہے وہ رہاں اور مکانات اور نسل اور رنگ اور اوج اور بیخ کی حدود
سے بہت پرستہ واقع ہوا ہے۔ خدا کا جو تصور اس کے دماغ میں ہے وہ بھی نہیں بلکہ عربی ہے۔

اس طرز زندگی کے اختیار کرنے کی تعلیم وہ دنیا کو دیتا ہے۔ وہ بادشاہ نہیں بلکہ قندرائے ہے۔
 اس سے ساتھ اس ہمت سے کہ وہ اقوام عالم کی باہمی عداوتوں اور تفرقوں کا قلع قمع کرنے اور
 اسیں مسرت و اخوت کی روشنی ڈوری سے باندھنے آیا اس کی والدہ محبت خون کی حد تک
 چمکی ہوئی ہے اور اسی لیے مغرب اسے ترجمان اسلام کا لقب دیتا ہے لیکن یہ ساری حقیقتیں
 بتدریج اس پر مستشف ہوئیں۔ اول اس وہ بھی دیہاتی خالی وطن پرست تھا۔ جیسا دنیا کے اور
 وطن پرست ہوتے ہیں اور ہم اسے یہ ترانہ گاتے ہوئے سنتے ہیں

وطنیت کا پہلا تصور

بچ کہہ دوں اے برہمن گھر تو رہا نہ رہا
 تیرے صنم کدوں کے بت ہوئے رہا
 انہوں سے ہیر رکھنا تو نے جوں سے سیما
 بہت و بدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
 ننگ آ کے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
 واعظ کا وعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
 پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
 خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

میں ریوڑ رہا نہ رہا نے پایا تھا کہ خاک وطن کے ہر ذرہ کو دیوتا سمجھنے والا اقبال اس بیت کو
 جس قدر سوچتا ہے

اس دور میں سے اور ہے جام اور سے ہم دور
 ساقی نے بتا کی روش لطف و ستم دور
 مسم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
 تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم دور
 ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
 جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

دن کے پہلے تصور سے اس شدید بیزاری کی وجہ اقبال نے یہ بیان کی ہے
 اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
 تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے

خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
 کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
 اقوام میں تعلق خدا بنتی ہے اس سے
 قومیت اسلام کی جز گنتی ہے اس سے

محبت کی اچھوتی تصویر

نظام عام کو جس ہمہ گیر اور ہمہ رس سماجی شعل نے ریختا ہے رعایت ہر اہل شہر و
 سلطان میں محبت کہتے ہیں اس مقناطیسی جذبہ کی تہالی کے کُن ہر زمانہ میں ہر قوم نے دیا ہے
 ہیں۔ انگلستان کا شہرہ تباہی شاعر اور لسانہ گوئی سرور، مراٹھا کتاب کہ

Love is heaven and heaven is love

ایران کے مہر نگار شاعر عرفی نے محبت کی سرگرمیوں کی بے بنائی کی ہیئت یوں بیان کی ہے
 گر محبت حملہ بر ناموس کفار آورد
 برہمن را رشتہ در گرت بہ رنار آورد

لیکن قباں نے محبت کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کا جب شاید کسی سے بھی محسوس نہ ہو۔

ماہِ حنظلہ ۱۹۰۲

عروس شب کی زلفیں تھیں ابھی نا آشنا خم سے
 ستارے آسمان کے بے خبر تھے لذتِ رم سے
 قمر اپنے لباسِ نو میں بیگانہ سا لگتا تھا
 نہ تھا واقف ابھی گردش کے آئینِ مسلم سے
 ابھی امکان کے قلمتِ خانہ سے ابھری ہی تھی دنیا
 مذاقِ زندگی پوشیدہ تھا پنائے عام سے
 کمالِ ظلم ہستی کی ابھی تھی ابتدا نوید
 ہویدا تھی غمگینی کی تن چشمِ خاتم سے
 نہ تھے عالمِ بالا میں کوئی کیسا کرتا
 مفا تھی جس کی خاک پا میں بڑھ کر ساغرِ ہم سے
 لگا تھا عرش کے پائے پہ اک اکیر کا نسو
 چھپاتے تھے فرشتے جس کو چشمِ روح آدم سے

نگاہیں ہلک میں رہتی تھیں لیکن کیا مگر کی
 وہ اس منجے کو بڑھ کر جانتا تھا اسم اعظم سے
 بروما تسبیح خوانی کے بنانے عرش کی جانب
 تمنائے دلی آخر پر آئی سعی جہیم سے
 پھرایا فکر اجزا نے اسے میدان امکان میں
 چھپے گی کیا کوئی شے بارگاہ حق کے محرم سے
 چمک تارے سے مانگی چاند سے داغ جگر مانگا
 ازائی تیرگی تھوڑی سی شب کی زلف برہم سے
 تہیب بجلی سے دلی حور سے پاکیزگی دلی
 حرارت ن نصیب مسیح اس مریم سے
 ارا سی پر ربوبیت سے تنہا ب نیازی د
 ملک سے عاتری اقدالی تقدیر ششم سے
 پیرس اجزا کو کھو چٹھہ میواں سے پانی میں
 مرگ نے محبت نام پیدا عرش عظم سے
 مہوس نے سے مانی ہستی نوینہ چہرہ
 روحوں نے سے نوینہ نام سے
 ہولی حبش میں دروں سے عطف خوب و پیوڑا
 گلے ملنے لگے اٹھ اٹھ کے اپنے اپنے ہدم سے
 خرام ناز پایا آفتابوں نے ستاروں نے
 چمک غنچوں نے پائی داغ پائے مال زاروں نے

آزادی وطن

میں نے اپنے دل کا اندازہ اپنی شمع کی زبان پر بھی ہے۔ ہر
 جہاں میں میں نے آزادی کا حق دیکھا ہے۔ ہمارا شاعر اسی ترزو کو
 میں نے یاد کیا۔

لا چہ ال ہار وی بادو و جام اب ساقی
 ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اسے ساقی

آزادی کے لیے حالات کی سازگاری شرط ہے حالات کو خدا کا فضل اور امت کی صلاحیت سازگار کرنے پر قادر ہے اور اس کی طرف سے مایوس ہونا اقبال سے مذہب میں صابر نہیں وہ کتا ہے اور کیا خوب کتا ہے :

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نرم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

کشت ویراں سے مراد ہندوستان ہے۔ جس کی زر خیزی میں ظلم ہمیں بڑھاپکے پر مہمانی پھینک اسے یہ اب کر دے۔ اقبال ابراہیم انصاری نہیں چاہتا اس کی آغوشوں سے تنہا ہو "م" پیدا کر سکتے ہیں جس سے خاک ہند زرخیز ہو سکتی ہے۔

خاور کی امیدوں کا یہی خاک ہے مرکز
قبر کے اشکوں سے یہی خاک ہے یہاں

اقبال اور مولانا رومؒ

اقبال کی شاعری کو جس اثرات نے اپ سانسپے میں اچھا سے اب میں مولانا رومؒ نے بھی تصدیق کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔ مولانا کی مشہور غزل ہے۔

دی شیخ با چراغ ہی گشت شہ
کز دام و دد ملوم و اندام آرزو مست
زیر ہموں سے عناصر دلم گرفت
تیر خدا و رسم داستانم آرزو مست

سے عمل اپاہتوں سے مولانا رومؒ کی روح بیزار تھی۔ مسجد نشین ملاؤں 'خدا' نہیں رہا تھوں کی جگہ جو ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہیں ایسے مردان مجاہد کی تلاش تھی 'خدا' سے غل بیت میدان غزا میں ملی مرتضیٰ اور ستم استاں میں رہیں۔ مولانا کا روحانی تدار اقبال کی امت کی رجزیہ درس دیتا ہے :

عجبت پیر رومؒ سے مجھ پہ ہوا یہ راز قاتل
رکھ حکیم سر بیجب ایک کلیم سر بکف
مثل کلیم ہو اُر ممرک زما کوئی
اب بھی رست طور سے آتی ہے باب کعب

خیر نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ
مرہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

بلند ہمتی کا سبق

اولو حزی اور بلند ہمتی کا سبق اقبال نے اچھوتے انداز میں دیا چیتوٹی اور عقاب کا۔ کالر
بزبان حال لکھا ہے۔ چیتوٹی پوچھتی ہے۔

میں پامال و خوار و پریشان و درد مند
تیرا مقام کیوں ہے ستاروں سے بھی بلند

عقاب جواب دیتا ہے

و رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاک راہ میں
میں نہ سپر کو نہیں لاتا نگاہ میں

(پیغام حق۔ اگست ۷ نیز علامہ اقبال اپنوں کی نظر میں)

مرتبہ منبہاح الحق مدینہ

اگ تھے ابتدائے عشق میں ہم

(مولانا ظفر علی خاں سے ایک انٹرویو)

میں نے جس زمانے میں "ستارہ صبح" لکھا، اقبال اس زمانے میں اٹارنگی بازار میں رہتے تھے، وہ خیال کے اعتبار سے تو عمر بھر جوان رہے، مگر یہ وہ زمانہ تھا جب وہ خواہی یا نہ خواہی ان کے چہرہ کا شگفتہ پن جوانی چٹانگہ اندہ و دانی کی انہوں نے کھانسی کھا کر تھکا۔ میں حیدرآباد سے لاہور چلی، زمیندار کی اہل رت سہیلی، تو میرے لیے لاہور اپنی تمام دنیا ہی کے بارہویہ ایک دھڑکتے نیا تھا۔ لاہور سے میرے اپنی تعلقات کا سانچہ ایک مدت پہلے یار ہو چکا تھا اور رہا۔ تھیں وغیرہ سے قلم نے مراسم حیدرآباد ہی میں قائم ہوئے تھے، مگر پھر بھی یہاں تھیں۔ مجھے کب تک ایک عقد پیدا کرنا پڑا۔ اسی عقد میں علامہ مرحوم بھی تھے۔ اس کی شاعری سے تمہارے اس وقت بھی کوئی شک نہ تھا لیکن رات رات اس کا شعر "فلسفہ" سوتا تھا اور انہوں نے ایک ایسے پامرد صورت اختیار کر لی کہ آج یثیا میں ملت اسلامیہ بالخصوص اس سے لڑتے مٹاتے نظر آتی ہے اور تو اور اس کے مانتوں کا لب و لہجہ بھی اس امر کا غماز ہے کہ ان کی فکر میں جو خوب ہے وہ سچا ہے اپنے اندر ایک ابھرتی ہوئی زندگی کی حرارت ضرور رکھتا ہے میں سمجھتا ہوں اقبال سے وہ کچھ پیش کیا وہ مستقبل کے معاشرے کی اساس ہے۔ انہوں نے ایک قوم کی بنیاد پٹائی ہے آج جس درجہ بھی مسلمانوں میں رندوں کے شمار نہیں رہے ہیں اور اس سے اس واقعہ میں جس حد تک بھی اسلامیت سے شغف کا جذبہ موجود ہے اس کا مقصد یہ حصہ محض علامہ اقبال کے شعر و فلسفہ کا مرہون اثر ہے۔ یہ جواب تھا۔ جو حضرت مولانا ظفر علی خاں نے میرے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ آپ پہلے چل اقبال سے کب ملے تھے؟ اور پہلی ملاقات میں آپ سے کیا محسوس کیا تھا۔ میں اپنے مخصوص رنگ میں تقاضا کر رہا تھا کہ آپ اقبال نے میرے یہ سوال کچھ لکھتے غزنہ سہی، نظم۔ نظم نہ سہی دو شعر، مگر مولانا کے ہاتھوں میں رشتہ آپکارت اور سر جھک کر جوانی کا سراغ لگا رہی ہے فرماتے رہے، میں نے ایک عرصہ سے شعر و انشا کا مشغول رہا ہے اب ہم لوگ ایک تماشا ہیں اور آپ تماشا ہی، ہمارا زمانہ بیت یہ ہے اور اس

سے ساتھ ہی قلم و ادوات کے وہ مہر کے بھی ٹھنڈے پڑ گئے ہیں، جن کے زمانہ شباب کی کہانی تاریخ کے صفحوں میں ”کابے کاٹے باز خواں“ کا نقش بن کر بیٹھ گئی ہے۔ ہاں ابھی یہ ضرور کہا تھا۔

ادب کا ذوق ہے جن کو مرے اشعار سن سن کر
غور بنتے جاتے ہیں غنڈاں ہوتے جاتے ہیں
مگر یہ تب واقعہ ہے جب آتش جوان تھا۔ اب تو یہی نصیحت ہے کہ عمر کی گھنی چھاؤں کے سایہ میں زندگی بسر ہو رہی ہے اور قافلہ حیات سکون کے ساتھ اپنا سفر پورا کر رہا ہے۔ مگر اب وقت کا تقب و ادب کیا؟ اس زمانے کی صحبتیں ٹیل و نل کے ساتھ ختم ہو گئیں جن دنوں کی رہنمائی میں شعر و انشا کا سفر شروع کیا تھا، وہ قبر کی گود میں سوئے اور اب ہم عصر تھے، ان میں سے بھی تقریباً تمام اٹھ گئے۔

بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

عرض کیا۔ مولانا میں نے کچھ سوالات لکھ لیے ہیں۔ آپ ان کے جواب ہی لکھوا دیجئے۔
پہلے تو چپ سے ہو گئے اور پھر خود ہی ارشاد فرمایا۔ کون سے اور کتنے سوال ہیں۔ میں نے عرض کی، دو چار سوال۔ جب میں نے سوالات کی نوعیت بتائی تو کچھ سوچ میں پڑ گئے اور پھر کہا، اچھا لکھوا میں نے پہلا سوال کہ نسبتاً آسان تھا۔ دریافت کیا۔

”یہ صحیح ہے کہ علامہ اقبال اور آپ داغ دہلوی کے شاگرد ہیں؟“

علامہ اقبال نے متعلق تو میں سمجھ نہیں کر سکتا اور میرا خیال ہے کہ وہ شاعر، نہیں تھے۔ مگر یہ ایک آدھ غزل پر ”سنا“ اصلاح لی ہو، لیکن جہاں تک استاد شاعر کے حقیقی مفہوم کا تعلق ہے وہ داغ کے شاگرد نہ تھے، رہا میرا معاملہ تو میں نے داغ سے کبھی اصلاح نہیں لی۔ وہ حیدر آباد میں طب الشعرا تھے اور میر محبوب علی خاں کے استاد۔ ان کے شاگردوں کا حلقہ بھی ہے وہ وسیع تھا مگر میں ان میں نہ تھا اور میں بھی شاعری میں میر کوئی استاد نہیں، داغ مرحوم کی بات تھی کہ جو شخص بھی ان کے پاس بیٹھا اس سے شاعری کے ایک آدھ لگتے پر بات چیت کی یہ ایک آدھ غزل شاعر مشورہ طلب یہ تو وہ اس کو اپنے شاگردوں کی فہرست میں شامل کر لیتے اور پھر شاعری کا ساریٹیکٹ بھیج دیتے تھے۔ آخر میں نوجوان تھا مولانا نے عمر روز کا تصور باندھ فرمایا۔ ”حیدر آباد کا مادہ تھا۔ داغ کے ہاں اکثر شعر و سخن کی محفلیں ہوتیں ہیں بھی شریف ہوتا، لیکن ہے میر۔ قلم کے پورے کچھ کر، انہوں نے مجھے بھی، جیسا کہ ان کے بعض شاگردوں کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے۔ اپنے شاگردوں میں شامل کر لیا ہو ہاں یہ ضرور ہے کہ

میں نے 'ارڈرزن' کی کتاب خیابانِ فارس کا اردو میں ترجمہ کیا تو انہیں بھی سنایا اور شاید انہوں نے ایک آدھ جگہ زبان کے معاملہ میں مشورہ بھی دیا مگر یقینی نہیں 'اس سے انہوں نے یہ اس سے بعض تاملاتہ نے مجھے بھی شاکر سمجھا۔ اس سے قیاس پڑتا ہے کہ اقبال کا معاملہ بھی شاید ایسا ہی تھا۔ داغ کی شہرت کا عہد تھا۔ اقبال نے... یہ قول شیخ عبدالقادر ایک آدھ غزل بھیج دی ہو گی اور انہوں نے اصلاح کر کے فہرست میں نام لکھ لیا ہو گا۔ میرے اور اقبال کے شاکر ہونے کی جگہ فہمی اس سے بھی پیدا ہوتی ہے کہ ہم دونوں نے داغ کے مرثیے لکھے ہیں ہم نے تو جگہ ملے وہ ان کی بخندری کو خراج تھا مگر لوگوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ ہم ان کے شاکر ہیں۔۔۔ خجہ اس سے نیا ہوتا ہے کہ ہم داغ کے شاکر تھے یا نہیں 'داغ۔ اقبال اور میرے حدود شعر' یہ دوسرے سے الگ ہیں اور ہم نے جو کچھ کہا۔ وہ شہریت کی یکسانیت کے باوجود یہ لحاظ اسلوب مختلف اٹھتی ہیں۔۔۔ "پ" نے تو کئی ایسی نظمیں بھی لکھی ہیں۔ جن میں اقبال پر چوٹ کی تی ہے۔" میں نے ذرا ہمت سے پوچھا!

"یہ چوٹ کا لفظ بے محل ہے" مولانا نے ذرا تیزی میں فرمایا میں نے جو کچھ بھی اقبال کے متعلق لکھا۔ اس کا ایک خاص رخ ہے اور تمام تر سخن گسترانہ ہے۔ ہم دونوں ہم عصر تھے۔ ہمارے تعلقات کا رشتہ آپ کی طرح نہ تھا بلکہ ہمارے روابط دو دوستوں کے سے تھے۔ ایسے دوست جن میں روایتی مختلف نام کو بھی نہیں ہوتا ہے میں نے بس بھی علامہ مرحوم سے شاعرانہ نوک نمونک کی تو اس کا پس منظر دوستانہ ہی ہوتا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ بھی لبھار محل کے بعض گوشوں میں ان کی میٹھی سے یہ نظر ظاہر جو خاص محسوس ہوتا تھا۔ ان سے میرے قلم کی زبان پر ان کے متعلق کیس کیس طعن آتا مگر اس کا طوں و عرض وقتی تحریکوں کی شاعر۔ چھینر چھاڑ سے زیادہ نہ ہوتا تھا مثلاً تحریک خلافت کے زمانے میں اقبال سے محض ہو رہا تھا۔ لکھا تھا۔

عرض کر حضرت اقبال سے جا کر یہ جا
اے کہ دنیائے سخن میں تری تماشائیں نہیں
ماجرا کیا ہے کہ کچھ روز سے خاموش ہے تو
کرم پرواز ترا فکر بک بال نہیں
بزم کستی ہے کہ تو جب سے نہیں زمزمہ سنا
کسی آہنگ میں وہ سر نہیں وہ تال نہیں

چڑھتا کوئی 'نظم'۔۔ فرماتے بھائی دی جس کا مطلع ہے۔۔

قوم کی تلیا ڈبو دی کس نے سر اقبال نے

قبر آزادی کی کھودی کس نے سر اقبال نے

لاہور میں سائنس کمیشن کی آمد پر ۳۔ فروری ۱۹۲۸ء کو ہڑتال ہوئی اس دن

عارف سر محمد شفیع، سر ذوالفقار علی خاں اور سر عبدالقادر کے ساتھ ساتھ سر اقبال بھی تھے

، ان کے ساتھ تھے۔ اس دن ان تین اصحاب سے اس سے اتنی رسم تھی۔

مولانا نے فرمایا۔۔۔ ان کو کامیاب بنانے پر ادھار کھائے جیسے تھے۔ اقبال کی نجات میں

نوارانے ہوئی، نظم جھما اور عمر ہو گئی

مات سے زہمت پسندی کی کہاں

قبر آزادی کی کھودی کس نے سر اقبال نے

مات سے زہمت پسندی کی کہاں

قبر آزادی کی کھودی کس نے سر اقبال نے

مات سے زہمت پسندی کی کہاں

قبر آزادی کی کھودی کس نے سر اقبال نے

مات سے زہمت پسندی کی کہاں

قبر آزادی کی کھودی کس نے سر اقبال نے

مات سے زہمت پسندی کی کہاں

قبر آزادی کی کھودی کس نے سر اقبال نے

مات سے زہمت پسندی کی کہاں

قبر آزادی کی کھودی کس نے سر اقبال نے

مات سے زہمت پسندی کی کہاں

قبر آزادی کی کھودی کس نے سر اقبال نے

مات سے زہمت پسندی کی کہاں

قبر آزادی کی کھودی کس نے سر اقبال نے

مات سے زہمت پسندی کی کہاں

قبر آزادی کی کھودی کس نے سر اقبال نے

مات سے زہمت پسندی کی کہاں

قبر آزادی کی کھودی کس نے سر اقبال نے

یادوں میں زنجیر ہے زندوں سے ٹھہراتے ہیں
 ہم جہاں وطن کا شیوہ ہے مراغی
 عافیت کوئی ہے پستے دس سے مسلک آپ کا
 اور اسی میں مستتر ہے آپ کی فرہنگی
 چھوڑ کر انہوں کو غیروں کا ایسا ساتھ آپ نے
 بات ہے یہ قتل کی یا قتل سے بے باکی
 ”مسلم ہواییدہ“ نچہ ہمارا ”را تو جی ہو“
 چھوڑ دے اس بزدلی کو اور دکھا مرادگلی

شعر، شاعری کی بات چھڑائی تو چھو وہ شعر بھی سن بیٹھے ”ہم محمود عامہ اقباس کی تحریف“
 وہ اس وقت تھے ”ستارہ صبح“ میں بیڑوں اور صوفیوں کی بدچالوں کی۔ وہ تمام کتاب کی سے
 مشورہ سے تھا۔ صبح و شام بدعاتیں ہوتیں۔ بہت سے موضوع زیر بحث آتے، محمود انہی
 مسائل کا نتیجہ ”ستارہ صبح“ کی فکائی ظہیر ہوتیں ہوئی، ۱۹۱۳ء کا ذکر ہے۔ ہمارے درمیان چند
 دست آفرین تحقیقیں زیر بحث تھیں۔ میں نے ارچن، ”یہ شعر کہہ ڈالے۔“

جب سے ہم میں ترمہل اور سر پیدا ہوئے
 سے فتنے حال اٹھے وہ شر پیدا ہوئے
 عاشق نہیں یہ اسے اسلام میں سے رکھ دیا
 اس میں سے صحت چرچا اٹھ پیدا ہوئے
 و مکتوبہ حال سے آتے ہیں وہ مسلم آباد
 میں نہ ہو چنے یا دیکھ کے کھوپڑے ہوئے
 میں نے یہاں مورتمیں تھکوں میں نہیں آنا
 میں نے اسے مود غصہ سے پیدا ہوئے
 سرخ چتر میں میں نے یہی تہذیب خوب
 میں نے بھائے وہ سے وہ نظر پیدا ہوئے
 تھکے وہ کی مدت انداز میں سے جواب
 خرمن نیت سے وہ بڑی، شر پیدا ہوئے
 یہ وہ اور خانہ مسلم نے یہیں وہ مروت
 نڈیا کو مسل سے اندر پردہ در پیدا ہوئے

شرع میں بھی ٹانگ اڑانے میں نہیں ڈرتے ذرا
 ہم میں ایسے ایسے کستاخ اور بظاہر پیدا ہوئے
 ، اور یہ فطرت مسلم ہونی جاتی ہے مسیح
 میں رہتے ہیں ، مڑی ہوئی شیخ پر پیدا ہوئے
 لوگوں کے سبھو کہتے پخت ہیں ہزار میں
 مسند آراؤں کے لائق ہو نہ پیدا ہوئے
 یاس ناموس شریعت شرع والوں کو نہیں
 مای دین ہیں سب نیم نہ پیدا ہوئے
 ، لیکن تھا ہم کو ان آنکھوں سے بھی یہ انقلاب
 کی سے ، نہ تم اور خیر پیدا ہوئے
 پیشہ کی اور سننے کی توقع سے کیا
 بیٹ کی سے ، نہ دور دور پیدا ہوئے
 انتخاب ، نہ شہر ، نہ جوب ، نہ
 اس میں یہ یا نہ ، نہ اور پیدا ہوئے
 حامدان ، نہ دین سے ، نہ سے
 تجھ میں اسے پنجاب اقبال و ظفر پیدا ہوئے

۱۶ / جنوری ۱۹۲۵ء کو اقبال کی گائے نے چھڑا دیا۔ علی بخش ایک نہایت دیدہ زیب طشت
 میں گائے کی کھیس بھر کر اس پر اور قی نظری لگا کر اور پست کی ہوائیاں چمڑک کر دفتر زمیندار
 میں لایا اس واقعہ کو ان اشعار میں قلمبند کیا گیا ہے۔

ہو اپنی میٹھی کھیس زمیندار کو اٹھائے
 اور دعویٰ نہائے ڈاکٹر اقبال کی وہ گائے
 فرما ، نہ سکا نہ جسے کوہسار سے
 وہ جوئے شیر وادی پنجاب میں بہائے
 ہو ناظرین کے لئے سرہیہ سرور
 صفراء لونما کی جھلک ہند کو دکھائے
 سر لاہوت دھیں تو کریں رقص ، دی
 کو سار اس کا وجد میں ہر سامری کو لائے

ڈکرائے مال روڈ پر جا کر علی الصباح
 اور نذر اتحاد کا لاہور کو سنئے
 تھن من سے مگر لگائے تو امرت برس پڑے
 موتی جھنرس اگر وہ کیس کان پھڑپھڑائے
 اس لکھ کے لکھواتے ہی مولانا نے ایک آہ سرد بھری 'فرمایا۔ اور اب
 آں قدح شکست و آں ساقی نمائند
 پھر بولے 'میرے عزیز اقبال نے درست کہا تھا۔

اس کا بیدار ہونا و رفتہ
 مثال شعلہ افسردہ و رفتہ
 بیابان لٹکے پتوں اور تیر
 کہ خجاس باوہ با خوروند و رفتہ

شب سے تھا کہ مولانا و زحابی کی وجہ سے رب رب ہوں رہے تھے بات ہم رائے
 اس میں سے بات تاریخ پڑے ہوئے ہیں یا

"یہ وہ اقبال و فلسفی شاعر ہے کیا شعر و فلسفہ میں بھی ملی رہا ہے؟"

شاعر اور بولے خدا مقدمہ تمہاری فلسفہ سے یا مراد سے شب شعر سے ہے فلسفہ کا وہ
 ۔ مابعد تو اس سے مراد معنوں کی حلیت اور ہمہ گیری ہوتی ہے اقبال ان معنوں میں
 فلسفی شاعر ہے کہ وہ ایک کل تصور حیات پیش کرتا ہے۔

"کیا اس کا تصور حیات سائنٹفک ہے؟"

"جی کہ اس کا تصور حیات عمل کے عقلی چوہنے میں اس حد تک ہوڑا جاسکتا ہے؟"

"تمہارا اس صاف ہیں 'اصل میں تمہارے سامنے مادی فلسفے اور روحانی فلسفے کا کوئی مبہم
 تصور ہے میرے خیال میں تمہارے سامنے کی صورت یہ ہے کہ اقبال اس نظام حیات کو پیش
 کرتے۔ کیا وہ عمل کی دنیا میں آسکتا ہے اور پھر اس کے عقلی دلائل کیا ہیں؟

یہ رنج و رنجی ہیں ثبوت میں۔ تاہم طر عقیدہ ہیں۔ اس کے برعکس
 ہر سب ہیں عقیدہ دیتا ہے اور یہ ایک مسدود حقیقت ہے کہ وہی باتیں زندگی و اصل ہیں
 ساتیں ہیں ہم ثابت رہتے ہیں 'ہم انہیں ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں جنہیں ہم ثابت نہیں
 سکتے ہیں مگر پڑا ہے۔

اقبال کی فکر کا رنگ و روغن عقیدہ ہے اور اقبال اس عقیدہ کو پیش کرتا ہے۔ اس کا

لمحظ رہتے ہو۔ اہم نوع انسان کی موجودہ پختی و روم و شہ ارضی کے جدید انتشار و علم و عقیدہ کے قرار میں تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ مستقبل میں عقیدہ کا پلڑا زیادہ سے زیادہ جھٹکا ہوا نظر آتا ہے۔

”اس کے غلط فہم میں قبل کا تصور حیات مستقل ثابت ہے۔ اس میں سے نمٹنا پوچھا
 ”بائبل اور دینی صرف اس لئے کہ اقبال نے جو چہ بھی کہا ہے اس کی اس ملامت
 ہے۔ ”سن“ اسلام اپنیوں کے ہاتھ میں ہے۔ قاتل جو ایک ایسی پودے ہاتھ میں آئے، اس
 جس کے انٹی کشور میں اقبال نے فکر نے شاید دور دور سے کیا ہے۔ قبیلہ عظیم انسان تھا اس کے
 نہ سب ہماری زندگی کے جوہر و اختصار اور بندہ ہمارے قدموں کی رفتار ہمیں روکی اور ہمیں اس
 ”تدہ منس ثابت آیا۔ اس کے مسافر جنہ سے تھے باقی تم تھا اور میرے قدم نہ آتے تھے“

(ہفت روزہ چٹان ماہور۔ اقبال نمبر۔ بابت ۲۵ اپریل ۱۹۴۹ء)

اقبالؒ — میرا دوست

(مولانا ظفر علی خاں سے ایک انٹرویو)

اقبالؒ نے میری ملاقات سن زمانے میں مولیٰ جب وہ انارکلی والے مکان میں رہا کرتے تھے اس سے بڑے بچے میں حیدر تھا، میں تھا تو "مخزن" میں ان کی ٹیمیں، علیحدگی میں نے نہیں ایک خط میں ان میں ان کی شاعرانہ صلاحیتوں و تحریریں تسکین اور یاد تھا۔ اقبالؒ سے بھی اس کا بڑا وابستہ رہا۔ یہاں سے میں بھی۔ اور یوں میرے اور ان کے درمیان "قلمی دوستی" قائم ہو گئی۔

سب میں، مورخین یا تو انارکلی والے مکان ہی میں اقبالؒ سے پہلی ملاقات ہوئی اس وقت وہ وہاں تھے۔ شباب ان کے حیرت سے چھوٹ چھوٹ پڑا تھا، پہلی ملاقات میں وہ مجھ سے مکمل گئے اور یہ سب تکلف ہوئے کہ مجھے ان کی دوستی پر مسرت ہونے لگی، اس کے بعد میں ان سے برابر ملتا رہا، ان ملاقاتوں میں اس دور کے مسائل، شاعری، فلسفے اور نہ ہانے کچھ کچھ مسائل۔ انھوں نے میری شکل جاری رہتی اور جب میں ان سے مل کر لائق بیٹھ مجھے کچھ محسوس ہوا، یہ اقبالؒ، محض ایک شاعر سمجھا بہت بڑی فطرتی ہے، وہ ایک عظیم اور بہت فلسفی ہے، بعد میں سے کئی دفعہ وہ ملت اسلامیہ کی حیات نو کا پیغام سر ہے اور بعد میں جوں جوں زمانہ گزرتا گیا میرا یہ خیال پختہ یقین میں تبدیل ہوتا گیا۔

حیدر آباد کی ملازمت سے سکونت ہو کر جب میں نے لاہور سے "زمیندار" نکالا تو اقبالؒ سے میری خواہش پر اس میں پوری پوری دلچسپی لی، انٹرویو "زمیندار" سے یہ لونی نے، ملی نظم لکھ دیتے، ان کے صفحہ اوس پر شائع ہوتی تھی اور لوگ اسے بڑے وقت و شوق سے پڑھتے تھے، اقبالؒ میں شعر سننے کی سب سے بڑی قوت تھی، اور ان کا دل سوز و انداز سے ہر وقت وہ نہ کچھ بھیتے تھے، نہ اسے اوروں سے لکھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ ان کے اشعار میں اثرات تھے اور ایک ایسی تربیت سے تھے جو نہ شاعر سے اس میں موجود تھی۔ خواہ اقبالؒ بھی یہی چاہتے تھے، وہ شعر کہنے سے نہیں تھے کہ ایسے آپ کو شاعر منوائیں بلکہ محض اس لیے کہ جس پیغام کو ملت

اسلامیہ تک پہنچنا چاہتے تھے۔ ان کے مزاج میں اس کا موثر اثر یہ صرف شعر ہی تھا۔ ایک۔
 شریعت شام سے لے کر شاموں تک اور میں پسند اور وہ ہے کہ وہ ایک بچے کی طرح بہت
 تھے اور اسی دور میں انہوں نے "سارے جہاں سے اچھا بہارستان ہمارا" جیسی نظمیں لکھی
 ۱۰۔ ۱۱۔ اور وہ سب وہ شاعری تھے اور وہ ان "پان اسلامزم" کی قریب تک پہنچے
 اور قیصر دور وہ ہے۔ جس میں وہ مستقل طور پر اسلامی فلسفہ حیات کی طرف مائل ہو گئے اور
 آخر دم تک اسی طرف متوجہ رہے۔

قرن سے مزاج میں نگرانیوں تک بھی بہت تھے۔ بے تکلف دوستوں کی مجلس میں وہ خوب
 محل خیلے تھے اور ایک ایک نشست میں وہ لڑنے لڑنے کو ہاتھ دیتے تھے۔ وہ ہم آہنگ تھے۔
 مزاحیہ کلام کو بہت پسند کرتے تھے اور ان میں سے ایک میں بھی کہتے تھے۔
 کے کلام کا صرف ایک مصرعہ یاد ہے۔

"ال آباد سے لکڑا چلا ہے ہمارے گھر سے"

بھی بھی ایسا بھی ہوتا کہ اقبال بیٹھے بیٹھے ایک لمحہ مصرعہ کہہ دیتے اور پھر بچے کے ہاتھ
 میں ماتی لٹم مٹم لڑتے۔ اسی طرح ایک مرتبہ ہم دونوں نے ایک مشتاق نظم ہی جس میں
 آدھے شعر اقبال کے اور آدھے میر کے تھے یہ واقعہ مالدوئی ۱۹۱۹ء کا ہے۔ غمناک مصرعوں
 دور کے خدار اور ضمیر فردوس تھے۔ پوری نظم یہ تھی

ہمارے شاہ کا ہمسرہ نہ دارا ہے نہ خسرو ہے
 کہ اس کی ذات پر نازاں بساؤ گت و نوبے
 اور اس کی سلای کے لیے نواب جھکتے ہیں
 تو راجاؤں نے بھی چھدوائی اپنے کان کی تو ہے
 کئی مسلک کیے ہیں لازمی تعلیم نے پیدا
 احدث کا کوئی پتہ کوئی آما کا پتہ ہے
 عجب ہے لعل قسمت کا کہ پچھلی ایکشن کی
 بچائی شیخ بیچارے نے دل کو پڑی پر ہے
 نہیں ہے ہر اظہار دماغ لازم نمود اصلاً
 کہ بحر شعر میں پانی نہیں مطلق عمر وہ ہے

اقبال بطور دوست ایک سے مثال آدمی تھے۔ نئی دماغ ایسا ہوتا کہ "زمیندار" میں 'میں' سے
 شعر و زبان میں ان پر کچھ طیف چوٹیں کیسے نگرانیوں نے کبھی پرانہ دماغ بلکہ انامیری صوفیوں

حریف کی۔ یہی "اضیف چو نہیں" تھیں جن کا مطلب بعض لوگوں نے یہ نکالا کہ ہماری دوستی میں
 فرق آ رہا ہے یا اقبال مجھ سے اور میں اقبال سے سیدہ خاطر ہو گیا تھا۔ ایسا ابھی نہیں ہوا کیونکہ
 اقبال کا خوب بست مند تھا وہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہرگز رنجیدہ نہ ہوتے تھے اور نہ ان کا ہنہ
 ہنس تے تھے۔ اس کے برعکس وہ اپنے مخالفوں تک کی بات کو بڑی توجہ اور سکون سے سنتے
 تھے اور بہت سی مدح اور نچے تے اہل ز میں اس کا جواب دیتے تھے۔ اس کے علاوہ میں نے
 اقبال کے متعلق یہ گہم بھی سمجھا کہ اس کا مقصد ہرگز ان کی خدمت نہ تھا۔ اسے آپ ایک دوست کا
 تمام دشمنیت کر سکتے ہیں اور وہ بھی ایک مخلص دوست کا۔

(تقدیل ۲۱ / اپریل ۱۹۵۰ء)

علم الاقتصاد

(حضرت علامہ اقبال کی کتاب 'علم الاقتصاد' پر یہ تبصرہ مولانا ظفر علی خاں نے کتاب کے قلمی نام سے لکھا تھا۔ جعفر)

اب تک جو لوگ پروفیسر محمد اقبال صاحب کو بحیثیت ایک نازک خیال شاعر کے جانتے ہیں وہ اس اطلاع سے کہ وہ ناثر بھی ہیں کو متعجب ہوں مگر ان کی تازہ تصنیف کے مطالعہ سے کسی قدر مایوس ضرور ہوں گے اور یہ مایوسی ان کی تصنیف کے نقص کی وجہ سے نہیں بلکہ زیادہ تر اس کا الزام ان کی بند پایہ شاعری پر ہے اور اگر ہم اس خیال کو اپنے دماغ سے ہاں دیں تو ان کی یہ کوشش ہر طرح قابل تعریف اور ان کی یہ محنت ہر لحاظ سے قابل ثناء ہے۔ ہندوستان کو جیسے اس علم کی ضرورت ہے شاید ہی دیا کے کسی دوسرے ملک کو ہو کچھ تو اس سے کہ ایک حصہ ملک کا پہلے ہی سے زراعت تجارت اور مزدوری میں مصروف ہے اور پھر اس سے موجودہ تمدن روز بروز ان ضرورتوں کو بڑھا رہا ہے اور بغیر اس کے ترقی ناممکن ہے ایسے زمانہ میں اس قسم کی کتابیں لکھنا درحقیقت ملک پر احسان کرنا ہے۔

اس کتاب میں اس انصاف نے علم الاقتصاد پر اور اس کے طریقہ تحقیق پر بحث کی ہے بعد ازاں حصول دولت کے وسائل یعنی زمین محنت۔ سرمایہ اور تبادلہ دولت۔ تجارت ہیں۔ قوام زرفتنہ کی مابیت۔ لگان۔ سود۔ منافع۔ اجرت۔ مالگزاری۔ جدید ضروریات وغیرہ کا رتد مصداق کو لیا ہے۔

کتاب کے مفید ہونے میں شک نہیں اور خود ان مضامین سے جن پر بحث کی گئی ہے اس کی خوبی ظاہر ہے لیکن اس کا طرز تحریر اور طریق بحث کچھ اس قسم کا ہے کہ پڑھنے والے کو الجھن ہوتی ہے اور مضامین سمجھ میں مشکل سے آتے ہیں بعض الفاظ و اصطلاحات جو استعارے کے ہیں وہ طائرہ اجنبی اور غیر مانوس ہونے کے موزوں اور معنی خیز بھی ہیں مثلاً پیدائش دولت اور پیداوار دولت اور ان میں جو فرق بتایا گیا ہے اس سے محض جدت اور منت کی سرداری معلوم ہوتی ہے اور کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح محنت کی کارکردگی۔ دستکار معن مزدور نامیں

تجارت آزاد اشیاء (ان اشیاء کے معنوں میں جو قدرت مہیا کرتی ہے) وغیرہ۔ عبارت میں بھی ہر
بجا سقم اور دقیقیں موجود ہیں۔ مثلاً

”ایسی زمین کی نسبت یہ کہا جائے گا کہ وہ کنارہ زراعت پر ہے“

”قطع علم اس خوشی یا لذت کے جو اس سعی (محصول دوست) کی دھواں میں حاصل
ہو۔ قدرت مصالح یا ہیولی مہیا کرتی ہے۔“

”نہا“ کی طلب جس کے پانچ ہزار پیکڑا تھی اب شاید چھ ہزار پیکڑا ہو جائے گی“ اسی قسم
کے اور مستقام جدید نظریات ہیں ان اصولوں میں ہم نے صرف ان پر خط لکھنا دیا ہے۔ ہمیں
موت سے ”اقتصاد ہندی“ کے مسئلہ میں بھی اختلاف ہے جبکہ یہ علم خود واقعات کی بنا پر قائم
ہے اور واقعات ہی سے نتائج استنباط کیے جاتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اگر کسی ملک میں واقعات
کی صورت بدلی ہو تو ان اصولوں میں تغیر پیدا نہ کیا جائے خواہ وہ تغیر ماضی ہی کیوں نہ ہو ہمیں
اس سے بھی اختلاف ہے کہ یہ عقلی علم در فن میں تیسرے سے پیدا ہوتی ہے بلکہ اس کا
خیال ملک کے حالات اور واقعات پر غور کر کے پیدا ہوا ہے چنانچہ موغف خواہ اس امر کو تسلیم
نہیں کرتے ہیں ”اگرچہ یہ تسلیم کرنے میں ہمیں حذر میں کہ اس کے کلیہ اصولوں میں جدید واقعات
کے لحاظ سے یہ تغیر کرنا ممکن ہے جس سے ان کی وسعت زیادہ ہو جائے اور ان کو نئے نئے
واقعات پر حاوی کرے“ اور ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ ”اس کے نتائج مختلف ممالک کے
مختلف ہوتے ہیں۔ ان ہی امور نے فضل مجبان وطن کو اقتصاد ہندی لکھنے پر مجبور کیا ہے جن
مسائلوں و اس سے انہیں ہو وہی فضل رائے کے مرحوم کی تصانیف کا مطالعہ فرمائیں“

(دکن ریویو۔ فروری ۱۹۰۵ء)

هن لبس لکم و انتم لبس لهن

(رموز بے خودی کا ایک باب)

ایک لباس تو وہ ہے جسے خواجہ شیراز ایک زمانہ میں رہن خرابات کرنے چلے تھے۔ اس میں کبھی ٹیک ہوا، شراب و بھی ستا تھا، جس کی آلودگی پر کراہت کی تھی، مگر کبھی اس نے دہلی کے متحدہ ملی مدارس یا کراچی شاخ میں چڑھوں کے ایسے ست لگے تھے کہ سارا پتہ اس تھی تار تار ہو گیا تھا۔

مگر ایک لباس وہ ہے جس کی بہترین شکل "تن و عریانی" بتائی گئی ہے کہ یہ وہ لباس ہے کہ جس کا سیمیں اثنا سیدھا۔ غروب و اصطلاح میں صنف طیف و بھی "لباس" کہتے تھے اس کی تلمیح رکی لباس سے تو ظاہر ہی ہے "تن و عریانی" وہ لباس بھی چھ اسی بہ چہتا ہے اور فرزندانی سے عبادت بن زبیر کے واقعہ میں اس بنا پر صنف طیف و "لباس عریانی" سے تجربہ اس تھی۔

(۲)

تجربہ اسلام مسلمان توحید (ڈاکٹر قس) کے مشنوں سرار خودی کے دوسرے حصہ میں و تار زیر تالیف ہے، اس لباس الطیف و بھی ہیں سے موقی ماننے میں اور جنس ناز سے سے سے چکیانہ بحث و ہے جس کے دست دست اقتباسات بذراطل ظہر ہیں و حلقہ ہے۔

مگر کوئی اور حصہ اس سار م

از نیاز او دوبالا ناز مرا

عورت ہی تو ہے جس کی وجہ سے مردوں میں تحریک پیدا ہوتی ہے اور اس میں غرور کی شان آتی ہے، مرد ناز اس (۳) نیاز سے دوبالا ہو جاتا ہے)

بہار عریانی مردوں میں است

حسن دلجو عشق را پیراہن است

[مردوں کا بہار عریانی اگر کوئی ہے تو عورت ہی ہے۔ حسن و حسن و انجولی و عشق سے ہے]

حیران کا کام دیتی ہے۔}

آنکه نازد بر وجودش کائنات

ذکر اور قمریہ و ہائیت و سلوۃ

۔۔۔ میں نے علی اللہ حیہ وسلم نے جس کی ہستی پر کائنات و ناز نے عورت کا تذکرہ خوشبو اور نماز کے ساتھ کیا ہے۔

مسئلے کو راہِ حیات شمار

برو از حکمت قرآن

۱) جو مسلمان عورت کو لونڈی سمجھے وہ فلسفہ قرآن سے بے بہرہ

(7)

اسی مت (فرخ و فصاحت) کا فلسفہ ایک نہایت دقیق فلسفہ ہے جو روس میں

موت عندِ حرب" کے عنوان سے اگر شائع ہوا۔ تو اس کے ظامے جہاں بھی موسیو

شاید یہ رسالہ میں اسی موضوع پر مبسوط بحث رہ چکے ہیں۔ یہ ترغیب ہم نے "السويح" میں

پڑتے تھے۔ ہمارا نکتہ دس حکیم (اقبال) اس حقیقت پر یوں نظر ڈالتا ہے

نیک اگر جی اہومت رمت مت

زاكده او را پانويت نسبت مي

معنا ہے کہ اگر تمہیں پوچھو گئے تو عورت کی شان داری کو برکت پاؤ گے اس لیے کہ شان نبوت

کے ساتھ اس کو مناسبت ہے۔)

ہست کر فرہنگ تو معنی سے

حرف امت نکتہ ہا دارد ہے

شمارن قتل اور درجیں و دور رس و نکتہ شناس ہے تو خوب سمجھ لو کہ "امت" میں بڑے بڑے

تھے جس اور "موت" کا لفظ اسی سے نکلا ہے۔)

شفتت . او شفتت پیغمبرست

سیرت اقوام را صورت مگر است

اس د شفت میں شفت پنہمی کی شن ہے اور قوم کی میرت اس کی سورب گری سے بنتی

اراموت = ترقی

اور دہلی میں

(ہمارے ایوان قومیت کی تعمیر امومت یا شان مادری ہی سے جکتے ہوئی ہے۔ سی امومت کے نقطہ پیشانی میں ہماری تقدیر مضمر ہے۔)

از امومت تیز رفتار حیات

از امومت کشف اسرار حیات

زندگی کی رفتار امومت ہی سے تیز ہوتی ہے اور اسرار حیات کو مشفہ کرنے والی یہی امومت ہے۔

از امومت چچ و تاب جوئے ما

موج و گرداب و حباب جوئے ما

ہماری قومیت کی سرے جتنے چچ و خم ہیں اسی امومت سے ہیں۔ موج ہے تو یہی ہے گرداب ہے تو یہی ہے حباب ہے تو یہی ہے۔

(۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تویر و تکثیر نسل کو موجب مہابت فرمایا تھا۔ مریدانے سابق رئیس سمور (مسٹر روز ویٹ) بھی اسی نقش قدم پر ہے اور اس کی جانب سے اس عورتوں کے لیے بیش قرار اخراجات مقرر ہیں جن کے متعدد اور ہو۔ سموریہ فرانس بھی یہاں سے اس فکر میں ہے اور ب انگلستان بھی اس حیاں سے خاں نہیں رہا ہے۔ اقبوں سے بھی اس کو (کا علاج بنایا ہے کہ

آں رخ رستاق زادے جاہے

پست بالائے ستبرے بدگلے

(ان پڑھ نادان جالی نو دیہات میں پیدا ہوئی ہے جو قد کی چھوٹی جسم کی فر۔ اور سہیت و تجارت ہے۔)

ناتراشے پرورش نادادہ

کم نگاہے کم زبانے سادہ

(کنڈہ ناتراش غیر تربیت یافتہ بہت کم نگاہ اٹھانے والی بہت کم زبان بہت ہی سادہ مزاج

دل ز آلام امومت کردہ خوب

مرد ہشمتش حلقہ ہائے نیلگوں

(اور جس کا دل فرائض مادری کے درد و اہم میں خوب ہو رہا ہے۔ اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے ہیں۔)

ملت ار کیرد ز ہنوش بدست
 یک مسلمانے غیور و حق پرست
 تو مہر اس دین غوث سے ایک ہی غیرت مند حق پرست مسلمان بھی حاصل کرے۔
 ہستی ما محکم از الام او
 صبح ما عالم فردوز از شام او
 تو مہر دین قوی ہستی اس کے رنج و اہم سے استوار ہو جائے کہ صبح عام فردوز اس شام تاریک کا
 نتیجہ ہے۔

(۵)

یہ تصویرِ اقبالؔ نے پہنچی ہے "فتنی" کے بھی صدیوں پیش اس کے خط و خاں دکھائے
 تھے۔ میں اس کا ایک اور سرا رکھ بھی ہے اور وہ بد وقت کے مقابلہ میں حضارت ہے جس کے
 مضامین میں ایک تہ میں آپ لکھ رہے ہیں لیکن جس کی بدابت کاری کا نگارہ مدف اقبالؔ
 کے لئے ہے۔

اس تہی ہنوش نازک پیر
 خانہ پرورد نگاہش محشر
 (لیکن شہر کی وہ نازنین و نازک بدن عورت جس کے نور میں بچہ تو نہیں ہے مگر حق قیامت اسی کی
 وہی نا خانہ زاد ہے۔)

شوش چشم و فتنہ ز ترایش
 ار دیا تا شش ترایش
 وہ جس کی شوش چشم تراویں فتنہ تفریں ہے اور جس کی خلق اعلیٰ کو شرم چہ تکہ میں مٹی
 بند ہائے ملت بیضا کیست
 ناز چشمش عشوہ حل کردہ ریخت
 وہی بد شہیں اس سے تڑپیں اور یہ اس وقت سے نہیں جب سے کہ آنکھوں نے بارو
 سے اس کے شوش ہے۔

فکر او از تاب مغرب روشن است
 ظاہر زن باطن او نازن است
 اس سے دیا سے مغرب کی چمک دمک سے روشن ہیں۔ ظاہر میں تو وہ عورت ہے مگر باطن میں
 اس سے عورتوں کی مٹھی ہے۔

علم اور بار امومت بر نفاقت
بر سر شامش کے اختر نفاقت

[وہ صاحب علم نے مگر اس کا علم امومت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا حتیٰ کہ اس کے مطلع و نعت پر
ایک ستارہ بھی نہیں چمکتا۔]

ایں گل از بتان ما نارت ہے
داغش از دامن ملت شست ہے

[یہ گلاب کا چوں سہی مگر ایسا چوں نہارت بارغ میں نہ کھلے تو بہتر۔ قوم کے دامن سے اس سے
داغ کا دھل جانا ہی اچھا۔]

(ستارۂ صبح - ۸ اگست ۱۹۰۷ء)

مٹے ہوئے ہیں اس لیے کہ اس کی سبب نیازی کی پھیل اس کی کراں روشنی ہو چکی ہے۔

یہ شعر کا غرض یہ ہے 'لیکن محال ہے کہ ایک زبان دوسری زبان کی رعایت نہ کرے' اصل شاعر میں غلام رکھے جائیں گے شعر کا لطف دوسری ہی میں ہے اور یہی اس سے بڑی حیرت برہ اندوز طاقت ہو سکتے ہیں۔ دوسری جانتے ہیں۔

اب اقبال کا شعر ملاحظہ ہو فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں۔

سر کند بت اگرش طاقت گفتار بہند

نکد ہائے کہ ز ہندو پیراست اورا

اس میں تائید کا ایک نہایت ہی لطیف نکتہ مشعر ہے اور وہ جس کی زمین پر آفرینہ و نور ہوں، کہاں سے آسمان وحدت پر مجید و ریزہ ہے 'جن کا سر خدا سے قدوس لی ہے ہستی کی بارگاہ میں رہا ہو'۔ یہ وہ شخص کو مبداء الیاس سے چرایہ لکھ کر نیل ترین آواز بکھتے ہیں اس شعر کی راتوں کی آواز میں گئے ڈھکی اور سوسات کے صنم خانوں میں 'مہروان ہند سے سنگین ہوئیں'۔ اس سے سکوت کی جو مہر لگی ہوئی ہے اس کا غش ہزار ہا سال ہوئے 'عراق کے ایک ساحلی شہر کے بت اندہ میں بھی مرتسم تھا اور ترک کی صنعت تری نے اس کے ارتسام میں ان کہاں، صبر تھا۔ دین حنیف کا وہ وحید العصر موسس 'لقب مسلم کا وہ سب سے پہلا حقدار' ابراہیمؑ جس نے خدا تعالیٰ کی سوسو رحمتیں ہوں 'ایک ان صنم کدے میں گیا۔ اس سے پہلے انجم، آفتاب، آفتاب کی رعایت کا حامل اس سے سینے میں خدق اس دہا کا اور عام تر اچھا چکا تھا اب مسمر نام سے 'مہروان باطل کی ٹوٹتی سعادت کے اس فرزند، عظم و معیہ، حقیقی سے 'حق مطلق کا جس نے اپنے والی تھی اس نے ایک تیرے تمام جوں کا سر توڑ ڈالا اور صنم شکنی کی دیت کا یہ شرف حاصل کرنے کے بعد خبر کو سب سے بڑے بت کے گلے میں ڈال دیا۔ سب پجاری آئے اور انہوں نے اپنے دیوتاؤں کی یہ حالت دیکھی تو ابراہیمؑ سے غضب نام ہو کر یہ چہا کہ یہ یہاں تر ہے؟ ابراہیمؑ سے قریش منہ کے اس بچے میں جو 'حق' اور بلاعت کی جان ہوتا ہے وہ وہ سب کی نارت میں اس موقع سے زیادہ کامیابی کے ساتھ بھی نہیں برتا، یا 'جواب دیا کہ محمدؐ سب صلیف انہیں سے یا پوچھتے ہو اپنے اس سب سے بڑے خدا سے پوچھو! اگر اس میں حق ہے تو بتاؤ گا کہ بت شکن کون ہے؟

تماری کج گئی بیانی کو یہ توفیق کہاں مرحمت ہوئی ہے کہ ان حقائق حادیہ کا حق رمانہ کر سکے۔ موبہ تصویر قرآن حکیم نے کھینچی ہے ملاحظہ ہو۔

لرع اس الہنم مغال الا ناکمون مالکم لاتسطعون 'اصراع علیہم ضربا' بالیمبر

وَقَسُوْا لِبٰدِ بَزْمِهِمْ قَدَالَ اَتَمَدَلِسْ مَا تَسْحَنُوْنَ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ لِمَا تَعْمَلُوْنَ

ترجمہ: بچے اور بزم ان کے بتوں کے تنگھے میں جا داخل ہوئے اور ان سے کہنے گئے کہ تم اٹھو! یہاں سے چلے جاؤ اور تم کو یہاں سے لے کر جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ بتوں پر چل پڑے اور اپنے اپنے ہاتھ سے ان پر ضربیں لگائی شروع کیں۔ وہ اس کام میں مصروف ہی تھے کہ وہ ان پر دوڑ پڑے۔ براہیم نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ جن سنگین بعبتوں کو خود تمہارے ہاتھوں سے تراشا ہے ان کو یوں چھوٹے ہو۔ تمہارا پیدا کرنے والا اور تمہارے مہتممات کا پیدا کرنے والا تو اللہ ہے اس کی پرستش کیوں نہیں کرتے؟

بت: اگر طاقت شمار کی جاتی تو وہ جناب فیض اللہ کا ہم صنف ہو۔ یہی گلہ نزاری:۔
اقبال کا شعر ایک کوزہ ہے جس میں توحید کا یہ دریا بھر دیا گیا ہے۔ فافہم

ایک اور مطلع ہے جو عابدی شیخ علی حزیں کا ہے کہ

از بتارس نردم معبد عام است این جا

ہر برہمن بچہ پھمن و رام است این جا

سری رام چندرتی مہاراج اور سری پھمن تی مہاراج کے جس معنی کا زمانہ نہ گزر گیا۔
اس حسن، زواں اس جناب بے مثل کا اُمر عمارہ لڑتا ہو تو رامین کے بھالے ہرے اور ق
نہ تے دیکھیے۔ تن کل نہ دنیا میں اس حسن کی صرف شان صوری رہ گئی ہے اور حزیں نے
اس پر شعر کہا تھا تو صبح بتارس کی یہی تجلی اس کی بصارت میں جلوہ ریز ہوئی ہوگی۔

ہمارے شاعر نے زمین "خزین" کی اور اس کی حالت پر یہ (اپنی قسم) شاپ بھی
جڑے اس طرح گرایا۔

ہست این میکدہ و دعوت عام است این جا

قسمت بادہ پاندازہ جام است این جا

ہیں "کا مطلع لا جواب ہے لیکن "اقبال" نے بھی اپنے مطلع پر چو کم زور طبیعت صرف
نہیں کیا اور اس کا دوسرا مصرع تو بھڑکا دینے والا ہے۔

و شعر فرما کر ڈانڈ اقبال چپ ہو گئے۔ ہم نے کہا کیوں حضرت "اند زو جام" یا اسی قدر
تھا۔ ہنس کر فرماتے ہیں۔

ہم ہر ہفتہ ہفتوں پر ہفتے یہ
خوشی معنی دارد کہ در ہفتہ ہفتے یہ

ہم نے عرض کی کہ حضرت یہ اڑان گھائیوں کسی اور کو بتائیے ہا۔ ہمت یہ کہتے ہیں
نہیں چل سکتے آپ تو دریائے شعر ہیں۔ وہ موتی ہو آپ نے تہہ میں اس رکھے ہیں ہمتوں
مائی بھی تو دکھائیے۔ مثنوی اسرار خدائی کے دوسرے حصے کے صدور اشعار اور مثنوی کی طرح آپ
کے حافظہ کی ذبیحہ میں ہدیہ ہیں اس رات گوہریں کا اچھلتا جی تو کھوے دور و یک موتیوں کی
رخشانی و نعلانی کی بہار اور دکھائیے۔

سنئے گئے کہ بھی تم بڑے بے ذہب ہو میں اپنی دولت سینت سینت کر رکھتا ہوں مگر تم
اس پر چھپ مار رہی جاتے ہو اچھا تو تم بھی پیادہ روئے۔ قرآن حکیم کی صفت داتا میں
شعر عرض کیا ہیں۔ حافظہ ہوں

تندرہ اوتس وہ ہر تہ برنفاست سلطت اور زہرا کردوں شکافت
نکرتں سرمایہ آمال ما کبند اندر سینہ اطفال ما
یہ اشعار آمار من کر ہم جھوم جھوم گئے۔ قرآن مجید کی مشہور آیت ہے۔

انا عرصا لامانہ علی السموت والارض والحال فانس ان بحملہا واشعقہا وحملہ
الانسان اند کمال ظلوما جہولا۔ (الاحزاب - ۷۲)

اس آیت کی تفسیر میں ہمارے مفسرین نے اپنی ذات طبع کے گونا گوں ترشے دکھائے ہیں
لیکن جو نکتہ اقبس کی فکر قلب پیا کو سوچنا ہے وہ شاید کسی سے دہیں میں نہیں آیا۔

جناب باری کا ارشاد ہے کہ ہم نے بار مائت کو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کے
حوالے کیا لیکن آسمان اس کے ہستی فرما بوجھ کی تاب نہ لے سکا زمین اس کے بارگراں کی
مستعمل نہ ہو سکی۔ پہاڑ اس کے تحمل کے تصور سے لرز اٹھے۔ کسی کو بھی اس کے نجات کی
توفیق نہ ہوئی۔ سب نے متفق اللفظ ہو کر اس کی مثال سے انکار کر دیا آخر انسان ظلوم و جور
ہی نے حای بھری کہ میں اس بار کو ٹھاتا ہوں۔ شیراز کے سان اغیب نے اس آیت کی تفسیر
اپنی شور انگیز ادا میں یوں کی ہے

آسمان بار امانت نتوانست کشید

قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

موتنا جای نے بھی اپنی ادا کے خاص میں آہ کر کے انا عرصا لامانہ کی رنگین تفسیریں

کی ہے۔

پرتو صفت ننگنجد در زمین و آسمان

در حرم سینہ حیرانم کہ چوں جا کردہ ی

یہ دونوں اشعار رہتی دنیا تک ادب آگمان عجم کی زبان پر رہیں گے لیکن ہمارے اس توحید
کا خیال ہی نرا ہے "اقبال" نے اپنے شعر میں یہ نزائت پیدا کی ہے کہ اس تو در امانت سے
مراقبت مجید کی ہے اور حقیقت میں اس سے بڑھ کر صحیح اور لطیف مفہوم بار امانت کا اور بولی
میں ہو سکتا۔ یہ مفہوم دورے مفسرین اور مباحثی سمجھتا ہے۔ لیکن ایک باطل نئی بات نہ
قبول کرنے پیدائی ہے وہ یہ ہے کہ اس بار میں و نسبت میں بار امانت اور زمین اور چار
نہ نے گئے تھے، مسلمانوں میں سے چنے کی روایت ہے کہ اس سے ناس سے گئے ہیں
نہیں خانہ موروثی ہو سکتا ہے اور یہ اس ظلم و جبر کی تعریف ہے کہ یہی عساکر آتی ہے
لیکن پھر یہ دور فساد و فحشیت سے تھن ہو رہا ہے قرآن ایک ماحول و باغ اس سے سینے میں سما
نہ کا نہیں ایک چار باغ سال کے پکے کے اس و باغ میں آیت قرآنی کا اثر جانا شاعرانہ پہلو
سے اس بات کا ایک بداعت نواز ثبوت ہے کہ قرآن کا بار امانت انسان ظلم و جبر سے اٹھ
یہ اس لیے کہ اس کی شان ظلمی و جبر کی اور میں تصور عید غلویت کی ہے

پھر وہ بچہ جس کا سینہ اس امانت کا کھیت بن چکا ہے جب بڑا ہو گا تو بیا سے لیا ہو جائے گا
وہ ہے جو اس حقیقت سے اٹھ کر بر سکے کہ خداقت و نیابت الہی کی تمام نشانیں اس میں جمع ہو
سکتی ہیں اس کے پاؤں زمین کے بجائے آسمان پر ہوں گے اس کا سر عرش پر ہو گا۔ کلیہ یہ
ہے کہ آفتاب و آفتاب اس کی محفل جلال و جہاں کے مشعل بردار ہوں گے۔ ہوائیں اس کی نامہ
بریں کی اور ہر سر کی سقائی کرے گا۔ بلقیس اس کی بی بی ہو گی۔ جیسا کہ اس کی تصویر غلو و
احتشام ہو گا سکندر اس کا آئینہ دار بنے گا۔

یہ وہ امکانات ہیں جو قرآن نے ایک طفل مسلم کی چھپی ہوئی قابیلیتوں کے میں خاک کی
دست رکھے ہیں اور اقبال کے دونوں شعر اس حقیقت کبریٰ کے چہرہ کشا ہیں
آس مجید و فوکان حمید کا، مسلمان سے حق میں وہی اثر رہتا ہے۔ حدیثوں کا نغمہ
اشتر حیز کام کے لیے اور کراں محملوں کی سبک روی کا یہی طالع ہے۔

نوارا تلخ تر ی زن چو ذوق نغمہ کم دلی

حدی را تیز تر ی خواں چو محمل را کراں بی

اور علامہ اقبال کا عقائے فکر تو عینی سے بھی اونچا آشیانہ رہتا ہے اور غائب سے ہمراہ ہو

ر کہہ سکتے ہیں۔

ناڈ شو قم و جبریل حدی خوان من است

و شعر ہمیں سہا کر خود بخود وجد میں آگئے اور کہتے گئے کہ و اور بھی سنو عرب نے حال بد و نس اپبازی قوت نے حکیم بنا دیا۔ اس کی بادیہ نشینی کو بزم تمدن کی صدر نشینی سے بدایا۔ اس کی شترانی میں شان جمائانی پیدا کر دی اس کے پاؤں کی خاک کو اکسیر بنا کر، کھا دیا وہ یہی قرآن ہے۔

س جگر تاب بیابان کم آب	چشم او احمر ز سوز آفتاب
خوشتر از آہو دم جہازہ اش	گرم چوں آتش دم جہازہ اش
رخت خواب اکٹندہ در زیر نخل	بخدم بیدار از بانگ رحیل
دشت میر از بام و در نا آشنا	ہرزہ گرد و از حضر نا آشنا
تا دش از گری قرآن تمید	موج بے تابش چو گوہر آرمید
از جہاں بانی نواز ساز او	مسند ہم غشت پا انداز او
شہر با از گرد پایش رختد	صد چمن از یک گلش آگیتد

ان اشعار کو سن کر قلب و دماغ میں جن منوں انگیز لذتوں کا ہجوم ہوا وہ دیر تک اپنا اثر قائم رکھیں گی اور جب اس اثر کا سقا طونی نقش محو ہونے لگے گا تو ہم پھر علامہ اقبال سے عرض کریں گے کہ اب کچھ اور ارشاد ہو۔ یہ داستان رنگین ذرا طویل ہو گئی لیکن لذیذ بود حکایت دراز تر گفتہ

(ستارۃ صبح ۲۰ ستمبر ۱۹۷۷ء)

جواہر ریزے

زموزبے خودی کے بعض اشعار کی تفسیر

اقبال، شوق، نیا میں یوں تو اور بھی ہوں گے لیکن ہمیں اپنے انداز رفتاری پر غور ہے۔ علامہ اقبال کے ہمارے خیال پر یہ سوں ہم نے پھر چھایا مارا اور منھلی بھر رہے ہیں۔

مارے ایک بھالی مووی اسحاق علی صاحب صوفی نے ہمیں دیا "ظفر الملک" کے زیادہ پر شکوہ لقب کے ذریعہ سے جانتی ہے ہمیں اقوام جبرائیم پیشہ کار سردار بنایا ہے یہ خطاب بالکل بجا اور بر محل ہے۔ اپنی اس خصوصیت کی ہم اپنی شہرت اور بے دیتے ہیں جس میں ہمارا رنگ "مارے" ہوں سے الگ ہے کہ ہمارے ہم پیشہ دوست تو جو ماں لوٹتے ہیں اس کی سو بھی کسی ہمیں تھنے دیتے لیکن ہم ہیں کہ بوٹ ٹاں ٹانے پر اوجھڑ کھڑے بیٹھے ہیں اور جو موتی ہمیں سے ہاتھ آتے ہیں سر بازار سر پر نچھاور کرتے چلے جاتے ہیں جو ماں قیمت ہمیں علامہ اقبال کے نئے شاعری سے ہاتھ آتا ہے اس کی شس میں بھی "ستارہ صبح" کے ناظرین کہ ہم برابر کا سامان بنانا چاہتے ہیں۔ ہماری شان ایثار ملاحظہ ہو۔

مسلمانوں کا خدا ایک ہے، رسول ایک ہے، روایات ایک ہیں، پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ ستارہ توحید اپنی شان نوعی دست خصوص میں جو ہر فرقہ ہے۔ مسلمانوں کا خدا الہم بے لہم یوں ہے اور لہم لیکن نہ لہو احد ہے۔ نہ وہ کسی کے صلب سے پیدا ہوا نہ اس کے صلب سے کوئی پیدا ہوا۔ اس کا کسی کے ساتھ رشتہ ناٹ ہے۔ پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی قومیت کے پاؤں میں دلالت اور رشتہ داری کے ان علاقوں کی بیڑیاں پڑی ہوئی ہوں جن کے بغیر دوسری قومیں ڈھیر ازو بندھی نہیں سکتا۔ مسلمان مسلمان اس لیے نہیں کہ اس کا باپ خدا ہے اور ماں خدا ہے یا وہ عرب میں رہتا ہے یا چین کا باشندہ ہے بلکہ وہ اس لیے مسلمان ہے کہ توحید اس کا راہ ہے آسمان اس کا سوار ہے اور خاکات اس کی دیوار ہے۔ انہیں تھاق کا

درخشاں باب و م و اعظم شو
 بچہ صاحب زادہ اسلام شو
 عشق دہری از نسب بید زشت
 ہم از ایراں و عرب بید زشت
 مکتبہ در بندہ تعلیم و جد است
 سب نثر از مہمید م چہ است
 مہمید ہائے ہر باب تر
 غیت و برآمد ہمسر
 مکتبہ آتش واحد است و شریف
 مہمید اتی ہم در نازد شریف

تھان رسوں نے علی احمد حبیب و نسیم حضرت عہدائد ابن مسعود سے بھالی کا اتنا کیا کہ
 آپ وہ بھالی سے بے حد محبت تھی ہزاروں قوت سے دلت چاہنے پر اس پختہ پیش و پستی
 سے نکالے نکلے ہوئے۔ سینہ میں درد کا ایک آتشیں طوفان اٹھا جو زبان پر سرگرمیوں کا
 اس آتش کا زہر اب اس عہد اور فترات کی موجوں پر ٹپکتا تو ان پر تب خاں سے تب خاں سے
 ہو جاتے اس حامد مدد میں عہدائد ابن مسعود کا ایک نوادہ یہاں سے صرف و ارشاد سے
 رہن پائی تو بد توں سر، صارتی

جناب عہدائد ابن مسعود، ہر دور جاہلیت کا شیعہ کرتے تو بھالی کا میں رستہ وقت سے
 اس یہ بھالی وہ بھالی تھا جس کی شجاعت کی سارے عرب میں دھماکے بندھی ہوئی تھی یہ بھالی وہ
 بھالی تھا جس کا نیزہ بدش زار ہر درں نبرد آزمایاں صف شہس و ایک ہی وار میں چمید رہا
 اتنا تھا یہ بھالی وہ بھالی تھا جس کی سخاوت کا نام طالی سے بھی اس سے مرقد میں اس وقت، رہا
 دھوں رتی تھی۔ ان ناوں سے جناب عہدائد ابن مسعود انصاف عرب میں ایک تلامذہ پڑھتے
 تھے یمن میں جاہلیت کا چلی تھی اسلام آچکا تھا۔ اخوت و یکامت کے پرانے کسی رتے
 سب نوٹ کئے تھے۔ عہدائد ابن مسعود اور ان کے برادر مغفور کی یاد ان اعتبارات سے ہے
 چلی تھی عرت بریں کی سقف میں وہ یہ کہہ کر شکاف ڈالتے ہیں کہ اب میں عمارت میں
 میں جا رہا شریک ہوں کا تو میرا بھالی میرے پسو نہ کھڑا ہو گا اب رسوں سے برادر میں
 چاؤں گا تو اکیلا ہوں گا اور میرا بھالی میرے ساتھ نہ ہو گا۔

در اسلام کے دیکھے رخساروں اس مونچ گونٹوں کو علامہ اقبال نے ایجاز کے طبع کو

میں بند کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

عشق اور جان و نسب در پیکر است

رشتہ عشق از نسب محکم تر است

۔۔۔ ثانی نے بھی اس میں کو اپنے رنگ میں خوب ظاہر کیا ہے

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جانی

کہ میں راہ فداں ابن فلاں چیزے نیست

یعنی اقبال کی یہ دواز تخیل بند تر ہے۔ جانی نے محض ایک حقیقت بیان کر دی تھی کہ عشق

تر ہے، میں نے پوچھا کرتا اور نسب کی پابندیوں سے آزاد ہے اقبال نے اس حقیقت کا ثبوت بھی

یہ ہے اور بتا دیتا ہے کہ عشق کے روئے اس آرام کو مشاطہ نسب کی کیوں حاجت میں اور ثبوت

یہ ہے کہ نسب کا حلق تو صرف ڈھد خان سے ہے جو ہے اقبال محض ہے لیکن عشق

بندہ میں سے جو حقیقت اصلی ہے پھر اس کا رشتہ سب کے مقابلہ میں کیوں نہ استوار تر ہو؟

(ستارہ صبح ۳ اکتوبر ۱۹۱۷ء)

حواشی

۱۔ "تعارف" نامی ایک سہ ماہی کے نام سے "تعارف" نامی ایک سہ ماہی کے نام سے "تعارف" نامی ایک سہ ماہی کے نام سے

۲۔ "تعارف" نامی ایک سہ ماہی کے نام سے "تعارف" نامی ایک سہ ماہی کے نام سے "تعارف" نامی ایک سہ ماہی کے نام سے

۳۔ "تعارف" نامی ایک سہ ماہی کے نام سے "تعارف" نامی ایک سہ ماہی کے نام سے "تعارف" نامی ایک سہ ماہی کے نام سے

حدیث آرزو مندی

گزشتہ ایک شبہ کے روز حزقیل نواب ذوالفقار علی خان صاحب کی نیاز مند نواری میں شام کے وقت بطریق تفریح و تفریح مقبرہ جہانگیر میں لے گئی۔ علامہ اقبال بھی ساتھ تھے۔ سرد، شمشاد اور بہرہ و گل کی سار تو دہی ہے۔ وہ یہ چراغ فیروزہ کوں صدیوں پہلے لکھا پڑھا ہے۔ دریا روت کی فیاضانہ آثار پرستی کے صدقہ میں نگہداشت کی فضا شاید پہلے سے بھی زیادہ پر رونق ہے۔ لیکن اس غنبد کو دیکھ کر جس میں جہانگیر ابن اکبر محو آرام ہے، اس میں ہزاروں عہدت بدور حسرتوں کا ہجوم ہو گیا۔ علامہ اقبال نے اس وقت سوز و گداز سے بھج میں مولائے روم کی ایک غزل پڑھی جس کے یہ تین شعر ہمیں وجد میں لے آئے۔

دی شیخ با چراغ بھی گشت گرد شہر
کز دام و در مولم و انسانم آرزوست
زیر ہر بان ست عناصر دلم گرفت
شیخ خدا و رستم، ستام آرزوست
گشت گرد یافت کی نشو و نما ہم
گشت آنکہ یافت کی نشو و نما آرزوست

بعد مغرب ہم شادپرہ سے روٹ کر کچھ پہنچے تو یہی اشعار زبان جاری تھے ادب اردو۔
تقاضا یہ کہ ان صاحب مایہ پر اس کا بھی بچہ حق ہے طبیعت کو اس مطالبہ کے آگے سر تسلیم
تم کرنا پڑا۔ چند شعر بستر پر لیٹے ہی لیٹے موزوں ہو گئے، ہو حاضر ہیں۔

میری جاں پر چھائے جاتی ہے فنا کی آرزو
اور زباں پر ہے بقا کی آرزو
میں خبر نہں مبتدا کی ہوں کہاں مہم
میری آنکھوں کو ہے میرے نقش پا کی آرزو
ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں سلام کو لے کر چراغ
خاطر مسلم نما کو ہے خدا کی آرزو

صدق میں صدیق اکبرؑ سے الگ میری روش
 لیکن اس پر بھی صداقت کے لوا کی آرزو
 عدل میں فاروق اعظمؓ سے جدا میرا شعار
 لیکن اس پر بھی خلافت کی قبا کی آرزو
 شرم دیں میں ضد ہوں میں عثمانؓ کے آئین کی
 لیکن اس پر بھی اسی شان حیا کی آرزو
 دست و پا شکستگی پر بھی مرے دل میں رہی
 زور بازوئے علیؑ مرتضیٰ کی آرزو
 آنکھ ما زاغ ابھر کے سرمہ سے بیگانہ ہو
 حیف ہے پھر بھی ہو اس کو ماضی کی آرزو
 لیس لڑنسان الا ماسعی کو بھول کر
 آرزو میری بھی ہے کیسی بلا کی آرزو
 اے مسیحا کی نوید اے ابن آذر کی دعا
 بلکہ خود خلاق اکبر کی قضا کی آرزو
 اٹھ کہ ہے تیری دوا ہی تیری امت کا علاج
 ملت بیضا کو ہے تیری دعا کی آرزو
 جاگ جاگ اے خیمہ کے ماتے کہ تیری قوم کو
 ہے اسی منزل میں اپنے رہنما کی آرزو
 رات اندھیری کا رواں جنگل میں اور چپ ہے جرس
 قافلہ کو ہے تری بانگ درا کی آرزو

(ستارہ صبح - ۱۵ نومبر ۱۹۶۷ء)

طریقہ کا کلام اللہ

سرقہ میں ایک صوفی بزرگ ابو الیث گزرے ہیں جنہوں نے رباب طریقت کے ادوار سے یہ ایک قرآن تصنیف فرمایا تھا۔ جناب ابوالیث نے وہ تمام آیات ظالمہ و رنج فرمائی ہیں جو جناب باری نے عرش پر پہنچانے والی رات مہدون و ساطت جہیل میں اپنے رسوں مقبولہ اناری تھیں طریقت سے اس کلام اللہ کا ایک نسخہ لاہور کی اورینٹل لائبریری میں موجود ہے۔ علامہ اقبال نے اس پر تبصرہ کرنا شروع کیا تھا اور انگریزوں نے دل نشا تبصرہ شائع ہو جانا تو مسلمانوں کو معصوم ہو جاتا۔ یہ کئی و مدلی قرآن کی زبان اور سرقہ کی قرآن کی زبان میں کیسے کیسے ملے۔ فرق ہیں بین ہمدوستان بحر کے رباب طریقت نے اس زمانہ میں ”ستارہ صبح“ کی قلمی صوفی تخریق سے اور میرے خلاف جو طعن جمل کر رکھا تھا، غالباً اس کے شور و غوغا سے متاثر ہو کر علامہ مہدون نے اپنے تبصرہ کی اشاعت کا قصد متوی کر دیا۔ اشعار ذیل کا ثواب ہمدوستان سے حلقہ متصوفین کرام کی نذر کیا جاتا ہے :

کلام اللہ کی میں بھی تلاوت روز کرتا ہوں
 مگر اس کے مصنف ہیں ابوالیث سرقہ کی
 مری آنکھوں میں نقش مانی رہ ہزار پھرتا ہے
 مرا مسلک ہے ارشدی مرا شرب ہے پاشندی
 دکھ دو جلوہ کثرت کا مجھے وحدت کے پردے میں
 کہ شرع مستطیع کی ہو سکے مجھ سے بھی پابندی

(لاہور - ۱۲ نومبر ۱۹۷۷ء)

کارستان ص ۵۹

مدعیان تصوف سے دو ٹوک فیصلہ

(خواجہ حسن نظامی کا مطبوعہ گشتی خط بھیغہ راز)

تصوف کی مشہور مثنوی 'مستند اندھ' میں مولانا عبدالرحمن جامی قدس سرہ نے ایک تشبیہی حکایت عظم کی ہے۔۔۔ یہ اور اس قسم کی دوسری صوفیانہ حرکتیں ہیں جن کی مخالفت پر ہمارا اسلام ہمہ و مجبور کرتا ہے اور نہ وہ روحانیت جسے اسلام 'احسان' کہتا ہے اور علم اہل عام نے اس کو تصوف سمجھ رہا ہے کوئی مسکن اس کا مخالف نہیں ہو سکتا۔ میں ہمہ نام نہاد صوفیوں کو یہ بھی 'اس' ہے اور اس پر بھی ہمارے خلاف ایک عام تحریک پیدا کی جا رہی ہے جس کا انکشاف اہل مد خط سے ہوا ہے کہ ابھی ابھی لکھنؤ محکمہ سے آیا ہے۔۔۔ "باوجود ان تحریرات کے جو ہمارے خلاف اور ہمارے معزز دوست علامہ اقبال کے فضائل کی تہنیتیں میں 'خطیب' اور 'شمس' اور 'ذکیل' میں مختلف پیرایوں اور مختلف طریقوں سے شائع کرائی جا رہی ہیں ہم حساب خواجہ حسن نظامی اور ان کے گرامی قدر یاران طریقت کے باب میں اس سو سخن کو گناہ سمجھتے ہیں کہ وہ مد یہ اختلاف رائے کے علاوہ کوئی ایسا باطنی سار و باز ہمارے خلاف لیں گے جو صرف تہنیتی طبیعت والے بزرگواروں ہی کا حصہ ہو سکتی ہے۔ جناب خواجہ صاحب خدا کے فضل سے ہاتھ میں ایک ٹکڑی قلم اور اس قلم میں ہمارے قریب قدرت رکھتے ہیں جو کچھ ہم نے لکھا ہے جو کچھ ہم نے رٹا ہے یہ جو کچھ ہم بشریہ زندگی لکھیں گے اس کا اطلال یا تجویہ بہت ہی آسان ہے اور اس میں باطل کی تمیز یا خطا کا ثبوت ہو پھر کیوں ہمیں حساب خواجہ صاحب و شرفاء سے آبر نہیں ہماری مظلومہ دلداروں اور مدرداریوں پر ٹوکتے ہیں اور کیوں ہمیں علی روس و شہا نہیں ہدایت اور رشد کے صراط مستقیم پر ڈالتے ہیں ہم ان سخن پروردوں میں سے نہیں ہیں جنہیں اپنی مطلق غرضوں پر مہربانہ اصرار ہو۔ ہم صاف کہتے ہیں اور خدا کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں کہ کسی دلیل معقول کسی حجت موجد سے ہمیں قائل روٹیجئے ہم آسا و صدقا کہنے کے لیے تیار ہیں۔ اس کے علاوہ اگر منطق ایسی ہی سنگ راہ ہو اور استقامت اور یہ مقصد براری نہ ہوئے تو پھر ہم اس دوسرے طریقہ انہما و تفہیم کے آگے بھی خطیب خاطر سر تسلیم جھکانے کے

لیے آمادہ ہیں جو حضرات المل باطن کا صد ہا سال سے یہ ناز چلاتا ہے یعنی ہم آپ حضرات کو ملائے عام دیتے ہیں کہ اپنی قوت جاذبہ روحانیہ کی ایک توجہ سے اس میل، اس خست اس شرارت کو جو ہمارے قلب حزیں سے منسوب کی جا رہی ہے، پاک کر دیجئے تاکہ جس طرح ہم شریعت کے نام پر مئے ہوئے ہیں، اسی طرح طریقت پر بھی شمار ہو جائیں اور آپ کا اور آپ کے سنت المشائخ کا راگ گانے لگیں۔

جناب خواجہ حسن نظامی اور دوسرے بررگان تصوف یقین مانیں کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں، اس کو اردوئے ایمان اسلام کے مطابق سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو اس آرزو کے حوالہ دیتے ہیں کہ لے لے از برائے خدا و از برائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم آمادہ پاتے ہیں کہ کرنا اور اتنا حق کے خلاف ہوں اور حق کی بے حرمتی کرنے والے ہوں، تو ہمارے کاہنہ خاکی سے عیت حق کی برتق حافظ کا ایک ہی شرارہ اس خاکداں کو پاک کر دے۔

جناب خواجہ حسن نظامی نے ہر ہولی نس موسیو بشر الدین محمد کو دعوت مبارکہ دی تھی اور حق و باطل کے جھگڑے کو ایک ہی گنبد کی دعا میں چکا دینے پر تیار ہیں اگر اس عشتی مطبوعہ چٹھی کا مضمون صحیح سے جسے ہم نے تمام و کمال نقل کیا ہے، تو ظاہر ہے کہ جناب خواجہ صاحب ہم کو بھی ان لوگوں میں داخل سمجھتے ہیں، جسوں نے دنیائے سلام میں اشاعت باطل کو اپنا شعار قرار دے رکھا ہے۔ ہم جناب خواجہ صاحب سے عنایت التجا کرتے ہیں کہ خفیہ چٹھیاں شائع کرنے کے بجائے اور اپنے آپ کو اور اپنے دوستوں کو اس فتنہ کا سردبانے کی تکلیف دینے کے بجائے، جس کا سرپرست ہمیں اور ہمارے احباب کو قرار دیا جا رہا ہے، ایک بد دعا ہمارے حق میں بھی تصنیف فرما دیں خواہ ملت المشائخ میں بیٹھ کر، خواہ خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار فائض الانوار کی چھار دیواری میں رونق افروز ہو کر۔ اس پر آمین، کہنے کے لیے ہم بھی تیار ہیں اس لیے کہ ہمیں بھی اپنے خدا پر بھروسہ ہے۔

واعتزلکم فما تدعون من دین اللہ وادعوا ربی عسی الا اكون بدعاء ربی شقیبا (میں تم سے اور ان سب سے، جسیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو، کنارہ کش ہوتا ہوں۔ میں اپنے پروردگار سے دعا کروں گا۔ امید ہے کہ اپنے پروردگار سے دعا کر کے میں محروم نہ ہوں گا) (مریم - ۳۸)

(ستارہ صبح، ۱۳ - دسمبر ۱۹۱۷ء)

نوٹ: (مضمون کے آغاز کا حصہ درج اخبار کے دریدہ ہونے کی وجہ سے نامکمل ہے۔ جعفر)

فکات

نادان دوست

نقاش کے قلم سے

طلیہ دمنہ میں ایک سدھائے ہوئے بندر گا، آتا ہے جسے اگلے زمانہ میں راجہ کشمیر نے
ایک شستہ ٹاپساں بنا رکھا تھا۔ رات پھر یہ بندر ہاتھ میں نگلی تلوار سے راجہ کی
کمٹ سے سر ہٹے پہرا دیتا رہتا تھا، اس شمشیر بکٹ ٹکسان کی موندی میں کسی کی بجائے تھی
نہ نکل سراسر داخل ہو سکتا۔ ایک رات ایک دی چور نے محل میں سیندھ لگالی لیکن شک
سے وہاں سے شمع فانوری کی روشنی میں یہ دیکھتے ہی ٹھٹھک کر روٹیا کہ سوتے ہوئے راجہ کی تاب
میں بیٹھی ہوئی ہے۔ بندر سے اڑانا چاہتا ہے مگر وہ اڑتی ہے اور پھر ٹاک کے بانسے پہ
ٹپکتی ہے۔ بندر رات ٹھٹھک کر تھک رہا تھا ہے اور چاہتا ہے کہ ایک ہی تھکے ہوئے ہاتھ
میں وہی سے دیکھ لے۔ تھک رہا تھا چلی گئی اور وہ دی تاب پہ بھی چاہتی تھی۔ چور
سے ایک دست میں بندر کو چھو پھا، اور تلوار اس کی منہ کی سے پھینکی۔ اس شمشیر میں راجہ کی
تھک رہی تھی اور وہ اسے کل واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ایک نادان
رات کی دوستی سے اسے اسے ایک دانا دشمن کی بروقت مداخلت نے بچا یا۔

ایک نئی ٹاپساں دوستوں سے تیار کیے مار شامہ اقبال دیا ہے۔
میں نے دیکھا ہے۔

ایک جگہ ہے جس سے ساتھ رست پاسوں عقل
سین بھی بھی اے تہا بھی پھوڑ دے

میں نے اس سے کہیں مجھ سے مستحق کی طرح تیری کسی کے ہیں تو کل کسی کے اور نہ
کسی سے ہوئے ہیں اور نہ کسی کے ہوں گے اپنی خوشے مجبور ہو کر کسی بات پر سراپال سے ہوں

جسے اور انتقام کی شکل یہ ہالی کہ اس شعر، سائے رکھ کر ایک مقدمی معذور سے ایک باروں
 ہوا اور "مسلم آؤٹ لٹ" میں چھاپا گیا۔ کارنوں یہ ہے ہر اقلانوں نصیحت و تہذیب، تہذیب
 کا ایک ہر قلموں مرقع ہے نہ دیکھتے ہی اس نظر سے بیٹ میں مارے کسی سے مل رہا ہوتا ہے
 مسٹر اجس نے تو جس مقصد سے یہ کارنوں چھاپا تھا وہ ظاہر ہے اس کے لیے کہ "قلم" میں
 رہی ہے کہ "انقلاب" نے جو ازراہ غایت عقیدت ہر اقلانوں، اپنا سیاسی پروگرام
 ادبی قبلہ رکھ کر ظاہر کیا کرتے ہیں، "مسلم آؤٹ لٹ" کا اگلا ہوا شعر بالکل غلط ہے،
 نومبر کے "انقلاب" میں اس کو اس فقرے سے چھاپا گیا کہ "اقبال و ملت میں ایک تھیہ"۔
 قلم فرما رہے ہیں۔ عجب نہیں کہ بالکل اقلانوں نے خطاب کیا ہے۔ چاہیے اور اپنی زبان
 و حول اس کے ہاتھوں پٹا سن کر رہی ہے اور کہا ہو کہ خدا مجھے ایسے دوستوں سے پہلے

(زمیندار ۶- نومبر ۱۹۴۸ء)

فکاہات سائنس کمیشن اور اقبال

(از نقاش)

سرماں سائنس کے مارچ ۱۹۲۸ء میں جب پہلی مرتبہ اپنے ”تقدم سمت لزوم“ سے فکاہ
روہ کے روہ کو میں ہمدوت کا ایک ایک آفتاب جہاں تاب بٹاتا چاہتا تو اس شہ عدار کے
سب بہن اری سے ٹھہرتی ہوئی دولت کو ٹھکرائے کا فیصلہ کر لیا اور ارراہ غایت شوخ چٹھی یہ
معاہدہ کیا کہ جس دن یہ بہن بدستے صحن ہمارے ٹھہر کی دلیہ پر قدم رکھیں گے ہم سیاہ ماتی
مٹندیاں ہند کیے ہوئے اس سے چار کر کہ دیں گے کہ منہ کا لکھتے ہوئے ٹھنڈے ٹھنڈے اپنے ٹھہ
کو واپس تشریف لے جائے۔

”پیام مشرق“ کے شہر آفاق مصنف حضرت علامہ اقبال اور اس کے حبیب لیب مر محمد جمع
ی رات مبارک میں اہل اسور کا یہ نامطبوع رویہ نہ صرف مشرقی مسلمان نوازی کی شاندار
روایات کے لیے باعث مسخرہ قرار تھیں تھا بلکہ ملک بھڑ کے اغراض و مقاصد کے ساتھ بھی جو
جہانی ملکیت ہی کے تنغوش ماطفت میں پرورش پا کر یہاں جڑھ سکتے ہیں، علی ہوئی غداری
سے نہ تھا۔ اسی لیے حضرت علامہ اور دوسرے دیدہ ویران ملت سے ایک ہنگامہ خیز اشتہار
رات رات شہر کی دیواروں پہ چپکوا دیا جس میں مسلمانوں کو سگاہ کیا گیا تھا کہ کفار ہنوں کے ساتھ
اس اپنی عاقبت خراب نہ ہیں اور سب سائنس کے درود مسعو پر مقاطعہ اور نغمات کا نام بھی
۔ میں درنہ ان کی ہستی یقیناً اسی طرح تنج سرد روزگار میں اب بر لقا ہو جائے گی جس طرح
باللہ دنیا مٹ کر کم نام و بے نشان ہو چکے ہیں۔

یہ حکیمانہ ارشادات اب زر سے لکھے جانے کے قابل تھے لیکن افسوس کہ مجلس خلافت

جواب کے سبب ارٹان پر ان کا خاک اتر نہ ہوا اور انہوں نے سامکن صاحب کے مقابلہ میں تیاروں میں اس رات ایک لڑکے اسلام کے شرف و مجد کا بیڑا غرق کرنے میں کوئی وقت نہ خرچ کیا۔ یہاں کی تباہی میں جو دہریہ کسی کسر تھی وہ مولانا محمد علی سے دہلی سے تشریف لائے اور موپتی اور انڈس کے بھرتے میں جہاں ہزار ہا شہید و مسلمان شہید تھے ایک ایسی کشتی بنائی جس کا مسکن بھی تنگ و تنگ روڈ اور پٹنہ روڈ کے اطراف و جواب سے اٹھتا ہوا نظر آتا ہے۔

صدر اقبال اور شیخ نے بیٹھے ہوئے مسلمانوں کو راہ راست پر لانے کے لیے شہر کے فلسفہ و شرع کے ذریعہ فرمائی تھی کہ ہندوستان کے بازاروں و دکانوں میں آئے اسی وقت پڑا ہے جس سبب بولی بڑھائی مروجہ اور اس کا سوگ منانا مقصود ہو گا ہر جگہ کہ اس وقت کی تہل میں سے جنار و کدھ نہیں آیا جا رہا ہے ہن ہن کرنا باطل ہے معنی ہے مولانا محمد علی سے اس حکمت مشرق کا تہذیب و چارہ اپنی پختہ قرینہ سے جس خوبصورتی کے ساتھ ہمیں وہ ہمیں دیکھتا تھا۔ شیخ نے اس کے سامنے مسلمانوں کو اقبال مرید اس کے ماتر میں رہنے کا میں بند دو۔ شیخ شیخ مرید اس سے غم میں سیاہ چھندیں بند مروجہ دو لشکر علی خان مر کیا اس کے سوک میں بازاروں کے اندر خاک ڈالو۔

سامکن صاحب نے مارچ کو، ہور سے اور، ہور واپس لے کر جو گت بتائی وہ صدر اقبال اور ان کے رفقاء نامدار کو انہی طرح یاد ہو گئی۔ چھ مہینے کے بعد انہوں نے پھر اسی شہر میں قدم رنجہ فرمایا اور اس مرتبہ ان کی جو خاطر تواضع کی گئی اس کا، غ بھی وفا بیتا لڑی کے سینہ پر شمس بازہ کی طرح چمک رہا ہے لیکن اس چھ مہینے کی مدت میں بڑے بڑے انقلاب رونما ہو چکے تھے۔ مولانا محمد علی کی قائم مقامی کا شرف اس بعد اس کے برابر کسر مولانا شہدائت علی جمیع کتابت حاصل ہو اور زمانہ کی خیرگی کے قرباں بنائے کہ تھوڑے بھائی نے، ہور سے اس کو رشتہ کے سہارے نھرتے ہو کر مسلمانوں کو دعوت سینہ کو بی دی تھی بڑے بھائی نے اسی کی چار دیواری میں شب باش ہو کر اور قورمہ پلاؤ اڑا کر موت میں سے زندگی پیدا کرنے کی راہ لی۔ ملاحظہ ہو:

”گزشتہ نوس مولانا شوکت علی نے ڈاکٹر سراقب سے، ہور میں تہذیب خیالات کیا چند مدت کی گفتگو میں معاملات صاف ہو گئے۔ آئندہ دونوں متفقہ طور پر جدوجہد کر کے مسلمانوں کو بی

قوت کے ساتھ اسلام اور ملت کی خدمت کے لیے آمادہ کریں گے۔" (خافیت)

موت اور زندگی کے اس خدو کی بوجھ میں پر حیران ہو کر امرتسری محاصرہ "شیر" ملکیت
 کے ساتھ شہریت ملی اور سر اقبال کا اشتراک عمل میں ہے کہ وہ ایک تیز رفتار سپاہی
 سر اقبال ساریت آہستہ رو مدبر۔ اور اگر یہ ممکن بھی ہو تو امید نہیں کہ وہ ہنگامہ دار
 سیاست و گرم دیکھ کر ڈاکٹر سر اقبال کے ساتھ دلہستہ رو سکیں یونہی دونوں کے سیاسی عقائد میں
 حد مشترک ہے مولانا مخلص ہیں۔ خدا بار ہیں ملک و قوم کے درد مند ہیں۔ (یعنی ڈاکٹر اقبال
 میں۔ جو میں نے نہ خدا ڈاکٹر کے نہ ملک و قوم کی درد مندی ہے۔ یہ "شیر" کا مطلب یہی تو
 ہیں۔) لیکن ان کا تکیہ طبع دیکھ کر مجبوراً کہتا پڑتا ہے کہ

حسینوں کی باتوں کا کیا اعتبار
 طبیعت ادھر کی ادھر ہو جاتی

تیسرے موصوے کو آخر روزنامہ "خافیت" کے اختتامیہ مستندہ ۲۰ دسمبر کے مضمون کا شرف
 حاصل ہوا ہوتا تو اس کی مشکلات ست پہلوئیں ہوتی ہوتیں۔ مولانا شہادت ملی کے جارحانہ
 قہر، علامہ اقبال کی شہزادہ پشپتی کے ارمیان ملیختہ راہ و رسم کی شکل یوں تجویز دینی
 ہے۔ مسلمان مسلمان بہر حال آپس میں بہت قریب ہیں۔ بہت ہمدرد اور مسلمان کے ہر کسی
 اور غیر مسلم قوم کے مقابلے میں یہ اپنی نسبت اختلاف آپس میں کم کر سکتے ہیں۔ انشا پسند
 مسلمانوں کے ہندوؤں کی دوستی میں مسلمانوں کے حنازوں کو بھی کندھا دے دیا اور جامع مسجد
 ملی میں ایک تبلیغی مسودہ و حشیہ تھا۔ یہاں اس حربہ غیر ضروری سے باز آئے اور ہندوؤں پر
 ہمارے ظہور و قہر اور رائے اتر سکتے ہیں۔ اس طرف وہ وہ دار مسلمان جو آستانہ ظہور
 ناکہ کے رُخ سے عاجز ہو چکے ہیں رہے ہو کر خودداری اور عزت میں نہت بھی پہلے
 سکتے ہیں۔"

میں ہوں و عرض ہند میں کسی ایسے نام، اہل مسلمان کا ہم میں جس نے ہندوؤں کو خوش
 کرنے کے لیے مسلمانوں کے حنازوں کو بھی کندھا دے دیا ہو اور نہ کسی ایسے اہل ہندو کی ہمیں
 حربہ جس کے نزدیک کسی مسلمان کا اپنے ہی کسی ہم مذہب کے حنازہ کو کندھا نہ دینا ہندوؤں
 کی اپنی مذہبی یا سیاسی خدمت ہو سکتی ہے۔ بہت ایک مسلمان و ہم پائے ہیں جس نے باں لگنا

دھرم تلک - پنجابی کی اارتھی کو کندھا بھی دیا تھا اور ماتھے پر تلک بھی لگایا تھا اور یہ بزرگ حضرت بابائے خدشت ہیں۔ "خدشت" ہے افتخاریہ نویس کا روئے سخن دراصل حضرت ممدوح کی طرف تھا۔ یلین یہ "غیر ضروری حرکت" اصل واقعہ پر پردہ ڈالنے کے ہے ان "انتہا پسند مسلمانوں" پر۔ پیپس ای آئی جن کا میں وجود نہیں۔ اس صورت حال میں سواں صرف یہ رہ جاتا ہے کہ اگر حضرت بابائے خدشت پٹی انتہا پسندی کے مقام رفیع سے "درا پیچے اتر سکتے ہیں" یعنی "کابرا ہنودی اترتیوں کو کندھا دینے اور نہیں بہ قشتہ لگانے کی "حرکات غیر ضروری" سے باز رہ سکتے ہیں تو کیا حال یہ میانہ روی ملامہ مراقبہ پر بھی "جوستان حکومت پر ناک رکڑت رکڑت" حاضر ہو چکے ہیں 'درا بلند ہو لہ خود ابر کی اور عزت نفس کی لدت' چٹکنے پر آمادہ کر سکے گی۔ دیدہ بابر۔

(زمیندار ۴ - دسمبر ۱۹۲۸ء)

فکات اقبال اور ٹیگور

اشاعت پر دوز میں ہم نے ایک شذرہ کے ذریعہ سے کبہہ ایران کی توجہ اس طرف
میں اس کی کوشش کی تھی کہ جہاں آپ نے ایشیا کے ستار شاعر سر بندر ناتھ ٹیگور کی
حیات و ادبی فکر اسلام کی روایات معارف پروری و خلعت واری کا احیا کیا ہے وہاں اسلام
کے ان جلیل القدر شاعر کو ٹھکانہ زنہ فرمایئے جو اقبال کے نام سے مشہور ہے۔ یہ وہ ایسی
قدیمات اور انی صاف کوئی کے جرم میں معصوب کے ردیف معصوب و معصوب سہی، یلین مشرق
ور ٹیگور رہتی ہیں۔ تمہیں اس کے احسانات سے بے گسار نہیں ہو سکتے۔ اور ایران کے اس سے
معاہدہ محکمہ کا مطالبہ کیا تو ہمیں مدیترہ ہے کہ، دنیا شمسٹہ پلاں کی مانع غری کے متعلق
وہی انہیں رائے قائم نہیں کرے گی۔

ان شذرہ میں وہی کی بات نہ تھی اس سے غمراہیہ سے قیادہ ترقی کا سوں پیدا ہو
سکتی ہے۔ یہ میں جاتی کے حقوق و معارف کے تحفظ کا سرگزشتہ یلین قرہاں جاسے
نواب کے مرشد "نہی" کی قیمت و قیمت کے کہ اب اس کا کھربا وسیع ہو رہا ہے کہ کسی
مردان سلطنت کی طرف سے سلام کے کسی عظیم المرتبت فرزند کی قدر و قدر کے اداں کا تصور
حکمی کے (د) "نہی" طبع ہازر میں اب رہتا ہے اور ایران و حتیٰ اپنی آمد تک، تاریخی
کاہن کا تصور سے ہوئے وہاں ایک سلامی شاعر کا مغلطہ مل ہوئے کے تخیل سے ایسے ہم اس
مشتہدات ہیں تو کیا یہ بھی انہی معدنی حقوق کے مطہرہ کا شہساز ہے اور خدا انخواست "نہی"
اس کے "زمیندار" کا مشورہ قبول کیا تو جاتی کے مانعہ دہوں کی و حمایت اس کے
حمایت عالیہ سے "نہی" کی اداں کی واتی کا کھربا ایک درجہ عالی سے محروم ہو جائے
اور قرہاں کے اداں سے یہ سے متعارف ہونے کے بعد اس کا منہ اس شمسٹہ و آئندہ ٹیگور

نامہ پڑھانے والوں کے ہے "عزت جیائی" کے ساتھ بہم نہ پہنچائے گا

رشا ہوتا ہے

'رشیہ' نے ایک شذرہ سیرد قلم کیا ہے جس میں شہنشاہ ایران - رشا شاہ پہلوی - ۱۰
عمری کا زام گایا گیا کہ "جب اشعرا" ہائے نیورن - ۱۰۰ میں 'قدر اذانی' کی 'پس
ڈاکٹر اقبال کو جو فرزند توحید ہیں 'فراسوش کر دیا۔"

ہم نے نیور و ایشیا ڈبک ممتاز شاعر لکھنا تھا 'مر ملاپ' کے لغات عنایت میں ہوتا ہے
'معی' ہاں سے ہوں تو یہ اور بات ہے 'لیکن ہمارے نزدیک شعر و غزل کا معیار عمر و ہمارے
ہوتا تو ہم اس عقیدہ قائم نہ ہوتے کہ مسز سروجانی نایڈ، منہار بھن میں آپ سے "جب اشعرا"
تے مت کے ملنے میں

"ملاپ" کے 'معی' کو کون بتائے کہ آج آپ جس کے کفر پر فخر کر رہے ہیں اس کا آپ
ہاں ہاں کا حادہ اور تصوف اسلامی کا عام قبح تھا اور نیور کو اس کی تربیت اور اصلاحی
سے مطابقت "ایشیا کا ممتاز شاعر" بنایا ہے۔ اور نیور ہی پر موقوف ہیں "تج بہد" سناں شر
جتنے ممتاز ارہاب علم نظر کر رہے ہیں وہ کسی نہ کسی واسطے سے اسامہ کے مصدر علم مع حوت
سے فیض یاب ہوئے ہیں۔ باقی رہا ہاں پرانے اور اعزازی ڈگریوں کا سواں نظام ہے۔ یہ سب
داری کے اس منحوس دور میں عز و وقار' وہی شخص حاصل کر سکتا ہے جو اپنی شخصیت سے
یہ میلندہ کے لیے خزانہ قاروں رکھتا ہو اور اقبال غریب اس قوم کا فرد ہے جس کی ہمت و
ثروت پر "ملاپ" کے بھائی بندوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔

چر نیگور نے مقابہ میں جس کی تعلیمات ہتوں 'ملاپ' 'ترم' یہ عملی اور قبل از وقت
ہیں 'شمشیر' بیاں قبل و پس کا ہر ہر مصرعہ استعار کی رک جانے کے سبب زہر ہائے شر و
نیشیت رہتا ہے 'نومل' برابر کا علم ہی اسے سکھانے کی عقل میں تھی مولیٰ ہی بات تھی۔
تک کہ ہاں پرانے کے مستحقین کا انتخاب کرنے والے سر جان کسی سے شخص کو اس کا اس میں
قرار دے سکتے ہیں ان کے ہاں کی جزیں کھو بھلی لڑنے میں مصروف ہو 'خواہ وہ شخص جاب
خود افلاطون دہر و ستراط عصر کیوں نہ ہو۔

(زمیندار - ۲۸ / جون ۱۹۳۲ء)

نوٹ: مولانا ظفر علی خاں کے نکاحی ناموں پر ان کا اصل یا قلمی نام (عائش) نہیں جاتا تھا۔ مندرجہ

۱۔ تحریر اخبار، میندار میں فکارت کے نام میں شائع ہوئی تھی لیکن اس پر بطور کام شمار کسی نام درج نہیں ہے۔ اسلوب تحریر کے حوالے سے یہ کالم شمارشات ظفر علی خاں سے بہت قریب معلوم ہوتا ہے اس لیے قیاساً اسے مولانا ظفر علی خاں ہی کے رشتہات قلم میں شمار کیا جاتا ہے (مفتخر)

عین نے تھا بلکہ اس مردود ازل کی قائم مقام ہوا تھی پھر اے رب کعبہ تو ہی بتا کہ ہم تیرے کلام کو سچ سمجھیں یا غلام احمد قادیانی کے فرمودہ کو۔

جناب مرزا کے قادیانی کی امت بڑے فخر سے کہا کرتی ہے کہ ہمارے نبی نے قرآن کی جو تفسیر کی ہے وہ ظہری اور رازی کے فرشتے خاں کو بھی نہ سوجھی ہوگی لیکن جناب کی وسعت نظر ملاحظہ ہو کر حضرت خواجہ عیسا اسلام کو اپنی عادت کے مطابق نمایاں دیتے وقت کلام مجید کی اس آیت کو آپ نے نظری فرما دیا کہ۔

مَنْ تَقَىٰ دَمًا مِنْ رِيَّةِ كِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهُ هُوَ اَتَّوَابٌ رَحِيمٌ۔ (البقرہ - ۳۷)

میں آدم نے اپنے پروردگار سے ایک دعا سیکھی جو مقبول ہوئی اس لیے کہ پروردگار عالم توبہ کا قبول کرنے والا اور اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔

وہ دعا بھی ملاحظہ ہو :

رَبِّنا ظَنَّمَا اَعْمٰنًا فَاِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اعراف - ۲۳)

ہمارے پروردگار۔ ہم نے (یعنی آدم و حوا دونوں نے) اپنی جانوں پہ ظلم کیا پس اگر تو ہمیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم ٹوٹے میں رہیں گے۔

یہ دعا جب قبول ہو چکی 'جیسا کہ خود خداوند عالم و عالیاں ارشاد فرماتا ہے' تو ظاہر ہے کہ آدم و حوا کی غرضوں پر بارگاہ خداوندی سے قلم غفور کھینچ دیا گیا اور دونوں کا شمار اس کے بعد سے اپنے آئندہ صالحانہ طرز عمل کے لحاظ سے 'صلحا و اتقیا' میں ہو گیا۔ اسی حالت میں حضرت حوا کو شیطان کا قائم مقام قرار دینا اور دنیا صحت کے گناہوں کی ٹھڑی اس کے سر اقدس پر دینا مرزا خدام احمد قادیانی جیسے منہ پھٹ شخص ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ خدا کلام آتا ہے اور جبرئیل کو ہمارے پاس بھیجتا ہے اور ہم اس مقام پر پہنچے ہیں کہ محمد مصطفیٰ کو بھی عیب نہیں ہوا۔ معوذ باللہ من تلک الاموات و الخرافات۔

علامہ اقبال کے سامنے جب اگلے دن حضرت خواجہ عیسا اسلام کے باب میں قادیانیوں نے قلم اٹھا دیا یہ عقیدہ پیش کیا گیا تو علامہ ممدوح سے چمک کر کہا کہ یہ وہی حوا ہے جس کی ایک وہابی محمدی بیہوش خاطر سب نے کئی ایک شکل زنا اسلام پر دیکھا ہے جب اسلام چرے نے اسے تو ان کی بیسیوں خندہ قفس تابلیس میں اور باآخر خسر الدیا دکھایا ہو رہا ہے۔

دار ابوہر ہو گئے۔ اور پھر یہ وہی حوالہ ہے جس کی بیٹیوں نے آپ کے خلف الصدق مر مر شیخ الدین محمود سے فلسفہ مشی فی الہوم کے اسرار و خدایہ ان گنت رنگیں شرحیں لکھوائیں۔ شیخ کی قائم مقامی کا فرض تو انجام دیں مرزائی اور الزام اس شیطنت کا چسپہ دیں تمام ساری م کے سر۔ معذور نہیں کایانی اس قسم کے اسات ہیں اور اس حوالہ کے اٹل سے پیدا ہو۔ ہیں؟

(زمیندار '۳۔ جولائی ۱۹۳۲ء)

نکات

قادیانیت اور اقبال (۲)

(از نقاش)

(حضرت خوا اور متسی قادیان)

۱۔ مشہور مفتی علی حسین دہلوی ائیدہ واسلام کی رفیقہ حیات حضرت خوا ایسا اسلام سے وابستہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کی بھالی ڈاکھانا عقیدہ زمیندار کی کسی گزشتہ اشاعت میں قادیانیت کی طبیعت کے لیے تنقید کا سامان ہم پہنچا چکا ہے۔ قادیانیت کو یہ ہو چکا کہ علامہ قبل سے اس قادیان عقیدہ سے اپنی بیزاری کا اظہار سختی سے یہ تھا کہ راقم الحروف نے اپنے اس وقت میں دیکھا ہے۔ جس صاحب کی روایت کی بنا پر یہ سارا واقعہ ہے، قلم پر لیا نہیں راقم سے قلم سے شکوہ ہے کہ وہ شاید موضوع کی رنگینی کی سفارت پر کسی قدر شوخ ہو گیا۔ ب کی ڈاکھانہ ہے کہ علامہ اقبال کے اصل احاطہ و عدم ممدوحی کی خشک حکیمانہ مسامت سے ہاس میں کیا والوں کے کانوں تک پہنچا دیا جائے۔ مجھے امتثال امر میں کوئی حذر نہیں۔

۲۔ ان قادیانیت ہے کہ جب علامہ اقبال کو ”تحفہ مولانا“ مصنف متسی قادیان کی وہ عبارت پڑھی گئی جس میں اس متسی علی اللہ نے قادیانیت کی تائید کو جھٹلاتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ شیطان کا قائم مقام بن کر وہ ہست سے نکال دیا اور علامہ ممدوحی سے شکوہ کیا ہے کہ ایسا عقیدہ رہنے والے شخص کے حق میں آپ کی یاد ہے تو انہوں نے

یہ عقیدہ مسلمانوں پر تو نہیں ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ رہے مرزا غلام احمد قادیانی سو سمجھتا ہے کہ عورت ذات کے ساتھ ان کے تعلقات کی عمر بھر کی اہمیت سے اس طرح ہوا کہ حضرت خوا کو ایسے نازیبا احاطہ سے یاد کیا جائے۔ اور یوں بھی کسی شریف النفس انسان کا جذبہ مردانہ رفت و رفت صرف ناز پر ایسے

ریک مملہ کی تاب نہیں لاسکتا۔

اسی انداز میں چند باتیں علامہ اقبال کی زبان سے جناب مرزائے قادریانی آنجنابی کے صاحب زادہ بلند اقبال کی نسبت بھی صادر ہوئیں جو اس وقت انہیں سے اتر گئی ہیں۔ یہ بات تو مستحق ہو گئی کہ مشقی قادیان کے عقائد کو مسلمانوں کے عقائد سے دور کا انتساب بھی نہیں۔ نھرانیت کی ترجمانی کا ڈھنگ البتہ اسیں خوب جانتا ہے۔

ہمارے علماء نے قادیانیوں کو ان کے باطل عقائد کی بنا پر دائرہ اسلام سے خارج کرنے میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا لیکن بوجہی ملاحظہ ہو کہ کسی سرور آورہ قادیانی کا نسب ناموس مصطفویٰ کے اس پاسبانوں کے حلقہ میں آتا ہے تو وہ بلا تکلف اسے "موسوی" یا "موسوی" کے لقب سے ملقب فرماتے ہیں مثلاً اگر وہ اندلسی قادیانیوں کے امام مسٹر محمد علی خان ہیں گے "جو مسلمانوں کو "دوست ابغدا" قرار دینے میں اور ملے امت پر گالیوں کا جھڑبندھے میں اپنے کسی بڑے سے بڑے دمشقی خواجہ تاش سے کم نہیں "موسوی" کہہ کر رہے ہیں گے۔ جب اس لوگوں کے عقائد بقول علامہ اقبال جیسے یوں سے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہمائے کرام اور عامتہ المسلمین اس کو موسوی کہہ کر پکاریں جو صرف ذی علم مسلمانوں کا امتیازی وصف ہے۔ یہ تو یہی ہے جیسے کوئی کہے کہ حضرت مولانا لکھنؤ جارج نے یوں فرمایا کہ حضرت موسوی سہوکل دور کا یہ رشاد ہے۔ ہنس ہو گا کہ آئندہ سے ہر قابل ذکر قادیانی کا نام اس سے کہ وہ اندلسی ہو یا دمشقی، مسٹر کہہ کر مخاطب کیا جائے اور جو ان کے امام ہیں اسیں پادری کے معزز لقب سے یاد کیا جائے اور موسیو کا لقب تو موسیو مرزا بشیر امدیں محمود سے ہے وقف ہو ہی چکا ہے۔

(زمیندار ۶- جولائی ۱۹۳۲ء)

نوٹ: مولانا ظفر علی خاں نے قادیانیوں کے دو معروف فرقوں کے سبب، دمشقی اور اندلسی قادیانیوں کے بدیع اصطلاحات وضع فرمائی تھیں۔ دمشقی قادیانیوں سے مراد وہ قادیانی ہیں جو مرزا محمد مسٹر کے مستقل نبی مانتے ہیں۔ اس فرقے کے امام مرزا بشیر امدیں محمود تھے۔ اندلسی قادیانیوں سے مراد وہ قادیانی ہیں جو مشقی قادیان کو مجدد کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس طائفہ کے امام مسٹر محمد علی تھے۔ مولانا ظفر علی خاں نے سب سے پہلے کہ دونوں فرقوں کا یہ فرق صرف نقلی ہیہ پیچیدہ حقیقت میں دمشقی اور اندلسی قادیانی ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ (مضمون)

ضمیمہ — ۳

متفرق تحریریں

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی تجدید و تشکیل

(علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں کی تقاریر)

قاریائیوں اور ان کے حامیوں کے نام مسترد کر دیے گئے باشندگان لاہور کا عظیم الشان جلسہ عام

لاہور - ۳ - جولائی آج رات کے نو بجے باغ بیرون دہلی دروازہ میں مسلمانان لاہور کا ایک عظیم الشان جلسہ زیر صدارت میاں عبدالعزیز صاحب صدر ہدیہ لاہور منعقد ہوا۔ حاضرین کی تعداد انداز میں پانچ ہزار کے قریب اور اختتام کے وقت آٹھ ہزار سے تجاوز تھی۔ مولانا ظفر علی خاں اور علامہ سید محمد اقبال کی تشریف آوری پر حاضرین جلسہ نے نئے اس کے پرچم شہر بلند کیے۔ مولانا محمد یعقوب نے قرآن عظیم کے ایک رکوع کی تلاوت کی اور مولوی احمد یار خاں نے علامہ اقبال کی ایک نظم کا کر سنا۔ صاحب صدر کی درخواست پر علامہ اقبال نے کشمیر کمیٹی کے متعلق تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

علامہ اقبال کی تقریر

”علامہ اقبال نے اس انڈیا کشمیر کمیٹی کی صدارت سے مستعفی ہونے سے سب کو مطلع کیا۔ اس سے ہوئے فرمایا کہ میں اس سلسلہ میں ایک بیان اخبارات میں شائع لایا ہوں اور بعض اخبارات نے صرف اس بیان پر تنقید کی ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود کی طرف سے بھی میرے اس بیان کا جواب دیا گیا ہے۔ جواب الجواب کے لیے میں اخبار کے صفحات کے بجائے اس جلسہ کو ترجیح دیتا ہوں جو میرے مشورہ کے مطابق مسلمانان لاہور نے منعقد کیا ہے۔“

علامہ اقبال نے کہا کہ مسلمانوں میں ابھی سیاسی زندگی کا آغاز ہے اس لیے ضروری ہے تصور اسلام ہر معاملہ پر اچھی طرح غور کریں اور ان کے سامنے تمام مسائل پر پوری روشنی ڈالی جائے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ذاتی اختلافات مٹ کر ایک ہو جائیں اور

سیاسیات حاضرہ کا مطالعہ کرتے ہوئے اپنے لیے مفید راہ حلاقت کریں۔

آپ نے کہا کہ پچیس تیس سال ہوئے جب لاہور میں آل انڈیا کشمیر کانفرنس کی نیا رکھی گئی تھی اور اس کانفرنس میں صرف اہل خط حضرات اور کشمیری قومیت رکھنے والے شامل ہو سکتے تھے۔ میں نے اس وقت بھی اس امر سے اختلاف کا اظہار کیا تھا اور میری رائے تھی کہ اس انڈیا کشمیر کمیٹی بنالی جائے جس میں ہندوستان کے وہ تمام افراد شامل ہو سکیں جو اہل کشمیر سے بہرہ بردی رکھتے ہوں۔ چنانچہ میں اس کانفرنس میں شامل نہیں ہوا۔ اس کانفرنس نے کشمیر کے مسلمان رٹوں کو تعلیم سے بہرہ ور کرنے کی کوشش کی لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کو ریاست میں ملازمتیں نہ ملیں۔ چنانچہ وہاں اضطراب پیدا ہوا اور زبردست تحریک شروع ہو گئی۔ اس تحریک کے جاری کرنے کا اہتمام میرے اور سر محمد شفیع مرحوم کے سر چھوڑ دیا۔ ان دنوں میں شملہ میں تھا۔ وہاں پر ایک آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی بنیاد رکھی گئی۔ چونکہ عام طور پر خیال یہ تھا کہ اس کمیٹی کی ضرورت چند روز کے لیے عارضی طور پر ہوگی اس لیے اس کا کوئی آئین یا ضابطہ نہ بنایا گیا اور اس کے صدر مرزا بشیر الدین محمود مقرر ہوئے۔ کشمیر کے بہرہ بردی حالات کے تغیر کے طور پر جتنے کے باعث اس کمیٹی کے کام کو باری رکھنا ضروری ہے۔ میرا خیال ہے کہ ابھی تین چار سال تک یہ حالت درست نہ ہو سکیں گے اور کشمیر کمیٹی کو رہنا رہے کی ضرورت باقی رہے گی۔

قادیانوں کی ضرورت

شملہ میں قائم ہونے والی عارضی کمیٹی کے صدر مرزا بشیر الدین محمود تھے جن سے کمیٹی کے بعض ارکان کو اختلاف پیدا ہوا اور تجویز کی گئی کہ نئے انتخاب عمل میں لائے جائیں۔ مرزا صاحب نے استعفیٰ دے دیا اور کمیٹی نے عارضی طور پر مجھے صدر اور ملک برکت علی کو سیکرٹری مقرر کر دیا تھا کہ کمیٹی کے ضوابط مرتب کر کے عہدہ داروں کا انتخاب عمل میں لایا جائے۔ اس کے بعد محوڈن ہاں میں ایک جلسہ ہوا جس میں کمیٹی کے ضوابط کا آئین پیش کیا گیا۔

اس موقع پر علامہ سراقبال نے اس جلسہ کی داستان سنائی اور حاضرین کو بتایا کہ اس جلسہ میں قادیانی ممبروں نے اس قسم کی ترمیمیں پیش کرنی شروع کر دیں جن کا مقصد میں یہ سمجھ کہ یہ لوگ کمیٹی کے اندر قادیانی حلقہ کی ایک اور کمیٹی بنانا چاہتے ہیں جس سے کام خوش اسلوبی سے نہیں ہو سکے گا چنانچہ میں نے جلسہ کا رنگ دیکھ کر اپنی رائے ظاہر کر دی اور زبانی طور پر استعفیٰ پیش کر دی۔ دو دن کے بعد میں نے اخبارات کو بیان دیا اور عامۃ المسلمین سے اپیل کی کہ وہ اس انڈیا کشمیر کمیٹی کی تشکیل کے لیے عام جلسہ منعقد کریں۔

[illegible]

کمیٹی کے تشکیلات کا مسئلہ

۱۔ اقل سے زیادہ تک یہ معاملہ چھڑے گا۔ اقل سے زیادہ تک۔
۲۔ اقل سے زیادہ تک یہ مسئلہ چھڑے گا۔ اقل سے زیادہ تک۔
۳۔ اقل سے زیادہ تک یہ مسئلہ چھڑے گا۔ اقل سے زیادہ تک۔
۴۔ اقل سے زیادہ تک یہ مسئلہ چھڑے گا۔ اقل سے زیادہ تک۔
۵۔ اقل سے زیادہ تک یہ مسئلہ چھڑے گا۔ اقل سے زیادہ تک۔
۶۔ اقل سے زیادہ تک یہ مسئلہ چھڑے گا۔ اقل سے زیادہ تک۔
۷۔ اقل سے زیادہ تک یہ مسئلہ چھڑے گا۔ اقل سے زیادہ تک۔
۸۔ اقل سے زیادہ تک یہ مسئلہ چھڑے گا۔ اقل سے زیادہ تک۔
۹۔ اقل سے زیادہ تک یہ مسئلہ چھڑے گا۔ اقل سے زیادہ تک۔
۱۰۔ اقل سے زیادہ تک یہ مسئلہ چھڑے گا۔ اقل سے زیادہ تک۔

صاحب صدر کا بیورو

۱۔ عہد مصائب صدر کے داخلہ کے ساتھ طائفہ رقبوں کے تمام حالات آپ کے لئے ٹھیک اسیے ہیں۔ اسی مقدمہ میں کہ جس میں سے یہی مقام میں رہتے ہیں۔ اس کے بعد اس کا مقدمہ یہ ہے کہ اس طرح شہید بیٹی کی غیبت صحیح صورتوں میں ہے۔ یہ بیٹی شہید کے مسلمانوں کے یہ غیبت ثابت ہو ایک ادارہ طائفہ میں مرزائی نہ رہے جائیں کیونکہ اس نے اسے تسلیم کیا ہے۔

قدیمیوں سے تعلق رکھنے والے اب وہ مسلمانوں سے رہتے اسرار میں سے اور شیخ محمد نے
قدیمائی تفسیر لکھنے کی ضرورت یہ ہوگی۔

دوسری قرارداد

بہارِ طہر ہی خالص ہے بے غل و غار، بے شکر و سببِ دلی
لی اور قمرِ راد و مشکوٰۃ بہارِ دلی

”یہاں ہر ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ایک بار میرے افسوس نامہ حالات سامنے آتے ہیں۔
 خطاب دیتے ہیں کہ یہاں ہر روز قمار شہیرے بند رہتے ہیں۔ یہاں ہر روز
 قمار کیا جاتا ہے۔ اس طریق عمل سے مختلف اسلامی طبقوں میں صلح و آجہ
 پیدا ہوتی ہے۔ اس کے نتیجے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خود قابل افسوس حالات کو روکا جا
 سکتا ہے۔ یہ شیخ محمد ممدود علیہ السلام کے رہنما، غنی مشرور طور پر رہا کرتے ہیں۔
 ہر ریاست بحرین میں قدر محدود شہرہ آفاق شہیرے ہیں۔ یہاں ہر روز
 اس کے یہاں ہے۔“

تیسری قرارداد

(تیسری قرار دہری حداثت کی طرف سے پیش کی گئی، مٹھارہ والی اس قرار میں یہ ہے کہ مسلمانان ہند شیعہ مسلمانوں کی ہر ممکن مدد کریں اور اپنے اندرونی اختلافات میں متحد رہیں۔
باقیوں۔ (مجلس از بعشر)

۴۰ میں مولانا ظفر علی خان سے بی شہرہ کیمپ کی مالی مدد کے لیے اپیل کی اور اس شخص مبلغ سو روپیہ دینے کا وعدہ فرمایا۔ اور مولانا محمد بخش مسعود سے عید میلاد النبی کے سلسلہ اہتمام میں۔ جلسہ رات کے بارہ بجے درخواست ہوا اور دعا مانگی گئی۔

(زمیندار' ۱۰- جولائی ۱۹۳۱ء (ص ۴۰))

(روزنامہ زمیندار کا ایک اداریہ)

PAR

لغووں میں آہیں بھی شامل ہیں۔ زمزموں میں چٹخوں کی بھی آمیزش ہے اور جشن میں کچھ ماتی اثر
 بھی ہے۔ کیونکہ ہمارے چار پانچ لاکھ بھائی ابھی کپوں میں پڑے ہیں انہیں اپنا مستقبل تک معلوم
 نہیں۔ ان کی قسمت اس سفینے کی طرح ہے جس کا طوفانی ریلے کے سوا کوئی ناخدا نہ ہو۔
 ہزاروں لڑکیاں ابھی غیروں کے قفسے میں ہیں جن کی عزت کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔
 ہزاروں مہاجرین مارے مارے پھر رہے ہیں۔ آئیے آئندہ جشن سے پہلے ان فرائض سے
 ہمدوش ہو جائیں پھر ہمارا جشن مکمل ہو گا۔ لیکن یہ نامکمل جشن بھی ہزاروں مسرتوں کا آئینہ دار
 ہے۔ یہ ہماری آزادی کی عید ہے اور اس عید پر ہزاروں معمولی عیدیں قربان کی جاسکتی ہیں۔ ہم
 عید استقلال پر سب سے پہلے قائد اعظم کی خدمت میں ہدیہ تحریک پیش کرتے ہیں کیونکہ وہی
 پاکستان کے معمار اعظم ہیں۔ اس کے بعد مہاجرین کرام کی خدمت میں مبارکباد کا ہدیہ پیش کرتے
 ہیں جنہیں پاکستان کی قیمت عدیم انظیر قربانیوں سے پیش کرنا پڑی۔ پھر انصار کو مبارکباد کہتے ہیں۔
 اور آخر میں سب سے درخواست کرتے ہیں کہ آئیے پاکستان کی خوشحالی اور جاودانی آزادی کے
 لیے دعا کریں۔

پاکستان زندہ باد

(زمیندار - ۱۵ - اگست ۱۹۴۸ء)

مکتوب مولانا ظفر علی خاں

بنام حضرت علامہ اقبال و دیگر علماء ملت

مخدوم و مطاع بندہ۔ زاد مجد کم۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

اس نازک مرحلہ پر جب کہ انگریزوں سے اپنے مطالبات منوانے کے لیے ہندو مسلم مخالفت ناکزیر ہے، 'دلدادگان طریقہ انتخاب جداگانہ اور حامیان انتخاب مخلوط کی باہم آویزی مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کر رہی ہے' جس سے 'بجز خسران و خذلان کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ دونوں فریقوں کو ایک نقطہ خیال پر جمع کرنے کی غرض سے بہت سی کوششیں پہلے بھی ہو چکی ہیں جو ناکام رہیں۔ لیکن اگر خدائے بزرگ و برتر کی رحمت شامل حال ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کے المناک مشقت و انتشار کو رفع کرنے (کی) کوئی مخلصانہ کوشش اگر باسلوب مناسب آئندہ کی جائے تو اس کا حشر بھی دی ہو جو مساعی سابقہ کا ہوا۔

مسلمانان لاہور کی خواہش ہے کہ جانبین کو مسئلہ زیر بحث میں کوئی درمیانی راست اختیار کر کے ایک نقطہ نظر پر جمع کرنے کی ایک آخری کوشش اور کی جائے اور اس غرض سے کوئی بہت بڑی مشترکہ کانفرنس منعقد کرنے کے بجائے چیدہ چیدہ قائدین کرام کو دعوت دی جائے اور وہ سر جوڑ کر بیٹھ جائیں اور کسر و انکسار سے کوئی ایسا سیاسی کلیہ ملت کے لیے تجویز کریں جس سے سب کو اتفاق ہو تاکہ خانہ جنگی کی جو بلائے مہیب اس وقت مسلمانوں کے سر پر معلق ہے وہ نل جائے اور مسلمان اس قابل ہو جائیں کہ وہ اپنا متفقہ مطالبہ مہاتما گاندھی کی فیصلہ کن وساطت سے 'جو کسی ایسے مطالبہ کے لیے بیکہ مضطرب نظر آتے ہیں' برادران ہندو کے سامنے بطور بہت آخر پیش کر سکیں۔ اس نہایت ہی اہم اجتماع کے لیے جو وقت کی فوری ضرورت ہے، دعوت دینے کا منصب مجھے تفویض کیا گیا ہے اور مجھے مجاز کیا گیا ہے کہ حسب ذیل حضرات کو یہ تعین تاریخ لاہور میں قدم رنجہ فرمانے کی دعوت دوں۔

مولانا شوکت علی

مولانا ابوالکلام آزاد

سیٹھ عاتق عبداللہ ہارون

علامہ مفتی محمد کفایت اللہ

علامہ سر محمد اقبال	ڈاکٹر مختار احمد انصاری
میاں سر محمد شفیع	خواجہ عبد الرحمن غازی
مولانا حسرت موہانی	مولانا عبد القادر قصوری

پس میں جناب سے اسلام کی سینہ صد سال روایات کے نام پر، مسلمانان ہند کی عزت کے نام پر جو قطرہ میں ہے اور ملت بیضا کی تاریخی وحدت و اکتناز کے نام پر صمیم قلب کے ساتھ التجا کرتا ہوں کہ اس عاجزانہ دعوت کو قبول فرمائیں اور یکم مئی کی شام یا ۲۔ مئی کی صبح تک رشتہ افروز لاہور ہو کر مسلمانان لاہور کی عزت بڑھائیں اور ایک نہایت ہی پیچیدہ مسئلہ کا کوئی مستفاد حل سوچ کر اس بد نصیب ملت کی دعائیں لیں جو زیادہ دیر تک اپنے شیرازہ کی پریشانی کو سونہاں روئے بنائے رکھنے کی تاب نہیں لاسکتی۔ دوران قیام لاہور میں جناب کی فروکشی کا مناسب انتظام کیا جا چکا ہے۔ اس عریضہ کا جواب بواپسی لطف ہو۔

دعا گوئے ملت اسلامیہ

ظفر علی خاں

لاہور - ۲۱ - اپریل ۱۹۳۱ء

(زمیندار - ۲۳ اپریل ۱۹۳۱ء)



اقبال اکادمی پاکستان